DATA ENTERED

تذکرہ

حضرت شاہ ولی اللہؒ

حضرت مجدد اعظم کی زندگی اور اُن کے
فکر و نظر کی تشریح و توضیح

علامہ مناظر احسن گیلانی مرحوم

نفیس اکیڈیمی
بلاسس اسٹریٹ ــــــــ کراچی (پاکستان)
قیمت مجلد چار روپیہ آٹھ آنہ

جملہ حقوق دائمی اشاعت وطباعت بحق

چوہدری محمد اقبال سلیم گاہندری

مالک

نفیس اکیڈیمی و مسعود پبلشنگ ہاؤس

بلاسس اسٹریٹ کراچی محفوظ ہیں

۲۹۷۶۹۹۲۴
۹۵۷۸۶

طبع سوم:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جولائی سنہ ۱۹۵۹ء

طبع چہارم:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ جون سنہ ۱۹۶۵ء

طباعت:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ انٹرنیشنل پریس کراچی

فہرست

ہر چڑھاؤ کے بعد اُتار ۲۹
الف ثانیؒ کے تجدیدی کارنامے کی انتہا ۳۱
فتاویٰ عالمگیری کی تدوین وتالیف میں عالمگیرؒ کی شرکت ۳۲
عالمگیری کارناموں میں مجددی اشارات کا دخل ۳۳
عروج کے بعد نزول ۳۵
شاہ عبدالعزیزؒ کے خونی آنسو یا نالہ ہائے نیم شبی ۳۶
دلی کے خونیں فتنے اور شاہ ولی اللہؒ کی استقامت ۳۹
عالمگیرؒ کے بعد فتنوں کا آغاز ۴۴
سکھ تحریک اور مرہٹہ تحریک ۴۴
پنجاب کی جدید تحریک خاکسار اور قدیم سکھ تحریک میں وجوہ مماثلت ۴۷

Marfat.com

سکھ تحریک کی سیاسی کروٹ اور اس کے فروغ کے اسباب ۴۹
مسلمانوں پر لرزہ خیز مظالم ۵۰
ایک ہندو مصنف کی شہادت ۵۱
زندہ جانوروں کے ہولے ۵۱
انسانوں کے ہولے ۵۲
سکھوں کا جذبۂ قربانی ۵۲
باطل کے لئے مرجانے اور حق پر جان دینے کا فرق ۵۳
سکھ تحریک اور مرہٹہ تحریک کا ایک خاص فرق ۵۸
ہندؤں کی موجودہ سیاسی سرگرمیوں کا رخ اور ان کا مقصد ۶۱
کیا ہندوستان کی تقسیم سے ہمارے مرض کا علاج ہوسکتا ہے ۶۲
مرہٹہ گردی ۶۲
دلی پر مرہٹوں کی تاخت اور دوسری اسلامی بستیوں کی بربادی ۶۴
عید قرباں کے دن مسلمانوں کی قربانیاں ۶۵
حضرت شاہ صاحبؒ کا ایک تاریخی خواب ۶۵
شاہ صاحب کے اس خواب کی تعبیر پانی پت کی مشہور تاریخی جنگ ۶۹
خواب اور بیداری کے واقعات کا انطباق ۷۰
لال قلعہ پر مرہٹوں کا قبضہ ۷۱
تنگ ظرف مرہٹوں کی لوٹ مار کی ذلیل ذہنیت ۷۳

Marfat.com

شاہ صاحب کے خواب کا دوسرا جزا اور ہندوستان پر غازی احمد شاہ ابدالی کا حملہ اور مرہٹہ طاقت کی شکست ۷۸
شاہ ابدالی کا بے نظیر ایثار اور اس کا راز ۸۶
نعمت اور نعمت کے بعد بھی مسلمانوں کی غفلت اور خدا فراموشی ۸۷
شاہ ولی اللہ کی چیخ پکار اور خطرہ کا مسلسل الارم ۸۸
مسلمانوں کے مختلف طبقات کو شاہ صاحب کا پیغام اور مفصل پروگرام ۸۹
سلاطین اسلام سے خطاب ۹۰
امراء وارکان دولت سے خطاب ۹۱
مشائخ کی اولاد یعنی پیرزادوں سے خطاب ۹۵
غلط کار علماء سے خطاب ۹۷
دین میں تنگی پیدا کرنے والے واعظوں اور کنج نشیں زاہدوں سے خطاب ۹۶
عام امت مسلمہ سے جامع خطاب ۱۰۱
ہندی مسلمانوں کا جمود یا مرنے کا تہیہ ۱۰۵
قدرتی قانون کے مطابق اس خواب غفلت کی سزا اور انگریزی اقتدار کا آغاز ۱۰۶
سراج الدولہ کی فوج پر کارتوسی بندوقوں کے ساتھ لارڈ کلایو کا پہلا شب خون ۱۰۷

Marfat.com

سراج الدولہ کے لشکر میں ابتری اور قیامت کا نمونہ ۱۰۷
میر جعفر وغیرہ کی غداری اور جنگ پلاسی میں انگریزوں کی فتح ۱۰۸
سراج الدولہ کا لرزہ خیز قتل ' اپنے پایۂ تخت مرشد آباد کے بازاروں میں سراج الدولہ کی لاش ۱۰۹
بنگال، بہار و اڑیسہ کی دیوانی کمپنی بہادر کے نام ۱۱۰
فرنگی ٹھیکیداروں کی نزاکت دماغی ۱۱۱
آخر عمر میں شاہ ولی اللہ کی دردناک وصیت ۱۱۲
۱۱۴۳ھ حالات کی نزاکت کے باوجود شاہ صاحب کے سفر حجاز کا آغاز ۱۱۳
شاہ صاحبؒ نے ہندوستان کو بالکل خیرباد کہہ کر حجاز میں اقامت کیوں نہیں کرلی ۱۱۴
شاہ صاحبؒ کی ایک محیر العقول توقع ۱۱۴
شاہ صاحبؒ اور نظریۂ وطنیت ۱۱۷
حجازی تہذیب اور مسلمان ۱۱۹
اہل عجم کے فیشن اختیار کرنے والوں سے شاہ صاحب کی بیزاری ۱۲۲
شاہ صاحبؒ نے ہندوستان کو کیوں نہیں چھوڑا ۱۲۳
درحقیقت کشمکش حیات سے کسی طرح پیچھا چھوٹ نہیں سکتا ۱۲۳
ہندوستان میں قیام اور مستقبل کا کام ۱۲۶
شاہ صاحبؒ کے ہم عصر علماء و مشائخ کی کمزوریاں ۱۲۹
صوفیوں کی افسوسناک حالت ۱۳۲

Marfat.com

"نمود و نمود" کا فتنہ ۱۳۵
نجوم کے شعبدے اور کہانت کے کرشمے ۱۴۰
ام الفتن یعنی خانہ جنگی ۱۴۶
سادات بارہ کا فتنہ ۱۴۹
اس فتنہ کی اصل جڑ شیعہ سنی اختلاف تھا ۱۵۰
ہندوستان میں شیعیت کے قدم ۱۵۰
اسلامی عقائد کے متعلق ایک عام غلط فہمی ۱۵۲
شہزادہ فرخ سیر کا بیدردانہ قتل ۱۵۵
شاہ عبدالرحیم کا ایک عجیب خواب ۱۵۶
رفیع الدرجات اور رفیع الدولہ کی تخت نشینی اور ان کے بعد محمد شاہ کا دورِ دورہ ۱۵۸
شاہ ولی اللہ کے درس حدیث کے لئے محمد شاہ کی طرف سے مکان کا عطیہ ۱۶۳
ولی اللہی دارالعلوم کی عمارت غدر میں برباد ہوئی ۱۶۳
حافظ رحمت خان والیٔ بریلی اور نجیب الدولہ کی خدمتِ علم دین ۱۶۶
شاہ صاحب کے اصل کام کا آغاز اور دلی پر خونی نادر کی یلغار ۱۶۸
سیاسی شکست کا لازمہ دماغی غلامی ۱۷۰
علماء پر منطق و فلسفہ کے تسلط کی تاریخ، میر باقر داماد کا کچھ تعارف ۱۷۳

میر باقر کے ایک شاگرد "صدر شیرازی" ۱۷۵

میرزا زاہد ہروی اور علم فقہ میں ان کی کمزوری ۱۷۷

معقولات میں مرزا صاحب کا غلو ۱۷۸

نادری حملہ کے بعد ایرانی علوم و نظریات کا ہندوستانی علماء پر اثر ۱۷۹

نادر شاہ کا بے پناہ رعب ۱۸۱

شاہجہاں کی پوتی، نادر شاہ کے لڑکے کے نکاح میں ۱۸۱

ہندوستان میں روہیلہ پٹھانوں کا سیلاب ۱۸۲

یہاں تک کہ "تاریخی مباحث" کا مقصد اور حاصل ۲۰۲

فتنوں کے اس دور میں شاہ ولی اللہ رح کی آمد ۲۰۴

شاہ صاحب رح کے والد شاہ عبدالرحیم کی شخصیت ۲۰۶

شاہ ولی اللہ کی ولادت سے پہلے شاہ عبدالرحیم کو ان کے کمالات کی بشارت ۲۱۳

کل ۶۱ سال کی عمر میں شاہ صاحب کا محیر العقول کام ۲۱۶

شاہ صاحب کے دادا کی تاریخی شجاعت ۲۱۹

خلافت ظاہرہ اور خلافت باطنہ ۲۲۳

سیاست اور اسلام کا واقعی تعلق، شاہ صاحب کی نظر میں ۲۳۱

شاہ صاحب کی جامعیت ۲۳۶

شاہ عبدالعزیز رح کی جامعیت ۲۳۷

شاہ صاحب کی امتیازی شان اور آپ کے خاص کارنامے ۲۴۰

Marfat.com

فقہی اختلافات میں نقطۂ عدل ۲۴۱

صوفیائے عصر اور تصوف کی اصلاح ۲۴۷

شیعہ سُنی نزاع کے متعلق شاہ صاحب کا کام ۲۴۹

یونانی فلسفہ کی بجائے ایمانی فلسفہ ۲۵۰

مغربی الحاد کے زہر کا تریاق اور امروزہ شبہات کا پیشگی جواب ۲۵۱

قرآن و حدیث کے تراجم کی بنیاد ۲۵۴

شاہ صاحب کے ان شش جہتی کارناموں پر اجمالی نظر ۲۵۹

شاہ صاحب کے طرز انشاء میں زبان نبوت کی جھلک ۲۶۳

شاہ صاحب کے سارے کام کی کل مدت ۲۶۴

شاہ صاحب کی عمر کے بارے میں اختلاف ۲۶۶

شاہ صاحب کی تاریخی ولادت اور وفات ۲۶۶

شاہ صاحب کی ان محیر العقول خدمات کا اصل راز ۲۷۱

شاہ صاحب کے اس خواب کی تشریح اور تعبیر ۲۷۳

شاہ صاحب کی زندگی پر حضرات حسنینؓ کی زندگیوں کا انطباق ۲۷۴

شاہ صاحب کے خاندان پر کربلائی مصائب ۲۷۸

شاہ صاحب کے تجدیدی کارناموں میں فیض روح القدس کا دخل ۲۸۳

سفر حجاز کے بعد شاہ صاحب کی زندگی کا خاص دور ۲۸۵

ولی اللٰہی فیوض کی وسعت اور نوعیت ۲۸۷

ایک یمنی محدث کی شہادت، علامہ رشید رضا مصری کا بیان ۲۸۹

Marfat.com

متن قرآن کے درس کے متعلق شاہ صاحب کی ہدایت	۲۹۵
شاہ صاحب کے باقیات، صالحات	۲۹۶
وفات سے پہلے چاروں صاحبزادوں کی خلافت	۲۹۷
چاروں صاحبزادوں کے باہمی تعلقات	۲۹۸
چاروں صاحبزادوں کی وفات میں عکسی ترتیب	۳۰۰
شاہ ولی اللہ کے مدرسہ کا حال اور غدر میں اُس کی بربادی	۳۰۱
ولی اللہی دار العلوم پر مدرسہ رائے بہادر لالہ رام کشن داس کا تختہ	۳۰۳

Marfat.com

مولانا مناظر احسن گیلانی

حضرت مولانا گیلانیؒ بندہ پر مولیٰ کے کرم خاص کی نشانی' پیدائش کے اعتبار سے قصباتی مگر شہرت کے لحاظ سے عالمی' قدوقامت کے مختصر مگر فکرونظر کے ناپیدا کنار سمندر' علم وبصیرت کے یگانہ مگر عام امورِ زندگی سے بیگانہ دوماغ کے زیرک مگر دل کے دیوانے' ہوشیاری ومستی کا سنگم! میدانِ تقریر کے شہسوار اور تحریر کے سید القلم۔

مولانا گیلانی کی ابتدائی تعلیم اپنے گھر ہی میں ہوئی' پھر تقریباً نو برس تک ٹونک میں امام معقولات مولانا حکیم برکات احمد صاحبؒ سے تلمذ کا شرف پایا' اس کے بعد منقولات کی تکمیل کے لئے دیوبند پہنچے اور شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا انور شاہ کشمیریؒ جیسے اساتذہ کے کامیاب ترین شاگرد رہ کر سندِ فراغ حاصل کی' اس کے فوراً بعد اسی درس گاہ کے استاذ بنا دیئے گئے اور رسالہ القاسم کی ادارت بھی مولانا ہی کے سپرد ہوئی۔

وہ درس دیوبند میں رہے ہوں گے کہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد (دکن) کی طلب واصرار پر ۱۹۲۰ء شعبہ دینیات کے لکچرار کی حیثیت سے یہاں پہنچے اور ترقی کرتے کرتے صدر شعبہ کی حیثیت میں ۱۹۴۹ء میں ریٹائر ہو گئے۔ ریاست حیدر آباد کے سقوط اور حالات کی ابتری نے مولانا کو دل گرفتہ کر دیا تھا اس لئے لاچار وہ اپنے وطن گیلانی لوٹ گئے اور اسی عزلت میں ۵ رجون ۱۹۵۶ء والی شب کو مولانا نے اس دار المحن سے ہمیشہ کے لئے چھٹکارا پا لیا' رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً[2]

حضرت گیلانی کی موت ایک کرامت بن کر آئی' مولانا کے بھائی مکارم احسن صاحب کا بیان ہے کہ مرض الموت میں اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ "جنت میں کوئی بوڑھا نہ جائے گا' بلکہ ہر شخص جوان ہو کر جائے گا" چنانچہ جیسے جیسے مولانا کا وقت آخر قریب آتا گیا ان میں جوش ومسرت کی کیفیت بڑھتی ہی چلی گئی یہاں تک کہ جس رات آخرت کو کوچ کرنے والے تھے اس رات تو فرطِ مسرت سے بے قابو ہو جاتے تھے اور اسی عالمِ فرح میں بظاہر سو بھی گئے مگر جب صبح ان کو دیکھا گیا تو وہ رخصت ہو چکے تھے اور حیرت کی بات یہ تھی کہ بوڑھے راہی کے چہرہ پر گوشت تروتازہ اس کی سفید ڈاڑھی بالکل سیاہ اور

---

[1] مولانا کا مولد قصبہ گیلانی (ضلع پٹنہ بہار) ہے جس کی نسبت سے گیلانوی لکھنا زیادہ صحیح ہے مگر مولانا رحمۃ اللہ خود کو محض گیلانی ہی لکھتے تھے مولانا کا سنہ پیدائش ۱۸۹۲ء ہے۔ [2] صدق جدید مورخہ ۱۲ رستمبر ۱۹۵۶ء

Marfat.com

اس کا جسم نزار گداز تھا، کسی کی ایک آنکھ نے دیکھا ہوتا تو دھوکہ کا گمان بھی ہوتا مگر سارے قصبہ کے مسلمانوں نے اس "خلد آشیانی" کی یہ جوانی دیکھی اور اس دید میں کیف روحانی پایا سبحان اللہ وبحمدہ کیا حیات آفرین موت پائی ؎ "مرگ کہ زاہداں بہ دعا آرزو کنند"۔

مولانا گیلانی کے علمی افادات کا آغاز ان کی طالب علمی ہی کے زمانہ سے ہوا اور اس کا انجام موت پر ہوا اس ۴۰ سالہ عرصہ میں مولانا نے مختلف علوم وفنون پر متعدد کتابیں اور سیکڑوں مضامین لکھے اور ہر تحریر میں اپنے ذہن کی اُپج، فہم وفراست کی بلندی، مطالعہ کی وسعت نظر کے عمق اور قوت اجتہاد کے نمونے کے پائیدار نقوش چھوڑے، مولانا کی سب سے پہلی کتاب ابوذر غفاریؓ کو دیکھکر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے فرمایا تھا کہ اس کتاب کا مصنف آگے چل کر محقق نکلے گا، چنانچہ یہی ہوا اور بعد کو علمائے عصر نے اس کی تصدیق کی۔

مولانا کے جملہ مضامین اور تالیفات کا احاطہ تو بیان مشکل ہے البتہ چند معرکۃ الآرا تصنیفات کے نام یہ ہیں۔

النبی الخاتم، الدین القیم، تدوین قرآن، تدوین حدیث، تدوین فقہ (غیر مطبوعہ) اسلامی معاشیات، حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، تذکرہ شاہ ولی اللہ، نظام تعلیم وتربیت، مقالات احسانی، تفسیر سورۂ کہف (غیر مطبوعہ) وغیرہ!

حضرت گیلانی کی علمی منزلت اور ان کی تحریر کے زور اور اُس کی حلاوت کا تو ایک عالم قائل ہے۔ مگر اس کے باطنی سبب یعنی مولانا کے عرفانی مرتبہ سے کم لوگ آشنا ہیں، حضرت گیلانی ایک سچے درویش تھے، قادریہ اور چشتیہ سلسلوں میں ان کو حضرت حبیب العیدروس بغدادی ثم حیدرآبادی اور حضرت مولانا محمد حسین صاحب حیدرآبادی سے خلافت حاصل تھی، وہ عشق نبوی اور حب الٰہی سے ہمیشہ سرشار رہتے تھے، ان کو حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ کے مسلک ومشرب سے خاص مناسبت تھی اور اس کے وہ خاص ترجمان بھی تھے، اور جو مناسبت خاص حضرت گیلانی کو ازراہِ تصوف شیخ اکبر قدس سرہ سے تھی۔ ویسی ہی مناسبت تامہ علمی وفکری راہ سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے تھی جس کے ثبوت میں یہ تذکرہ شاہ ولی اللہ بہت کافی ہے اور اہلِ نظر کے سامنے پیش ہے "عیاں راچہ بیاں"۔

خاک پائے بزرگاں غلام محمد

حضرت شاہ ولی اللہؒ

(از محمد اقبال سلیم گاھندری)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ ان چند اصحاب فکر علماء میں سے ہیں، جنھوں نے بارھویں صدی ہجری میں دنیائے اسلام کی جو فکری اور ذہنی کیفیت تھی، اس کا گہرا مطالعہ کیا تھا، اور اس وقت کے حالات سیاسی کو بھی پورے غور و تعمق سے دیکھا تھا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ شاہ صاحب نے افراد اور جماعتوں کی حیات کے لئے ایک قابل غور و فکر نقشہ دین اسلام کی سرمدی اور لاہوتی روشنی میں مرتب فرمایا، اور نہ صرف مرتب فرمایا، بلکہ اسے پوری جرأت و ہوشمندی کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش بھی کیا۔ ظاہر ہے کہ ہر گوشہ سے اس کی مخالفت ہونا ہی تھی۔ ہوئی اور خوب ہوئی۔ شاہ صاحب کو اس کی وجہ سے بہت سی تکالیف سے گزرنا پڑا۔ حق تو یہ ہے کہ بلا مخالفت کے صداقت نمایاں کہاں ہوتی ہے۔

اہل حق پر مخالفتوں کے پہاڑ ٹوٹا ہی کرتے ہیں۔ شاہ صاحب پر بھی ٹوٹتے رہے لیکن یہ اپنے کام میں لگے رہے۔ اور ایسے لگے رہے کہ بعد کی آنے والی نسلوں نے ان کے پیغام کو رہنا تسلیم کر ہی لیا۔ اور شاہ ولی اللہ کو آج ہماری ذہنی و فکری دنیا میں وہ مقام حاصل ہے جو برصغیر کے کسی دوسرے عالم کو حاصل نہیں۔

شاہ صاحب کون تھے، کیا کارنامے انجام دیئے، کن کن حالات سے گزرے

اور اس وقت کی سیاسی و ذہنی فضا کیسی تھی، افکار میں اور اعمال میں بلکہ نیزوں اور تلواروں میں، توپوں اور بندوقوں میں کیا ٹکراؤ ہوئے، کیوں ہوئے؟ اور اس کے نتائج کیا نکلے، شاہ صاحب کا اصل پیغام کیا تھا، اور اس کی خصوصیات کیا ہیں، یہ اور اس قسم کے سوالات عہد حاضر کے ایک ماہر عالم اور محقق مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی مرحوم کے قلم سے پوری تفصیلات کے ساتھ دل نشین انداز میں دیکھیے، یہ کتاب مولانا مرحوم کی تصانیف میں ایک خاص انداز و اہمیت کی حامل ہے، اور اس قدر مقبول ہے کہ ... نفیس اکیڈیمی سے پچھلے چند برسوں میں تین بار ہزاروں ہی کی تعداد میں چھپ کر شایع ہو چکی ہے۔

یہ تذکرہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا چوتھا ایڈیشن پیش کیا جا رہا ہے ہمیں امید ہے کہ نفیس اکیڈیمی کی دوسری اعلیٰ کتابوں کی طرح یہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ ناظرین کرام کے لئے علوم اور معلومات کا ایک بیش بہا خزینہ ثابت ہوگی۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ مسئلہ بڑی تفصیل و بسط کا طالب ہے کہ یورپ کی موجودہ بے دینی خود اس کے اس دین کی پیداوار ہے جس کی بنیاد عقیدہ "ولدیت" پر قائم تھی[۱]۔ پروٹسٹنٹ فرقہ کی تحریک گو ابتدا میں صرف کلیسا کے جبر و تسلط کے ردعمل کی شکل میں ظاہر ہوئی لیکن تدریج بڑھتے ہوئے یہی تحریک مطلقاً مذہب اور دین کی بنیادوں پر ضرب بن گئی

[۱] سورۂ کہف جس کے متعلق صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ دجالی فتنے سے جو محفوظ رہنا چاہتا ہے اس کو چاہیئے کہ اس سورہ کی ابتدائی یا آخری آیتوں کی تلاوت کرے سورہ کی ابتدا میں عیسائیوں کے اس عقیدہ کا کہ خدا کیلئے یہ ولد بیٹا ثابت کرتے ہیں اس کا تذکرہ کرنے کے بعد نسل انسانی کے سب سے بڑے ہی خواہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے یہ ارشاد ہوا ہے کہ "جن آثار یعنی نتائج کو چھوڑ کر عقیدہ ولدیت والے دنیا سے جائیں گے اور تمہاری بات یعنی قرآنی تعلیم نہ مانیں گے اس واقعہ پر کیا تم اپنے آپ کو ہلاک کر دو گے"۔ حاصل یہ ہے ان قرآنی الفاظ کا یعنی فلعلك باخع نفسك علی آثارھم ان لم یومنوا بھذا الحدیث اسفا "میرے نزدیک آثار جنھیں عقیدۂ ولدیت والے دنیا میں چھوڑنے والے تھے، یہی وہ تماشے ہیں جنھیں یورپ اور یورپ کے زیر اثر ساری دنیا پیش کر رہی ہے، ہوا یہ کہ بجائے مخلوق کے حضرت مسیح علیہ السلام کو جب خدا کا بیٹا ٹھیرایا گیا تو قاعدہ ہے کہ انسان کا بیٹا انسان ہی ہوتا ہے، گھوڑے سے گھوڑا ہی پیدا ہوتا ہے، خدا کے بیٹے کو بھی لاگزیر تھا کہ خدا ہی مانا جائے اور اس میں وہ سارے صفات تسلیم کیے جائیں جو خدا کی خصوصیات ہیں خدائی صفات کے ساتھ انسانی شکل میں مسیح کا وجود عیسائیوں کے لئے باعث فتنہ بن گیا۔ خدا سے بنی آدم نے اس دلچسپی کا اظہار نہیں کیا تھا جتنی دلچسپی عیسائیوں کو مسیح علیہ السلام کی ذات سے ہوئی۔ پھر مسیح کے نام سے پوپ کا عہدہ جب قائم ہوا اور پوپ کی راہ نے کلیسا کا نظام، عیسائیوں پر مسلط ہوا اس نے عیسائیوں کی

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

کلیسا مذہب کی جس تشریح کو واجب التسلیم والتعمیل قرار دیتا تھا۔ شروع میں تو اس احتجاجی تحریک کو اسی سے اختلاف تھا۔ اگرچہ یہ اختلاف بھی معمولی اختلاف نہ تھا بڑی بڑی خوں ریزیاں اس آویزش کی بدولت صدیوں یورپ میں ہوئی ہیں۔ جو عوام اور کلیسا کے درمیان قائم ہوگئی تھی، وہی زمانہ تھا جب یورپ کی توہین کھولی گئیں۔ اور دنیا کے مختلف علاقوں میں بحری راستوں سے ان کا داخلہ شروع ہوا۔ شروع میں گو ان کی حیثیت زیادہ تر سوداگروں اور بحری تاجروں کی تھی۔ لیکن دوسرے ارادے بھی ان کے سینوں میں پوشیدہ تھے، اسی لئے علاوہ تجارت کے مختلف قسم کے دوسرے کاروبار کا سلسلہ بھی ان ممالک میں جاری کر دیتے تھے۔ جہاں گھس پڑنے کا ان کو موقع مل جاتا تھا کاروبار کے اس دوسرے سلسلہ میں ایک اہم سلسلہ اپنے عقائد اور خیالات کی اشاعت کا بھی ان کے سامنے تھا اسی سے اندازہ کیجئے کہ مغل دربار کے امیر دانشمند خاں جن کی وفات آج سے تقریباً تین سو سال پہلے ۱۰۸۰ھ ہجری میں ہوئی یہ شاہجہان اور عالمگیر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵) جان و مال عزت و آبرو کے ساتھ وہ کھیل کھیلے جس کی دردناک داستان سے یورپ کی تاریخ بھری ہوئی ہے، آخر صدیوں کی مصیبت برداشت کرنے کے بعد پروٹسٹنٹ تحریک کی شکل میں کلیسائی اقتدار کا ردعمل ہوا ابتدا میں گو مذہب کی کلیسائی شکل کے خلاف یہ ردعمل تھا لیکن بات بڑھتی چلی گئی اور آخر میں مطلقاً مذہب اور دین کے ردعمل کے قالب میں یہ تحریک ڈھل گئی مذہب کے انکار کا لازمی نتیجہ تھا کہ انسان انسان باقی نہ رہے اور ایک ترقی یافتہ حیوان سے زیادہ اس کی وقعت باقی نہ رہے۔ انسانیت کے متعلق حیوانا تی اسی خیال نے ان امور کی آبیاری کی۔ جن میں یورپ و امریکہ کے باشندے مبتلا ہیں میرے خیال میں علی آثارہم "میں آثار کے لفظ سے ان ہی چیزوں کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے ان باتوں کی پوری تفصیل میری کتاب سورہ کہف کی تفسیر میں مل سکتی ہے ۔۱۲ منہ

Marfat.com

دونوں بادشاہوں کے زمانے میں بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز رہے۔ علاوہ سیاسی مہارت کے علم و فضل میں بھی ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی اور دانشمند خاں میں بعض علمی مسائل پر شاہجہاں کے سامنے بادشاہ کے اشارے سے مناظرے بھی ہوتے۔ بہرحال کہنا یہ ہے کہ ماثر الامراء میں ان کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

گویند کہ خان مذبور در انجام عمر بعلم اہل فرنگ مائل گردید واکثرے از احکام تحریفات ان جماعت تکرار می نمود ص ۲۲/۲

کہتے ہیں کہ خان موصوف یعنی دانشمند خاں آخر عمر میں اہل فرنگ کے علم کی طرف مائل ہو گئے تھے اور اہل فرنگ کے تحریفات (یعنی مذہب کے متعلق جو خیالات تھے) ان کو دہراتے رہتے تھے۔

جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ شاہجہاں بادشاہ کے زمانے ہی سے ہندوستان کے باشندوں پر مغربی خیالات و عقائد کا اثر پڑنا شروع ہو گیا تھا۔ یورپ میں اس وقت کلیسا کے خلاف جو کچھ ہو رہا تھا، ناممکن تھا کہ اس ملک سے آنے والے لوگ اس کا تذکرہ ان لوگوں سے نہ کرتے، جن سے ان کا ملنا جلنا ہوتا تھا۔ خانی خاں نے فرنگیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک طبقہ تو ان لوگوں کا ہے جو حضرت مسیح اور مریم کی مورتیاں لکڑی وغیرہ سے بنا کر پوجتے ہیں۔ خانی خاں کے الفاظ یہ ہیں۔

معبد خانہ آنہا برخلاف بت خانہ ہنود بحسب ظاہر در کمال صفائی کہ شمعہائے کافوری در آنجا می سوزند بنظر آمدہ صورت حضرت و مریم را علی نبینا علیہما الصلوات والسلام بلتقاف

ان عیسائیوں کی عبادت گاہ ہندوؤں کی عبادت گاہوں کے برخلاف بڑی صاف ستھری رکھی جاتی ہے اور کافوری شمع دن کو بھی جلتے ہوتے ہیں نے دیکھا۔ حضرت عیسیٰ اور مریم کی صورت

Marfat.com

وفاسد خود بہ چندیں صورت از چوب رنگ وروغن بزینت تمام ساختہ اند ص ۶۲۹ ج ۲

لکڑی سے بنا کر اور رنگ روغن کرکے بجا کر انتہائی زینت کے ساتھ رکھتے ہیں۔

خافی خاں نے اسی کے بعد لکھا ہے کہ

اما در کلیسائے انگریز کہ آنہا نیز نصرانی اند صورت بطریق اصنام نمی باشد ص ۶۲۹

لیکن انگریز کے گرجوں میں مورتیاں اور تصویریں بطور بتوں کے نہیں ہوتیں حالانکہ یہ نصرانی ہی ہیں۔

آگے اس کی بھی خافی خاں نے تصریح کی ہے۔

محرر اوراق مکرر دراں مکاں و بنا در رد ارد گشتہ و با علمہائے آنہا صحبت داشتہ مذاکرہا نمود۔ صفحہ ۶۲۹ ج ۲

محرر اوراق یعنی خود مصنف بسا اوقات ان کی عبادت گاہوں اور ان مندر گاہوں میں جہاں ان کے گرجے ہیں پہنچا ہے اور ان لوگوں کے علماء سے ملنے جلنے کا موقعہ بھی اس کو ملتا رہا ان کے علماء سے بحث ومباحثہ بھی کرتا رہا ہے۔

یہ چند سرسری شہادتیں ہیں جن سے میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ سیاسی اقتدار وتسلط سے پہلے اور بہت پہلے جس وقت اس کا سان وگمان بھی نہ تھا کہ سوداگروں کا یہ گروہ مشرقی ممالک پر بادشاہی کرنے کے لئے بلایا گیا ہے۔ یعنی مغل حکومت جب اپنی قوت و اقتدار کے عہد شباب میں تھی اسی زمانے میں یورپ کے عقائد وخیالات کا اثر مشرق کے

؎ اس موقع پر میکنزی نے اپنی مشہور کتاب "اخلاقیات" (اتھکس) میں جو یہ لکھا ہے سننے کے قابل ہے لکھتا ہے کہ "خدائے مسیح اور مریم کی تصویریں کیسی ہی اعلیٰ درجہ کی بنا کر ہمارے سامنے کیوں نہ پیش کی جائیں مگر ہمارا سر عبودیت ان کے سامنے نہیں جھک سکتا" ص ۲۹۰ یہ مشہور فلسفی ہیگل کا قول ہے لیکن یہ کیفیت یورپ کے بت پرستوں میں کس کی آواز نے پیدا کی؟

Marfat.com

باشندوں پر پڑنے لگا تھا خصوصاً جہاں بندر گاہیں تھیں یا تجارتی کوٹھیاں یورپ والوں کی قائم تھیں۔ وہاں جن لوگوں کی آمدورفت تھی، ان کے نہ متاثر ہونے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ اور یہی لوگ جب اپنے اپنے اوطان واپس ہوتے تھے دوسروں تک بھی ان خیالات کو وہ پہنچاتے تھے۔

ماننے والے اس کو مانیں یا نہ مانیں لیکن اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایران کے شیعوں میں خصوصاً اور عام شیعوں میں عموماً "اخباریہ" کے نام سے جس تحریک کا آغاز دسویں صدی ہجری کے اختتام اور گیارہویں کے شروع میں ملا محمد امین کے ہاتھوں ہوا۔ اور صاحب نجوم السماء نے جن کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں کہ:-

او ست اول کسے کہ دروازہ طعن بر مجتہدین کشادہ فرقہ ناجیہ امامیہ اثنا عشریہ را بدو قسم منقسم ساخت۔ یکے اخباری و دیگر مجتہدی ص ۳۲

ملا محمد امین پہلے آدمی ہیں جنہوں نے مجتہدین پر طعن کا دروازہ کھولا اور فرقہ ناجیہ امامیہ اثنا عشریہ یعنی شیعوں کو دو حصوں میں منقسم کر دیا ایک اخباری (جو ملا امین کے پیرو تھے) اور دوسرے مجتہدی (یعنی مجتہدین کو ماننے والے)

ہم اس تحریک کے متعلق نہیں کہہ سکتے کہ کلیسا اور پروٹسٹنٹ فرقہ کی باہمی آویزش سے جو مسائل یورپ میں پیدا ہوئے تھے اور مغربی سوداگروں کی راہ سے مشرقی ممالک میں ان کے چرچے پہنچ رہے تھے۔ ان سے ایران کی یہ اخباری تحریک کوئی تعلق نہیں رکھتی اور ایران توران، خود ہندوستان کا مشہور تجارتی شہر برہان پور، جو مغلوں کے عہد میں ہندوستان کا گویا لنکا شائر یا مانچسٹر ہونے کی حیثیت صنعت پارچہ بافی میں رکھتا تھا۔ اور مکثرت ایسی تعلق سے یورپ کے تاجروں کی آمدورفت کا یہ آماج گاہ بنا ہوا تھا ہم

دیکھتے ہیں کہ عہد جہانگیری کے ایک عالم قاضی نصیر الدین خلف سراج الدین جن کی وفات ۱۰۸۱ھ میں ہوئی ہے۔ ان کے متعلق بھی تاریخ نے یہ یادداشت چھوڑی ہے کہ:۔

قاضی ہر قسم حدیث را ترجیح می داد، وانکار قیاس می نمود[1] (تاریخ برہانپور) ص ۱۵۲

قاضی نصیر الدین ہر قسم کی حدیثوں کو ترجیح دیتے تھے۔ اور قیاس کا انکار کرتے تھے۔

ظاہر ہے کہ مجتہدین پر زبان لعن وطعن دراز کرنا اور اخبار یعنی براہ راست حدیثوں سے نتائج نکال کر ان ہی پر عمل کے لیے لوگوں کو آمادہ کرنا، جو شیخ امین ایرانی کی تحریک تھی

---

[1] قاضی نصیر الدین میں اور ان کے خسر شیخ علم اللہ میں اسی تقلید و عدم تقلید کے مسئلہ میں بڑے جھگڑے ہوئے لکھا ہے کہ خان خاناں، قاضی نصیر الدین کا حامی تھا اسی لئے کوئی گزند ان کو نہیں پہنچا۔ بعد کو جب خان خاناں کی کمان اتر گئی اور جہانگیر نے حکم دیا کہ قاضی نصیر اور شیخ علم اللہ دونوں کو دہلی روانہ کر دیا جائے، تب دونوں صاحب برہانپور سے بھاگ گئے قاضی نصیر مکہ معظمہ چلے گئے، پانچ سال کے بعد واپس ہندوستان لوٹ رہے تھے۔ کہ ان کے جہاز کو فرنگ کے جہازوں نے پکڑ لیا۔ عجیب بات یہ نقل کی ہے کہ قاضی نصیر کے علم وفضل سے واقف ہونے کے بعد فرنگی قاضی صاحب کو "نزد بادشاہ خود بردند" واللہ اعلم اس "بادشاہ" کے لفظ سے کیا مراد ہے۔ کیا انکو یورپ لے گئے۔ بظاہر یہ فرنگی پرتگالی معلوم ہوتے ہیں جنھوں نے بحیرہ ہند اور بحیرہ عرب کو اس زمانے میں اپنی تاخت و تاراج کا نشانہ بنا رکھا تھا۔ آگے اسی کتاب میں ہے کہ قاضی نصیر جب فرنگیوں کے بادشاہ کے پاس پہنچے تو آداب شاہی بجا نہ لائے پوچھا گیا تو جواب دیا کہ ہم سے یہ باتیں نہیں ہو سکتیں۔ فرنگی بادشاہ نے ان کو چھوڑ دیا۔ رہا ہو کر بیجاپور آئے ابراہیم عادل کا زمانہ تھا کئی میل آگے بڑھ کر اس نے استقبال کیا۔ پھر یہ شاہجہاں کے پاس پیش ہوئے جو برہانپور میں صوبیدار ہونے کی حیثیت سے آیا تھا شاہجہاں نے جہانگیر کے پاس بھیج دیا جہانگیر نے بھی ان کو احترام کے ساتھ رکھا اور چند دن بعد وطن برہانپور واپس کر دیا۔ وہیں ۱۰۸۱ھ میں وفات پائی۔ (ص ۱۵۲ تاریخ برہانپور)

Marfat.com

با قاضی تفسیر کا قیاس سے منکر ہو جانا اور حدیثوں سے مسائل کے پیدا کرنے کا دعویٰ کرنا اس میں اور رومن کیتھولک (یعنی کلیسا کے ماننے والے عیسائیوں) میں اور پروٹسٹنٹ فرقہ میں جو جھگڑا تھا، دونوں میں اس کے سوا اور کیا فرق ہے؟ کہ یورپ میں جو کچھ ہو رہا تھا اس کا تعلق عیسائی مذہب سے تھا اور ایران و ہندوستان میں اس جھگڑے کا تعلق اسلام سے تھا، پروٹسٹنٹ عقیدے کے ماننے والے بھی تو کہتے تھے کہ ہم کلیسائی کے ان اجتہادی نتائج کے ماننے پر مجبور نہیں ہیں۔ جو تورات و انجیل سے علماء کلیسا نے پیدا کئے ہیں بلکہ براہ راست ہر عیسائی کو حق حاصل ہے کہ وہ خود تورات اور انجیل کو سمجھے اور خود آزادانہ نتائج پیدا کرے۔ الغرض قصہ ایک ہی تھا قصہ کا تعلق مغرب میں عیسائی مذہب سے تھا۔ اور مشرق میں اسلام سے تھا اسی بنیاد پر میں تو نہیں سمجھتا کہ عرب کی اس تحریک کے متعلق جو نجدی عالم شیخ محمد بن عبدالوہاب کی طرف منسوب ہو کر وہابی تحریک کے نام سے مشہور ہوئی ہے اس کے متعلق طامس پیٹرک نے جو یہ لکھا ہے:۔

وہابیت کو بسا اوقات اسلام کا پروٹسٹنٹ فرقہ بتایا جاتا ہے۔ اگرچہ فرق یہ ہے کہ عیسائی پروٹسٹنٹ مقدس الہامی کتابوں کی اعلیٰ حیثیت تسلیم کرتے ہوئے روایتی تعلیمات کو مسترد کرنا بھی ضروری خیال کرتے ہیں۔

اس کے برعکس وہابیت قرآن کے ساتھ ساتھ حدیثوں پر بھی زور دیتی ہے" اس کے انکار کرنے کی کوئی معقول وجہ ہو سکتی ہے۔ بلکہ "اگرچہ" کے بعد مصنف مذکور نے جو کچھ لکھا ہے اس میں وہ "روایتوں" اور "حدیثوں" کے فرق کو سمجھ نہیں سکا ہے حدیث کی حیثیت ہمارے ہاں علماء کی روایتوں کی نہیں ہے بلکہ وہ تو براہ راست پیغمبر اسلام کے ملفوظات، اعمال و افعال وغیرہ کے مجموعہ کا نام ہے"۔

کے لفظ سے حدیث کا غلط ترجمہ یورپ میں جو پھیل گیا ہے یہ مغالطہ اسی غلط ترجمہ کا نتیجہ ہے۔

بہرکیف شیخ ابن عبدالوہاب نجدی کے متعلق جب ہمیں معلوم ہے۔ کہ زمانہ تک ان کا قیام مشرق و مغرب کی کڑی ملانے والی مشہور تاریخی بندرگاہ بصرہ[۱] میں رہا ہے۔ اور بقول ان کے ایک عقیدت مند کے:۔

"بصرہ میں یہ جذبہ (یعنی جذبہ وہابیت) اور تیز ہو گیا" صہ ۲۵ اور اسی تیزی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بصرے میں "ان کو طرح طرح کی تکلیفیں جھیلنی پڑیں اور آخر بصرہ انھیں چھوڑنا پڑا" صہ ۲۵ کتاب محمد بن عبدالوہاب۔

بہرحال کچھ بھی ہو واقعات اس کے شاہد ہیں۔ کہ سیاسی اقتدار حاصل کرنے سے پہلے اور بہت پہلے مشرق پر بتدریج مغرب اپنا ذہنی تسلط قائم کرتا چلا جا رہا تھا اور مسلمانوں میں مختلف قسم کی مذہبی بے چینیاں پچھلی چند صدیوں میں جو رونما ہوتی ہیں ان میں بہت کچھ دخل اسی ذہنی تسلط کی تدریجی ترقی کو ہے، جیسے جیسے سیاسی اقتدار کی قوت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا تھا، اسی نسبت سے ذہنی تسلط کے پنجوں کی گرفت بھی مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جاتی تھی۔ گویا یوں سمجھنا چاہیے کہ یورپ کی تلوار پیدا کے قلم اور زبان کے پیچھے پیچھے مشرقی ممالک میں آئی ہے اور کسی نہ کسی حیثیت سے سارے اسلامی ممالک یورپ کے ان ذہنی تغیرات و انقلابات سے متاثر ہوتے چلے

[۱] بصرہ آج ہی نہیں زمانہ سے اپنے محل وقوع کی خصوصیات کی وجہ سے مختلف مذہبی فرقوں کے خروج کا مرکز بنا رہا ہے اسلام کی ابتدائی صدیوں میں عموماً اسلامی فرقے بصرہ ہی میں پیدا ہوئے جس کے اسباب طویل ہیں کسی دوسری کتاب میں ان اسباب کی تفصیل کی جائے گی ۱۲۔

٩٥٤٨٦

Marfat.com

جاتے تھے اس وقت خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ کہ اگر ان مغربی خیالات کی اثراندازیوں کی رفتار کا یہی حال رہا تو ایک طرف سلبی نتیجہ تو اس کا یہ ہو گا کہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں سال سے بھی زیادہ زمانہ میں دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کے بہترین دماغوں نے اسلام کو سمجھ کر مختلف پہلوؤں سے اس کی تشریح و تعبیر کی ہے جن سے کتب خانوں کے کتب خانوں کے کتب خانے بھرے ہوئے ہیں۔ آن واحد میں سب ملیا میٹ ہو کر رہ جائیں گے ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل اور ان بزرگوں کے ماننے والے علماء نے فقہ کی تدوین و ترتیب میں جو جانکاہیاں کی ہیں سب کان لم یکن ہو کر رہ جائے گی اور فقہ ہی کیا مسلمانوں کا تصوف، مسلمانوں کا کلام اور ان کے سوا ان ہی علوم کے معاون فنون جنھیں خون جگر پلا پلا کر مسلمانوں کے اہل علم نے پالا تھا ان کی کوئی وقعت باقی نہ رہے گی اور اس سلبی خطرے کے ساتھ دوسرا اثباتی خطرہ اس لازمی فتنے کا تھا جس کا پھوٹ پڑنا ایسی حالت میں ناگزیر ہے۔

میرا مطلب یہ ہے کہ اسلامی دین میں دنیا کی قومیں جب ابتداءً داخل ہوئی تھیں تو ہر قوم اپنے ساتھ موروثی جراثیم کو لے کر داخل ہوئی۔ اسلام کی ابتدائی چند صدیاں اس لحاظ سے بڑی نازک تھیں۔ کہ نومسلموں کا یہ گروہ چاہتا تھا کہ اسلامی مسلمات اور اپنے موروثی خیالات میں مصالحت و مطابقت پیدا کر کے کوئی ایسی صورت نکالی جائے کہ آبائی مالوفات سے بھی بالکلیہ تعلق منقطع نہ ہو۔ اور ہم مسلمان بھی باقی رہیں۔ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں فرقہ بندیوں کی جو بھرمار نظر آتی ہے منجملہ دوسرے اسباب و وجوہ کے ایک بڑا سبب اُن کا یہ بھی تھا۔ لیکن بتدریج آبائی خیالات و نظریات سے اُن کی پچھلی نسلوں کے تعلقات مضمحل ہوتے چلے گئے اور "اہل السنت والجماعت" کی شکل میں مسلمانوں کی اکثریت خالص اسلامی

Marfat.com

مطالبات کے باعث کامیاب ہوگئی اس کے بعد فرقہ بندیوں کے سارے قصے محض کتابوں کی تاریخ داستان بن کر رہ گئے۔ نہ فرقے باقی ہے نہ ان کی کتابیں باقی رہیں۔ یہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے۔ کہ ابتدائی صدیوں کے فرقوں میں سب سے بڑا منہ زور صاحب قلم بلکہ بعض اوقات صاحب سیف بھی معتزلہ کا فرقہ تھا۔ لیکن معتزلہ کا یہ حال ہے کہ ان کے عقائد وخیالات کی کتاب کیا کتاب کے کسی ورق کا ملنا بھی دشوار ہے۔ جو کچھ علم اس فرقے کے متعلق دنیا رکھتی ہے۔ زیادہ تر وہ اہل سنت کی کتابوں ہی سے ماخوذ ہے۔ تردید واصلاح کے لئے لوگوں نے اُن کے خیالات نقل کئے ہیں۔ یا عقائد واعمال کے علاوہ کسی دوسرے فن مثلاً تفسیر یا لغت وغیرہ میں ایک دو بچی کھچی کتابیں معتزلہ کی رہ گئی ہیں۔ جن میں چھپا چھپا کر کہیں کہیں اپنے عقائد بھی ان کے مصنفوں نے شریک کر دیتے ہیں۔

خیر یہ داستان تو طویل ہے کہنا یہ ہے کہ گھل گھلا کر سارے اسلامی فرقے چوتھی پانچویں صدی سے وحدت کے نقطہ پر مجتمع ہوگئے۔ وہی اہل سنت والجماعت کے نام سے آج دنیا میں مشہور ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ دنیا کے مسلمان جن کی تعداد چالیس پچاس کروڑ سے ستر کروڑ تک بتائی جاتی ہے۔ اور ایشیا۔ افریقہ بلکہ یورپ کے بعض علاقوں میں متفرق طور پر وہ آباد ہیں لیکن اتنی بڑی تعداد جو اتنے دور دراز ممالک میں پھیلی ہوئی ہے بجز ایک قلیت قلیلہ (گویا ہزار میں شاید ایک ہونے کی نسبت رکھتے ہوں) یعنی شیعہ فرقے کے دنیا کے یہ سارے مسلمان وہی ایک عقیدہ ایک مسلک رکھتے ہیں جس کی تعبیر اہل سنت والجماعت کے عقائد ومسلک سے کی جاتی ہے۔ البتہ فروعی مسائل کے بعض پہلوؤں میں ہلکی قسم کا ایک اختلاف سینوں میں بھی پایا جاتا ہے یعنی وہی اختلاف جس کی وجہ سے بعض حنفی، بعض شافعی مالکی یا حنبلی کہلاتے ہیں۔ مختلف ممالک واقالیم کے کروڑہا کروڑ انسانوں میں چار ہی قسم

Marfat.com

کے یہ اختلافات بجائے خود کچھ کم محل تعجب نہیں ہیں اور سچی بات یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کے اس اختلاف کو واقعی اختلاف وہی قرار دے سکتا ہے جس کی نظر حقائق و واقعات پر نہ ہو۔ آخر جب ان میں ہر ایک دوسرے اماموں کا اسی قدر احترام کرتا ہے جتنا احترام اپنے امام کا دل میں رکھتا ہے۔ سب ہی کو "رحمۃ اللہ علیہ" کی دعا کے ساتھ بلا استثناء ہر ایک یاد کرتا ہے۔ آخرت میں قرب و ثواب کے لحاظ سے قطعاً کسی امام کو دوسرے امام پر ترجیح نہیں دی جاتی۔ اور ائمہ ہی نہیں ان مختلف ائمہ کے ماننے والے علماء، صوفیاء سے ساتھ تقریباً ہر سنّی مسلمان وہی تعلق رکھتا ہے جو تعلق اس کا اپنے امام کے ماننے والے علماء و صوفیاء سے ہوتا ہے۔ غزالی، رازی، شافعی مذہب کے علماء ہیں لیکن کیا کسی حنفی کے دل میں ان لوگوں کی عزت شافعیوں سے کم ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ حالانکہ حنبلی مسلک رکھتے تھے لیکن کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ حنفیوں میں عظمت و احترام کا جو مقام ان کو حاصل ہے، حنابلہ میں بھی ان کو تلاش کرنا مشکل ہے؟ میں نے اپنی کتاب تدوین فقہ کے ابتدائی حصہ میں اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اس وقت ان چند اشاروں پر اکتفا کرکے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کرۂ زمین کی اتنی عظیم اکثریت میں وحدت خیال و مسلک کا یہ معجزانہ رنگ اسلام نے جو پیدا کر دیا تھا اس کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ یہ شیرازہ ٹوٹ جائے گا۔ اور وہی امت جو اس وقت بمشکل چار اماموں کے اجتہاد و استنباط پر مجتمع ہو گئی ہے! اسی میں ہر فرد امامت کا مقام حاصل کرکے اس ایک دین کو چالیس پچاس دین یا فرقوں میں تقسیم کر دے گا آخر ائمہ اجتہاد سے بغاوت کا صور پھونکا گیا تھا۔ اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ کہ ہر شخص کو محض اس لئے کہ وہ مسلمان ہے قرآن و حدیث کے مطالب کے تعیین اور نتائج کے استنباط کا اختیار دے دیا جائے اور جیسا کہ انسانی فطرت

کا تجربہ ہے یعنی ہر شخص کی شکل و صورت الگ الگ ہے اسی طرح آرار وخیالات میں بھی تنوع ہے ہماری کہ اس دور میں لوگوں کا الگ الگ ہو جانا اس کا ایک قدرتی نتیجہ ہوتا مسلمانوں کو منتشر اور پراگندہ ہونے کے بعد ایک نقطہ پر جمع کرنے میں سالہا سال کی کوششوں کے بعد جو کامیابی ہوئی تھی یہ کامیابی صفر بن کر رہ جاتی۔

میرے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد جب ہندوستان میں ہوش سنبھالا تو ان تک یورپ کے اس مخفی ذہنی تسلط اور رائندہ اس سے پیدا ہونے والے خطرات کا علم کس راہ سے پہنچا لیکن اپنی پوری زندگی جس جدوجہد میں حضرت شاہ صاحب نے صرف کی، اس کے ایک بڑے حصے کا تعلق، یہ عجیب بات ہے کہ ان ہی پیدا ہونے والے خطرات کے انسداد سے معلوم ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہ ایک مسلک وسط کے پالینے میں کامیاب ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی فقہ بھی بچ گئی، تصوف بھی تباہی سے محفوظ رہا قدیم علم کلام کی بنیاد پر ایک ایسے جدید علم کلام کی بنیاد ان کے ہاتھوں سے قائم ہو گئی۔ جس میں کلام کے ساتھ تصوف اور تصوف کے ساتھ علم کلام کی ایسی معتدل آمیزش ہوئی ہے کہ اس کی بدولت مسلمانوں کا تصوف بھی زندہ ہے اور ان کے کلامی نظریات کی بھی زیادہ واضح شکلوں میں زندہ رہنے کی ضمانت پیدا ہو گئی۔ اور اسی کے ساتھ پچھلے زمانے میں دین کے اصلی سرچشموں سے علماء اسلام کو تھوڑا بہت جو بُعد پیدا ہو گیا تھا اور یہ فطری بات ہے کہ نتائج و ثمرات کی مشغولیت عموماً اصول سے دوری کا سبب بن جاتی ہے۔ لیکن شاہ ولی اللہ نے ایک ایسا محتاط متوازن قدم اٹھایا کہ نتائج و ثمرات کی مشغولیت میں کسی قسم کی افسردگی بھی پیدا نہیں ہوئی ہے اور اسلام کے اساسی سرچشموں

Marfat.com

یعنی قرآن وحدیث کے ساتھ اہل علم کے تعلقات نئے سرے سے تروتازہ ہوگئے۔ تقلید جامد کا وہ طلسم بھی ٹوٹ گیا جو تقلید کی کہنگی سے عموماً قائم ہو جاتا ہے اور آزادی رائے کے ساتھ تحقیقی تقلید کا ایک ایسا رنگ ان کے اور ان کے تلامذہ کے درس و تالیف نے پیدا کیا کہ ہر چیز اپنے اپنے طبعی مقام پر آکر ٹھہر گئی۔

یورپ کے سیاسی اقتدار سے پہلے ہی ہندوستان میں شاہ ولی اللہ کا یہ کام مکمل ہو چکا تھا اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب اپنے سیاسی اقتدار کے ساتھ یورپ مسلمانان ہند پر مسلط ہو گیا تو گو شروع میں کچھ چل چل ضرور پیدا ہوئی، ایک طبقہ اس ملک میں پیدا ہو گیا تھا جو متوقع خطرات کے راستوں کو صاف کرنے لگا لیکن شاہ ولی اللہ کا مکمل نظام پہلے سے اس ملک میں موجود تھا مقابلہ کرنے والے اس نظام کو لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور تیس چالیس سال کی کشمکش کے بعد جو ہلچل پیدا ہوئی تھی وہ دب گئی۔ البتہ اس کے بعد تعلیم کے اس جدید نظام کے تحت جسے حکومت مسلطہ نے اس ملک میں نافذ کر رکھا ہے جس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ پڑھنے والوں کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ ان کو سب کچھ پڑھا دیا گیا ہے حالانکہ قطعی طور پر ان بیچاروں کو بالکل یک طرفہ تعلیم دی جا رہی ہے وہ جس حد تک یورپ کے جدید علوم و فنون اور ان کے مسائل کے عالم بنائے جاتے ہیں۔ اس حد تک ان کو اسلام اور اسلامی حقائق و مسلمات سے جاہل بنانے کی کوشش کی جاتی ہے جدید تعلیم سے استفادہ کر کے ملک میں تعلیم یافتوں کا یہ گروہ جو پھیلا دیا گیا ہے۔ اس کا حال ان عوام کا ہے جو اپنے جہل کے صحیح علم کے بعد مذہب کے علماء کے سامنے گردن جھکا دینے میں شرم محسوس نہیں کرتے تھے، وہ جانتے تھے کہ نہ جاننے والوں کا فرض ہے کہ جاننے والوں کی باتوں کے آگے سر تسلیم خم کر دیں اور نہ ان بیچاروں کو مذہب کی تعلیم دی جاتی ہے تاکہ خود فیصلہ کر سکیں کہ ان کے مذہب کی واقعی صحیح تعلیم کیا ہے؟ وہ مذہب کے علماء سے بدگمان ہیں ان میں یہ خیال پیدا کر دیا گیا ہے

Marfat.com

کہ ملا جوان کے مذہب کے علمار کی خراسانی اور تاتاری تعبیر ہے یہ جو کچھ بتاتا ہے یہ اسلام نہیں ہے مگر اپنے جہل و ناواقفیت کی وجہ سے وہ اس کا بھی صحیح فیصلہ نہیں کر سکتے کہ آخر اسلام کیا بتاتا ہے

اس میں کچھ دخل اس بات کو بھی ہے کہ مذہب کی تعلیم اس زمانے میں جس طریقے سے علمار پا رہے ہیں۔ وہ تعلیم کا قدیم طریقہ ہے۔ ہر زمانہ کے علم کی ایک زبان ہوتی ہے اس زبان اور اس تعبیر سے ناواقفیت کا نتیجہ یہ ہے کہ اپنے خیالات کو وہ زمانہ کی عصری زبان اور تعبیر میں پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں نقائص تعلیم کے دونوں نظاموں کے نقص سے پیدا ہوئے ہیں لیکن یہ نقص کوئی بڑا نقص نہیں ہے ایسی کوتاہی نہیں ہے جس کا ازالہ نہ ہو سکے تعلیم کے نظام کی دوئی کو ختم کر کے آج مذہبی تعلیم کو عصری علوم و فنون کے ساتھ اگر جوڑ دیا جائے جیسے اپنی گزشتہ تیرہ صدیوں میں مسلمان برابر یہی کرتے چلے آئے۔ تو ساری غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی اور شاہ ولی اللہ کا کام کم از کم ان خطرات کے سدِ باب کے لئے کافی ہے جو "عقیدۂ ولدیت" کے آثار سے یورپ میں پیدا ہوتے ہیں

آئندہ اوراق میں آپ کو حضرت شاہ ولی اللہ کی زندگی کا ایک سرسری تذکرہ اور ان کے کارناموں کا اجمالی ذکر ملے گا۔ ایک شہری مجلہ کے لئے مختصر سا مقالہ لکھا گیا تھا۔ باوجود انتہائی اختصار کے لوگوں کا خیال ہے کہ کافی پھیل گیا ہے۔ اسی لئے مستقل کتاب کی شکل میں لوگ وہ شائع کر رہے ہیں لیکن میرے نزدیک اس کتاب کی حیثیت شاہ صاحب کی حقیقی سوانح عمری کے مقابلہ میں گویا وہی ہے جو دریا کے مقابلہ میں قطرے کی ہوتی ہے مگر چودھری محمد اقبال گاہندری صاحب کو شاہ صاحب کی ذات سے ایسی عقیدت ہے کہ وہ اس "عجالہ مختصرہ" کو بھی بہت کچھ سمجھتے ہیں! اشاعت کی اجازت انھوں نے مجھ سے چاہی' کارِ خیر سے مانع بننے کی کوئی وجہ مجھے نظر نہ آئی۔ ہذا والسلام۔

مناظر احسن گیلانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی کُلَّ یَومٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ ہ

(العزیز الرحیم)

ہر لحظہ جمال خود نوع دگر آرائی
شور دگر انگیزی شوق دگر افزائی (العارف الجامیؒ)

ہر چڑھاؤ کے بعد اُتار

یہی ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ اور کیوں نہ ہو جب کہ اس پیکرِ رحمت کی زبانِ مبارک سے بھی جو جمال آرائیوں کے ارتقار کی رفتار کا انتہائے کمال تھا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

انی لاری الفتن تقع فی بیوتکم کوقع المطر (صحیح بخاری) میں فتنوں کو دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے گھروں میں اس طرح برس رہے ہیں جیسے بارش برستی ہے۔

کی "خیر القرون" کے کان میں آواز آئی تھی اور جو سنایا گیا تھا کیا ایمان والوں کو وہی دکھایا نہیں گیا؟ ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے آنگن سے تو اس فتنہ کا صرف بادل اٹھا تھا لیکن ابوبکرؓ ہوں یا عمرؓ، علیؓ ہوں یا طلحہؓ، زبیرؓ ہوں یا انسانیت کے اس بہترین عہد کی کوئی اور ہستی (رضوان اللہ علیہم) کن کے گھروں میں ان فتنوں کو مسلسل برستے ہوئے نہیں پایا گیا! پھر جب اس دنیا کی ریت یہی ہے کہ

نہ گل از داغ غمت رست نہ بلبل در باغ
ہمہ را نعرہ زناں جامہ دراں مے داری (الحافظ الشیرازی)

اور جب اس ابتلائی زندگی کے خیر سے شر کے عنصر کا جدا کرنا ناممکن ہے۔ تو بجائے

اپنی مرضی کے مطابق دہر کو کیونکر کروں
مجھ کو بے حد غصہ آتا ہے مگر کس پر کروں (دلسان العصر مرحوم)

کی بے معنی تلملاہٹ رنج اور کڑھن کے ——" اطمینان" کے خیال سے ہٹ کر اطمینان کے میدان میں لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (تاکہ ہم تمھیں جانچیں کہ اپنے اپنے کرداروں کی رو سے کون تم میں سے اچھا ہے اور بھلا ہے) پڑھتے ہوئے ہم کیوں نہ اتر جائیں۔

اور یہاں کی ہر لحظہ کی "شور انگیزیوں" کو بجائے گھبرانے اور بھاگنے کے اپنی "شوق افزائیوں" کا ذریعہ کیوں نہ بنالیں ہر "شور" پر نیا "شیون" پیدا ہونا بھی تو انسانی زندگی کی جان ہے۔ اگر "شر" کے وجود ہی کو ختم کردیا جائے گا۔ تو "خیر خواہوں اور "خیر طلبوں کے لئے اجر و مزدوری کا "استحقاق" ہی کب باقی رہے گا۔ "الشیطان کے وجود کو نگلنے والوں نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ اس ملعون کے ہٹ جانے کے بعد انسان کی فطرت اب مقابلہ کس کا کرے گی؟ تم سے ٹکرا کر بلا شبہ وہ جہنم میں گرتا ہے لیکن تم کو تو اس کی ٹکر جنت میں پہنچا تی ہے۔ بقا ہو یا ارتقا اس دنیا میں دونوں کا یہی قانون ہے اور صرف یہی قانون ہے۔

چڑھاؤ کے بعد اُتار اور عروج کے بعد زوال کا راز یہی ہے۔ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ (ان چند دنوں میں دنیاوی دولت وقوت کو ہم لوگوں میں چکر دیتے رہتے ہیں) کے ارشاد قرآنی کی یہی تفسیر ہے اور سچی بات بھی یہی ہے۔ نجد کی وادی کا قیس ہی کیوں تنہا ٹھیکیدار بنا رہے۔ اس وادی میں اُترنے والے اُترتے رہیں گے اور "ہر کسے پنجہ روز نوبت اوست" کی تفسیریں پھونکتے

ہوئے فی جنّۃٍ عالیۃٍ کی بلند ٹیکری کی طرف چڑھتے ہوئے رضوانٌ من اللہ اکبر" کے "مقام امین" اور "مقصد صدق" تک پہنچتے چلے جائیں گے۔

الف ثانی کے تجدیدی کارنامے کی انتہا

چند دن ہوئے کہ ہندوستان کے ایک تجدیدی کارنامے کی داستان سُنانے کی سعادت میسّر آئی تھی۔ بتایا گیا تھا کہ اخلاص و وفا اور صدق و صفا کے سوا جس "فقیرِ بے نوا" کے پاس قوت و طاقت کا کوئی سرمایہ نہ تھا۔ وہ اپنی کشکول گدائی کی "اسی بضاعت مزجاۃ کے ساتھ اُٹھ کھڑا ہوا اور ایسا کھڑا ہوا کہ پھر اس وقت تک نہ بیٹھا جب تک کہ ملت و دین کی تجدید کی جس نہر کو وہ جاری کرنا چاہتا تھا وہ جاری نہ ہوگئی۔ وہ جاری ہوئی اور اس کے بعد بھی جاری کیا بلکہ اور بڑھتی رہی چڑھتی رہی ——— تا اینکہ ایک صدی بھی پوری نہ گزرنے پائی تھی۔ کہ اس کی یہی تجدید نہر ایک بحر بیکراں کی شکل میں ٹھاٹھیں مارتی ہوئی آفاق کے کناروں سے ٹکرانے لگی جسم مغل بادشاہ نے "فقیہ" کا ترجمہ بزور شمشیر "احمق" مشہور کیا تھا۔ خدا کی شان دیکھو کہ اسی کے تخت پر اسی کا حقیقی پوتا اس تجدیدی معرکہ کے بعد بیٹھتا ہے اور قرآن و حدیث تو بڑی چیزوں ہیں دینی و علمی حیثیت سے جس کا درجہ نسبتاً فروتر ہے۔ یعنی فقہ اور فقہاء جنہیں اس کے دادا نے اپنی آنکھوں سے گرایا تھا انہیں وہ اپنے سر پر اٹھاتا ہے۔ آخر کون نہیں جانتا کہ حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عہد میں "فتاوٰی عالمگیری" کے مدّون کرانے کی خدمت انجام دلائی تھی۔ اور یہ تو عوام میں مشہور ہے۔ ورنہ اصل واقعہ تو یہ ہے کہ

اکبر کا یہ پوتا فقہ کی اس کتاب کی تدوین میں عملی طور پر بذاتِ خود شریک تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ "انفاس العارفین" میں راوی ہیں کہ :۔

فتاویٰ عالمگیری کی تدوین و تالیف میں عالمگیر کی شرکت

درآں ایام عالمگیر را جمع و تدوین آن اہتمامے عظیم بود ملا نظام ہر روز یک صفحہ پیش پادشاہ می خواندند[۲۴]

ان دنوں میں عالمگیر کو اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں انتہا سے زیادہ اہتمام تھا۔ ملا نظام (افسر سررشتہ تدوین) روزانہ ایک صفحہ بادشاہ کے سامنے پڑھا کرتے تھے۔

اس کے معنیٰ بجز اس کے اور کیا ہو سکتے ہیں۔ کہ کتاب فتاویٰ عالمگیری اورنگ زیب کے صرف علم۔ یا روپیہ کی امداد ہی سے مرتب نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ اس کی تدوین و تصحیح و ترتیب میں بہ نفس نفیس خود بادشاہ بھی شریک تھا۔ علماء دن بھر مختلف کتابوں سے جزئیات اور مسائل کا انتخاب کر کے جب مرتب کر چکتے تو روز کا روز بادشاہ اسے سُن لیتا تھا۔ کیا اس کا یہ سننا صرف طلبِ تبرک اور حصول ثواب کے تھا؟ شاہ صاحب نے اس کے بعد جو قصہ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ہر لفظ کے سمجھنے کے بعد آگے بڑھتا تھا۔ جو بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ اس پر بحث کرتا تھا۔ شاہ صاحب نے جو کچھ ارقام فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ شاہ عبد الرحیم شاہ ولی اللہ کے پدر بزرگوار نے فتاویٰ عالمگیری کے اس حصہ پر اُن کے ایک دوست ملا حامد کے سپرد تھا ایک حاشیہ لکھ دیا تھا۔ ملا نظام (جو صیغۂ تدوین کے افسر اعلیٰ تھے) اور اپنے

Marfat.com

رفقاء کار کے کاموں کو روز بادشاہ کے سامنے پیش کیا کرتے تھے۔ حسب دستور ملا حامد کے اس مسودہ کو سنا رہے تھے۔ کہ شاہ عبد الرحیم والے حاشیہ پر پہنچے۔ ملا صاحب کو تو رو میں خبر نہ ہوئی۔ عالمگیر جس توجہ سے عالمگیری کے مسودات کو سنتا تھا اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ حاشیہ والے زائد فقرے کا کان میں پہنچنا تھا اور "این عبارت چیست" کی آواز شاہی جلال کے ساتھ ملا نظام کے کان میں گونجی۔ پھر ہوش و حواس کو درست کرکے غور کرتے ہیں۔ جب بھی مطلب خبط ہی نظر آیا حتیٰ کہ اس وقت کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ خفیف ہو کر معذرت خواہ ہوئے اور بولے:-

این را مطالعہ نہ کردہ ام، فردا تفصیل عرض خواہم کرد	اس مقام کا میں نے مطالعہ نہیں کیا ہے کل تفصیل سے اس کا مطلب عرض کردوں گا۔

عالمگیری کارناموں میں مجددی اشارات کا دخل

افسوس کہ الف ثانی کے تجدیدی کارنامہ کی تفصیل کا آئندہ پھر موقعہ نہ مل سکا۔ ورنہ تاریخی حقائق کی روشنی میں بتا دیا جاتا کہ

۱؎ اور وہ سمجھ میں آتا کیا۔ اس لئے کہ واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ ملا حامد نے ایک ہی مسئلہ کے متعلق دو کتابوں کی دو متفرق عبارتوں کو جمع کرکے عبارت میں گنجلک پیدا کردی تھی شاہ عبدالرحیم صاحب (والد حضرت شاہ ولی اللہؒ) کی نظر جب اس مقام پر پڑی۔ اس کتابوں کو آپ نے دیکھا اور پیچیدگی کے منشا سے واقف ہونے کے بعد مسودہ کے حاشیہ پر یہ عبارت لکھ دی من لم یتفقہ فی الدین قد خلط فیہ ھذا اغلط وصوابہ کذا۔ یعنی دین کی سمجھ جو نہیں رکھتا۔ اس نے یہاں گڑبڑ کردی۔ صحیح یوں ہے۔ ۱۲

Marfat.com

عالمگیری تحریکات و مجاہدات میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کی تجدیدی مساعی کو کس حد تک دخل ہے۔ کم از کم حضرت مجدد کے فرزند مولانا شاہ معصوم کے وہ مکاتیب ہی پڑھ لئے جائیں جو مطبوعہ ہیں۔ تو ان سے بھی معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ عالمگیر کے دنیاوی مہمات حتیٰ کہ جنگی اور سیاسی کارناموں میں بھی شاہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے مشوروں بلکہ حکم کو کتنا دخل ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ جب کبھی اس مضمون کی تکمیل کا موقع میسر آئے گا۔ اس وقت اس مسئلہ کو بھی روشن کیا جائے گا۔ اسی بنیاد پر میں سمجھتا ہوں۔ کہ "فتاوٰی عالمگیری" اور اس کی تدوین کا بادشاہ کو اتنا عظیم اہتمام بھی حضرت مجدد الف ثانی کی تجدیدی کوششوں ہی کا ایک ثمر ہے۔ غالباً فقہ اور فقہی کتابوں میں یہ خصوصیت صرف فتاوٰی عالمگیری ہی کو حاصل ہے کہ ایک سلطنتِ کبریٰ (گریٹ امپائر) کا سب سے بڑا مطلق العنان بادشاہ اس کی تدوین و تالیف میں خود شریک رہا۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ جس تجدیدی عمل کی ابتداء جہانگیر سے ہوئی تھی اس کے عروج کا انتہائی کمال عالمگیر کی ذات پر ہوا۔ اور نسلہا نسل سے تخت و تاج و اورنگ و دیہیم کے آغوش میں جس نے پرورش پائی ہو۔ تجدیدی عمل کے زور کو دیکھو کہ ایسے تلوار کے دھنی کے ہاتھ میں اس لئے قلم پکڑوایا گیا کہ فلسفہ و منطق اور تفسیر و حدیث وغیرہ کے متعلق بھی نہیں بلکہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، بیع و شریٰ اور طلاق و نکاح کے خشک فقہی مسائل کی ترتیب میں خود شریک ہو۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دین کو اعزاز کا آخر اس سے بھی زیادہ بلند ترین مقام اور کیا مل سکتا تھا۔ قرآن لکھ کر اگر عالمگیر روز کا آذوقہ مہیا کرتا تھا تو اس کی نظیر تاریخ سے مفقود نہ تھی۔ اسی دلّی کے تخت پر

Marfat.com

نصیرالدین محمود بادشاہ اسی شان اور اسی التزام کے ساتھ سنا جاتا ہے۔ کہ بیٹھا تھا۔ لیکن فقہ جیسے غیر دلچسپ، دقیق و پیچیدہ علم کے ساتھ بادشاہ کی یہ دلچسپی میرے نزدیک دینی عزت کا آخری زینہ تھا۔

عُروج کے بعد نزول

اب اگر اس عروج کے بعد کسی نزول کی پیشین گوئی کی جاتی تو تاریخ کے اوراق اس کی شہادت ادا کر سکتے تھے۔ دنیا کے پچھلے تجربوں سے اس کی توثیق ہو سکتی تھی۔ جیسا کہ میں نے تمہید میں اشارہ کیا ہے کہ جمال کی تجلیوں کا جب کبھی ابتلائی حیات کے کسی عبوری دور میں اتنا زور بندھا ہے تو تاڑنے والوں نے اس کے بعد "جلال" کے مظاہرہ کا ہمیشہ انتظار کیا ہے اور دیکھا جاتا ہے کہ عالمگیر کی رحلت کے بعد ہی دوسرے رخ کا آغاز شروع ہو گیا تھا۔ "شورانگیزیوں" کی ساکن سطح میں پھر جنبش شروع ہوئی — اور "کون ہوتا ہے حریف مے "مرد افگن عشق" کے غیبی نقیبوں نے صلائے عام دینا شروع کیا۔

وہی دلی جہاں کابل سے آسام اور نیپال سے ساحل سمندر تک کی زمین اور اس کے باشندوں کے تنہا مالک کو دیکھا گیا تھا کہ وہ مبسوط سرخسی حاوی قدسی، مضمرات، تاتارخانیہ وغیرہ فقہی کتابوں کی عبارتوں کو سننا اپنے لئے زادِ آخرت قرار دے رہا تھا۔ اسلام کے کلیات اور اساسی امور ہی نے نہیں بلکہ ان کتابوں کی جزئیات بعیدہ نے بھی عزت و احترام کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔

وہی دلی ہے، دلی کا لال قلعہ ہے، لال قلعہ بابری و تیموری نسل کے بچوں سے ابھی خالی نہیں ہوا ہے۔ اسی دلی کا سب سے بڑا امام بلکہ سارے ہندوستان کے

Marfat.com

مسلمانوں کا مسلّم الکل پیشوا اسی دلی میں بیٹھا ہوا روتا ہے، اسلام پر روتا ہے مسلمانوں پر روتا ہے۔ اور ان کی کھوئی ہوئی عظمتِ رفتہ پر روتا ہے۔

میری مراد، شاہ ولی اللہ کے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہٗ العزیز سے ہے۔ اپنے چچا حضرت شاہ اہل اللہ کے نام عربی میں چند خطوط آپ نے لکھے ہیں۔ غالباً کسی مصلحت سے اس زمانہ کے تاثرات اور اپنے احساسات کا اظہار عربی نظم کی صورت میں فرماتے ہیں۔ میں ان نظموں کے چند اشعار بقدر ضرورت حاصل معنی کے ساتھ یہاں نقل کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں :-

شاہ عبدالعزیز کے خونین آنسو یا نالہائے نیم شبی

جزی اللہ عنا قوم سکھہ و مرہٹ
عقوبۃ شیء عاجلا غیر اٰجل

اللہ، سکھ اور مرہٹہ کی قوم کو ہماری طرف سے بدلہ چکھائے۔ بہت برا بدلہ اور جلد چکھائے۔

وَقد قتلو جمعاً کثیراً من الوریٰ | وَقد اوجعوا اھل شاء و جاھل
ان دونوں نے بہت سی اللہ کی مخلوق کو قتل کیا | اور بیچارے گڈریوں جاہلوں کو بھی انہوں نے دکھ پہنچایا

لھُمُ کل عام لعبۃ فی بلادنا | یخوضون فینا بالضحیٰ والاصائل
ہماری بستیوں اور آبادیوں پر ہر سال لوٹ مچاتے ہیں | اور ہمارے علاقوں میں یہ دن دہاڑے صبح شام کود پڑتے ہیں

فھل ھنا من معاذ لعائذ | وھل من مغیث یتقی اللہ عادل
پھر کیا پناہ لینے والوں کے یہاں کوئی جائے پناہ ہے؟ | اور ہے کوئی ایسا فریاد رس جو اللہ سے ڈرتا ہو اور انصاف کر سکتا ہو

ایک اور دوسرے خط میں جو ان ہی شاہ اہل اللہ کے نام ہے۔ فرماتے ہیں :-

Marfat.com

ایا مربر داتت فالقلب منجزع من قوم سکھ ان الخوف معقول

سردیوں کا موسم آگیا اور دل پریشان ہے سکھ قوم سے، اور دل کا یہ اندیشہ معقول ہے

انفاھم اللہ عن ھذا لدیار عنہم شرالاعادی وھم من جنۃٍ غول

خدا اس ملک سے ان کو ناپید فرمائے یہ بدترین دشمن ہیں اور خود یہ غول بیابانی ہیں

فوضت امری وامر الناس اجمعہم الی اللہ وان الحفظ ما مولٌ

میں اپنے اور لوگوں کے معاملہ کو خدا کے سپرد کرتا ہوں اور اللہ سے امید ہے کہ وہ حفاظت فرمائے گا

ایک اور تیسرے خط کے چند اشعار یہ ہیں:-

ثمّ ان البلاد فاسدۃٌ عن ایادی الغشوم والظلام

پھر معلوم ہو کہ ملک تباہ و برباد ہے ظالموں اور بد معاشوں کے ہاتھ سے

غیر خاف علیک ما صنعت قوم سکھ بجانب التوشام[1]

آپ پر غالباً مخفی نہ ہوگا جو کچھ کیا سکھ قوم نے توشام علاقے میں؛

خفضوا کل قریۃ ومضوا یفتحون الحصون والآطام

ہر بستی کو انھوں نے پست کر دیا اور گزر گئے قلعے اور گڑھیاں فتح کرتے پھرتے ہیں

ضیعوا امۃ من الارداح قتلوا امۃ من الاجسام

ایک گروہ کی جان انھوں نے ضائع کی اور ایک طبقہ کے اجسام کو انھوں نے قتل کیا

نھبوا عدۃ من الاموال اَرثقوا عدۃ من الایتام

مال اندوزی کے بھوکے ہیں۔ اور ہمارے کتنے یتیموں کو انھوں نے قید و بند کیا

---

[1] توشام، حصار کے ایک تعلقہ کا نام ہے ۱۲

Marfat.com

وسقوا کل من تعرضهم | من نثأ مر الانام کاس الحمام
اسی کو پلا دیتے ہیں موت کا پیالہ | جو انسانوں کے گروہ میں سے ان کی راہ میں آجائے
ذہلت کل رضع عمّا | ارضعته' وکل ذات فطام
(آج) ہر دودھ پلانے والی | اس بچہ کو بھول چکی ہے جسے دودھ پلاتی تھی
اوران کو بھی، جو دودھ چھوڑ چکے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز قدس اللہ سرہٗ العزیز نے اپنے ان اشعار میں ہندوستان کے جن سیاسی حالات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ تاریخ کی کتابیں ان کی تفصیلات سے معمور ہیں اور آئندہ بقدر ضرورت میں ان کا ذکر بھی کروں گا لیکن قصداً اس سلسلہ میں میں نے حضرت شاہ صاحب کی شہادت اس لئے پیش کی ہے" تاکہ ایک عام غلط فہمی جو پھیلی ہوئی ہے۔ کہ علماء و صوفیاء کو ملک کے سیاسیات سے کوئی تعلق نہ تھا اس کا ازالہ ہو سکے۔ یہ صحیح ہے کہ ہمارے اسلاف کی خصوصاً اپنی تالیفات و تصنیفات میں یہ خاص خصوصیت تھی۔ کہ وہ جو کچھ لکھنا چاہتے تھے اسی کو لکھتے تھے۔ بیچ بیچ میں اپنے زمانہ کے سیاسی جھگڑوں کا دکھڑا لے کر نہ بیٹھ جاتے تھے۔ اور غالباً غلط فہمی کا منشا بھی یہی ہے آخر یہی شاہ ولی اللہ ہیں۔ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کے مؤلفات کے دفاتر طوامیر ہزارہا صفحات سے متجاوز ہیں۔ لیکن بجز" انفاس العارفین" کے جس میں آپ نے اپنے آباؤ اجداد کے کچھ حالات درج کئے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں بلا ارادہ کہیں کہیں بعض سیاسی حالات کا بھی اجمالاً ذکر آگیا ہے۔ مگر اس کے سوا آپ کی کسی چھوٹی بڑی کتاب سے بمشکل اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ وہی کتابیں ہیں

Marfat.com

جو اس وقت لکھی گئیں۔ جب نادر شاہ اپنی بے پناہ تلوار سے چاندنی چوک کی نہروں میں بجائے جمنا کے پانی کے انسانوں کا خون بہا رہا تھا۔ فتحپوری کی مسجد زمین سے چھت تک لاشوں سے پٹی ہوئی تھی۔ قاضی کا حوض اور دلی کے عام کنوئیں صرف مُردوں سے بھرے ہوئے تھے پڑی ہوئی لاشوں سے پاک کرنے کے لئے دلی کے سرنا کے پر الاؤ جوڑا گیا تھا۔ جس میں ہندو ہو یا مسلمان سب کی میت بلا امتیاز جھونکی جارہی تھی۔ اور یہی ایک واقعہ کیا مرحوم اورنگ زیب کے بعد دلی کے آسمان نے جن جانگداز روح گسل واقعات کا تماشا کیا تھا اُن سے کون واقف نہیں ہے۔

دلی کے خونین فتنے اور ولی اللہ کی استقامت

لیکن دیکھتے ہو! دھن کے پکوں کی اس شان کو دیکھتے ہو! بادشاہتوں پر بادشاہتیں گزرتی چلی جاتی ہیں انقلاب پر انقلاب ہوتا چلا جارہا ہے۔ قومیں، قوموں پر چڑھی چلی جا رہی ہیں فتنوں کا ہر طرف زور ہے۔ فساد کا ہر طرف شور ہے۔ لیکن اللہ کے کچھ بندے ہیں۔ جو سب کچھ دیکھتے ہیں سب کچھ سنتے ہیں۔ سب سے متاثر ہوتے ہیں۔ اور ہر مشکل کے حل کا ساز و سامان بھی اندر اندر تیار کرتے چلے جاتے ہیں لیکن ؎

اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز

کاں سوختہ راجاں شد و آواز نیامد

نہ ان کی زبانوں پر آسمانوں کو ہلانے والی تقریریں ہیں نہ آنکھوں سے جھوٹے آنسوؤں کا سیلاب بہایا جارہا ہے، نہ ریزولیوشنوں کے بمب سے دشمنوں کے حصار پر گولہ باری کر کے فتح کے شادیانے بجائے جارہے ہیں

نہ مخالفوں کی بے سروپا تجویزوں یا مشہور کئے ہوتے منصوبوں کو سن کران کا زہرہ آب ہوا جاتا ہے وہی اندیشوں میں مبتلا ہو کر نہ مُرادنے خواب خود دیکھتے ہیں نہ دوسروں کو دکھاتے ہیں۔ نہ لایعنی بے معنی مشوروں سے مسلمانوں کو کبھی خیبر اور بولان کے درّوں کی طرف بھگاتے ہیں ــ جس قوم کا فرض صرف آگے بڑھنا اور آگے بڑھتے ہی چلے جانا ہے۔ نہ اُن میں بزدلی اور جبن کے جذبات کی پرورش کرکے مورچوں کے چھوڑنے کا بگل بجاتے ہیں، نہ صرف پیٹ کی روٹی اور تن کے چیتھڑوں کو بچا لینے کے لئے اللہ کی مسجدوں کو، بزرگوں کے مآثر کو، آبا داجداد کے مقابر کو، کفار کے مویشیوں کے گوسالہ بنانے پر اپنے کو راضی کرتے ہیں۔ کفر کی جن نسلوں کے متعلق امید تھی کہ آج نہیں تو کل جہنم کی آگ سے اُن کو بچا لینے میں ہم کامیاب ہوں گے۔ قیامت تک کے لئے ان پر ایمان کا دروازہ بند کرکے ہم اس لئے بھاگے جا رہے ہیں کہ جس طرح بے کتاب و بے پیغمبر زندگی گزارنے والی قوموں کے سامنے روٹی کے چند ٹکڑوں کا سوال ہے اور اسی کا حل زندگی کے سارے معموں کا حل ہے۔ ہم بھی کوئی ایسا کونہ زمین کے کسی حصہ پر حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں جہاں ہمارے لقموں پر دوسری قوموں کے غرانے والے دکھائی نہ دیں[1]۔ ہڈیوں پر اگر ہم لڑیں بھی تو آپس ہی میں لڑیں ایک لے دے کر اب "فرشتہ صید" "پیمبر شکار" "یزداں گیر" کے "شاہیں بچوں" کو اسی مردار

---

[1] اور مشاہدہ کہو یا تجربہ، وہ تو بتا رہا ہے کہ ان "شکم پروروں" "نان پرستوں" کو اگر کسی جگہ کوئی عافیت کا ایسا گوشہ کسی شکل میں میسر آ گیا ہے تو وہاں انھوں نے پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
(باقی صـ۴۱ پر)

Marfat.com

پیٹ کے مسئلہ پر "قناعت کر لینے کا مشورہ دیا جا رہا ہے" معاشی مشکلات" کی افیم کھلا کر ان پر غنودگی طاری کی جا رہی ہے۔ ان نوجوانوں کو کون سمجھا سکتا ہے جنھیں بجائے اپنے اسلاف کے اہل کفر کے بزرگوں پر ایمان لانے کی خود ہمارے گھر کے لوگ دعوت دے رہے ہیں۔ آج کیا وقت آیا ہے۔ اس سے پہلے جو گھڑیاں گزر چکی ہیں۔ ان کے مقابلہ میں سچ تو یہ ہے کہ ابھی کچھ نہیں ہوا ہے۔ لیکن ہمارے باپ دادوں کا شیوہ بولنے کا نہیں، کرنے کا تھا محض اس لئے کہ وہ بولے نہیں۔ تم غلط سمجھتے ہو اگر سمجھتے ہو کہ ان کو ان ضرورتوں کا احساس نہ تھا جو چیز کردار میں تلاش کی جاتی ہے۔ تم سے غلطی ہو رہی ہے کہ اسے گفتار میں ڈھونڈتے ہو۔ باتوں کی پیچیدگیاں باتوں سے حل ہو سکتی ہیں لیکن کام کی دشواریاں بجائے کام کے صرف باتوں سے حل ہوں۔ یہ اس زمانہ کا دستور نہ تھا۔ ان کے کاموں کا جائزہ لینا چاہتے ہو تو بجائے باتوں کے اُن کے کاموں سے ہی تمھیں اس کا اندازہ ہو سکتا ہے

(بقیہ صفحہ) کے اسلام اور قرآن کی ہدایتوں کو بالکل بھلا دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محمد اور قرآن اسلام اور مسلمان کے الفاظ صرف اس وقت تک استعمال کرتے ہیں جب تک ملک کے دوسرے دعویداروں کے مقابلہ میں ان ہی الفاظ سے چند لقموں کو اپنے پیٹ تک سرکا بنے میں یہ کامیاب ہو سکتے ہیں لیکن جہاں اس مقابلہ کا خوف نکلا دکھایا جاتا ہے کہ پھر ان کے مسحور دماغ اس کھیل کو عافیت کے ان گوشوں میں کھیلنا چاہتے ہیں جو ان کا مداری ان سے کھلوانا چاہتا ہے وہی پردہ کی مخالفت، وہی مخلوط تعلیم، وہی رقص و سرود، وہی مے خواری و قمار بازی، سودی کاروبار وغیرہ کا جنون ان پر سوار ہو جاتا ہے ۱۲۔

کہ ان کے سامنے کیا تھا۔ اور اس کے لیے انھوں نے کیا کیا بقول شخصے ؎

اے دل طریق رندی از محتسب بیاموز

مست ست و در حق او کس ایں گماں ندارد

بہرحال حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بھی چونکہ میں بجائے اُن کی باتوں کے ان کے کام ہی کے ایک پہلو کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے ظاہر ہے کہ ان کے اقوال کی جگہ میں بھی آپ کے سامنے ان کے اعمال کا ایک سرسری خاکہ پیش کروں گا اور سچ تو یہ ہے کہ ان کے اقوال بھی پیش کرنا چاہتا تو "پروانۂ سوختہ" کی راکھ سے میں ان چیخوں کا ریکارڈ کیسے تیار کرسکتا ہوں۔ جو صرف "مرغ سحر" کے سوانح نگاروں کو مل سکتے ہیں لیکن واقعہ تو یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آئندہ اپنے جس دعوٰی کو پیش کرنا چاہتا ہوں اگر بجائے آثاری شہادتوں کے صرف تحریری شہادتوں کا مجھ سے مطالبہ کیا جائے تو اس مطالبے سے عہدہ برآ ہونا شاید میرے لئے آسان نہ ہو۔ اگرچہ بڑی تلاش و تنقیر سے بعض جستہ جستہ چیزیں ان کی طویل الذیل تصنیفات میں ملی ہیں اور انہیں کو میں آئندہ پیش بھی کروں گا۔ مگر حضرت مجددؒ کے تجدیدی کارناموں کے کمال کے بعد جس زوال سے شاہ صاحب کو سابقہ پڑا ہے۔ قبل اس کے کہ عام تاریخی مواد اس کے متعلق پیش کروں۔ میں نے براہ راست ولی اللہی گھرانے کے ایک مشہور بزرگ بلکہ براہ راست بڑے صاحبزادے کی گواہی سے اسی لئے آغاز کیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ میں آئندہ حضرت شاہ صاحب کی طرف جن دینی و ملی احساسات کو منسوب کروں گا۔ وہ محض میرا کوئی اختراعی نظریہ نہیں ہے

Marfat.com

یا منطق کی اصطلاح میں دو اتفاقی قضیوں میں لزوم کے تعلق کو محض میرے حسنِ ظن نے نہیں پیدا کر دیا ہے۔

آخر اندازہ کرنے والے اندازہ کر سکتے ہیں کہ جس باپ کا بیٹا، بیٹا ہی نہیں بلکہ جانشین خلیفہ اور کیسا جانشین خلیفہ سمتًا و دلًّا و ہدیًا جو ہو بہو اس کا ثنیٰ تھا جب وہ اپنے سیاسی ماحول سے اس طرح متاثر تھا تو یہ کتنی بڑی غباوت ہوگی کہ حضرت شاہ ولی اللہ جیسے ذکی الحس، بیدار شعور، دقیقہ رس، نکتہ سنج، ژرف نگاہ باپ کے سینہ کو ان جذبات سے محض اس لئے خالی فرض کیا جائے کہ ان کی عام کتابوں میں ان احساسات کا سراغ نہیں ملتا۔ حالانکہ واقعتًا یہ بھی غلط ہے۔ جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔ لیکن منجملہ اور چیزوں کے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے یہ چند اشعار بھی اپنے اندر اس کی قوی شہادت رکھتے ہیں کہ "اسلامی ایوان" میں عہد عالمگیری کے بعد جو آگ لگی تھی۔ اس میں جن جن کے کلیجے بھنے تھے اور جن جن کے سینے آبلوں سے معمور ہو گئے اس میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان بھی تھا اور شاید یہی آبلے تھے جو "اسمٰعیلی جہاد" کے رنگ میں پھوٹ کر بالآخر بہہ گئے۔ اگرچہ اس "جہاد" کی روشنی پر پردہ ڈال دیا گیا تھا لیکن خدا جزائے خیر دے برادر عزیز محترم مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی کو جنھوں نے بزور اس پردہ کو "سیرت سید احمد شہید" لکھ کر حال ہی میں چاک کیا ہے۔ گو میں نہیں جانتا کہ جن لوگوں نے طے کر لیا ہے کہ بزرگوں کی روشنی کو نہیں دیکھیں گے اور جو قدم بھی اٹھائیں گے وہ مغربی لیمپ یا ہندی ڈیوٹ ہی کی روشنی میں اٹھائیں گے۔ ان کی نظر

Marfat.com

بھی اس مینار پر پڑی یا نہیں؟

یا للعجب "! کُنْتُمْ شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ "۔ سارے جہان کے انسانوں کی نگرانی جن کے سپرد کی گئی اور جن کے وجود کا "اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" طرۂ امتیاز تھا۔ آج وہی اپنی ہر حرکت و سکون میں غیروں کی طرف تاکتے ہیں اپنے کو بےبس پا رہے ہیں۔ حالانکہ اُن کو جو مرکزی قبلہ مرکزی نبی، مرکزی کتاب دی گئی تھی۔ اسی سے اندازہ کرتے کہ اب سب کو ہمارے ساتھ وابستہ ہو کر جینا ہے۔ لیکن انھوں نے ان کے "چلانے والوں" نے تو طے کر لیا ہے کہ وہی دوسروں کی کمر پکڑ کر چلیں گے۔ اس کے سوا زندگی کی ساری راہیں ان پر مسدود ہو چکی ہیں۔ —— وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ۔

عالمگیر کے بعد فتنوں کا آغاز

خیر میں کدھر نکلا جا رہا ہوں تو بات یہ ہو رہی تھی کہ اورنگ زیبی عہد کے بعد ہندوستان اور ہندوستان کے مسلمانوں پر کیا گذر رہی تھی۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تو ان واقعات کی طرف اجمالی اشارہ کیا ہے اس اجمال کی تھوڑی سی تفصیل پہلے کر لینا چاہتا ہوں۔

سکھ تحریک اور مرہٹہ تحریک

اتنا تو ان اشعار سے بھی معلوم ہوا اور تقریباً سب ہی جانتے ہیں کہ (عالمگیر کے بعد ہی ایک تحریک ہندوستان کے شمال مغربی خطوں میں "سکھ تحریک" کے نام سے اور دوسری تحریک جنوبی ہند میں مرہٹہ یا شیواجی کی تحریک کے نام سے اٹھی تھی۔ اور ثانی الذکر تحریک کا صرف آغاز ہی نہیں

Marfat.com

بلکہ ایک حد تک اشتداد، عالمگیر ہی کے زمانہ میں ہو چکا تھا اسی کے ساتھ اجمالی طور پر لوگوں کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ دونوں تحریکیں سیاسی تھیں اور ان دونوں کا رُخ اسلام اور مسلمانوں کی طرف تھا۔ لیکن اگر قرآنی لہجہ میں پوچھا جائے کہ الحاقۃ وماادراك الحاقۃ ؟ یا السکھ وماادراك ماالسکھ ؟ تو شاید اس سوال کے جواب کی جو واقعی ہیبت ناک، زلزلہ افگن ہوش ربا تصویر ہے۔ وہ شاید ہی اس زمانہ کے مسلمانوں کے سامنے ہو!

چونکہ ان واقعات یا ان کے سوا بھی میں اور جن چیزوں کو پیش کر رہا ہوں اُن سے خود ان واقعات کا تذکرہ مقصود نہیں ہے۔ بلکہ صرف یہ دکھانا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ جن کے قلبی واردات کا حال یہ ہے۔ کہ باوجود شاعر نہ ہونے کے جب اپنے باطنی احساسات سے مضطرب ہوتے تھے تو اس وقت بے ساختہ ان کی زبان یا قلم کی شورانگیزیاں ان اشعار کی صورت اختیار کرتی تھیں ؎

به زلف پیچ در پیچ کسےگم کرده‌ام خود را خروش درد دل شبهائی کردم چه می کردم
دلے پُردرد، جاں افگار، یار نیند خود لنم جہاں را پر زیاری ہائی کردم چہ می کردم

آخر میں آپ کا مشہور مصرعہ ہے۔ ع

"جنوں ترک منصبهائی کردم چه می کردم"

تو اس وقت جب کہ ہر معمولی سوادخاں اعتصام الدولہ صمصام الملک خان دوراں اور امیر الامراء بن بن کر عزت و جلال کے لوح پر چمک رہا تھا شاہ صاحب بقول خود کسی "جنون" میں مبتلا ہو کر سب پر لات مار کر اپنا عذر

Marfat.com

ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

"جنونِ ترکِ منصبہا نمی کردم چہ ہا کردم"

جلال کی جن تجلیوں کا تماشا فرما رہے تھے۔ ان ہی کو پیشِ نظر رکھ کر فرماتے ہیں سہ

جہان و جاں فدائے وضعِ شوخِ شہر آشوب
قیامت می نمائی و دمِ عیسٰی و مرہم ہم

غور کرنا چاہیئے۔ ایک ایسے وارفتہ و مستِ الست کے متعلق یہ خیال کرنا کہ جس طرح بہت سے لوگ جو محض اس لئے کہ لکھنا جانتے ہیں۔ کتابیں لکھتے تھے۔ اسی زمرہ میں شاہ صاحب یا شاہ صاحب کی تالیفی و تعلیمی خدمات کو شمار کرنا کم ازکم میرے نزدیک "واقعات" کے عدم احساس ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے ورنہ سچ یہ ہے کہ اس گروہ کو جن کا سب سے بڑا کام صرف لکھنا ہے اس کو ان دل باختوں، سوختہ سامانوں سے کیا نسبت؟ جنھوں نے کسی بڑے کام کے لکھنے کا پیشہ اختیار کیا، ٹھیک جو حال مولانا روم کا ہے جن کا کام شاعری نہ تھا۔ لیکن ایک کام کے لئے انھوں نے شاعری کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔ میرے نزدیک حضرت شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ کے تمام مساعی کا مرکزی نقطہ بھی یہی تھا۔ اور آئندہ آپ کے سامنے اسی نظریہ کی کچھ تفصیل پیش کی جائے گی۔ اسی لئے پہلے ان حالات کو پیش کرتا ہوں۔ جن میں حضرت شاہ صاحب گھر گئے تھے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ عہدِ عالمگیری کے بعد سب سے بڑے نقطے دو تھے۔ جن میں ایک کا مرکز پنجاب اور دوسرے

کا منشاء و مولد جنوبی ہند کا وہ ساحلی علاقہ تھا جسے عموماً کوکن یا مرہٹواڑی کہتے ہیں۔ میں پہلے فتنہ سکھ کا اجمالاً ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

پنجاب کی جدید خاکسار تحریک اور قدیم سکھ تحریک میں وجوہ مماثلت

یہ عجیب بات ہے کہ ٹھیک جس طرح پچھلے چند سالوں میں پنجاب ہی کی سرزمین سے ایک تحریک اٹھی جس کے آغاز میں یہ ظاہر کیا گیا کہ "مذہب" کے سمجھنے میں لوگوں کو جو غلطی ہوئی ہے۔ محض اس کی اصلاح مقصود ہے اور اس سلسلہ میں آج تک تیرہ سو برس سے قرآن کا جو مطلب مسلمان سمجھتے تھے وہ بالکلیہ الٹ دیا گیا۔ حتیٰ کہ جو کفر تھا وہ اسلام قرار پایا اور جو اسلام تھا وہ سراسر کفر بن گیا۔ بہرحال ابتداءً جس طرح یہ ایک مذہبی اصلاحی تحریک تھی لیکن چند ہی دنوں میں صاحب تحریک نے آہستہ آہستہ چولا بدلنا شروع کیا! ایک آہنی اوزار کو مذہبی شعار کا رنگ عطا کر کے ماننے والوں کو مسلح کیا گیا۔ پھر روپیہ کے ساتھ ساتھ چند دن میں گھوڑے، نیچے، وردیاں وصول ہونے لگیں اور بالآخر اچانک اس تحریک کا رُخ "سیاسیات" کی طرف پلٹ گیا۔ حتیٰ کہ خون و قتال کی گرم بازاریاں بھی شروع ہوگئیں "غزاۃ" اور "شہداء" کی فہرستیں بننے لگیں ـــــ قریب قریب کچھ اسی شکل کے ساتھ پنجاب ہی سے "سکھ تحریک" کا آغاز ہوا تھا۔ مفصل حال تو کتب تاریخ سے معلوم ہوگا یہاں صرف اتنا معلوم کر لینا بس کافی ہے۔ کہ ایک لڑکا جس کے متعلق مصنف سیر المتاخرین

ـہ بیلچہ

Marfat.com

کا بیان ہے کہ

" پدرش بقالے از قوم کھتری بود۔ در عہد طفلی حُسنے و صباحتے باندک استعداد و لیاقتے خداداد داشت" سیر ص ۱۰۴/۲ ج ۲

چونکہ اس حسین و صبیح لڑکے کی طرف پنجاب کے ایک صوفی منش بزرگ سید حسن نظامی کی نظر خاص تھی۔ (براو نظر توجہ داشت) اس لئے " بفیضِ صحبت درویش حقیقت کیش فی الجملہ شعور و دانش بہم رسانیدہ و برحقائق و معارف کہ کتب فقرائے اسلام و صوفیہ ذوالاحترام بآں مشحون است اطلاع حاصل نمود ـــــ" اور اسی وجہ سے ـــــ" از کیشِ آبائی خود درگزشتہ مضامین اقوال آں بزرگواراں بزبان پنجابی کہ داشت در بحور اشعار ہندی موزوں می نمود"

آخر ان ہی اشعار نے "گرنتھ" کے نام سے ایک مذہبی کتاب کی شکل اختیار کی اور اس کے یہ مبلغ "گرونانک" کے نام سے مشہور ہوئے تو جس طرح گویا پنجاب کی موجودہ تحریک جیسے عہد حاضر کی قوت حاکمہ کے ادبیات سے متاثر ہوکر ابتداءً مذہبی رنگ میں شروع ہوتی ہے۔ اسی طرح پنجاب کی پہلی تحریک بھی اس زمانہ کی قوت حاکمہ کی تعلیمات سے متاثر ہوکر ابتداءً مذہبی ہی رنگ میں جاری ہوئی تھی ـــــ البتہ موجودہ تحریک کے محرک اول ہی نے اپنے ہی زمانہ میں اس کا رُخ سیاسیات کی طرف پھیر دیا۔ لیکن پہلی تحریک نے محرکِ اوّل کے چند جانشینوں کے بعد اچانک سیاسی کروٹ لی۔

سکھ تحریک کی سیاسی کروٹ اور اُس کے فروغ کے اسباب

ایسا کیوں ہوا اور کن اسباب کے تحت ہوا اس کا قصہ تو طویل ہے لیکن اسی زمانہ میں جب حضرت شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہو چکے تھے۔ پنجاب کی یہ مذہبی تحریک مشہور گورو گوبند کی کوششوں سے سیاسی رنگ اختیار کر چکی تھی۔ اپنی مذہبی تحریک کو سیاسی رنگ دینے کے لئے گورو گوبند نے بھی وہی کیا جو پنجاب کی موجودہ تحریک میں کیا گیا یا کیا جا رہا ہے۔ صاحب سیر المتاخرین لکھتے ہیں:۔

گورو گوبند بجائے پدر خود تیغ بہادر[1] نشست	گورو گوبند نے باپ تیغ بہادر کی جگہ
منتشران فرقہ خود را آہستہ آہستہ جمع نمود۔	بیٹھ کر اپنے فرقہ کے پراگندہ اور منتشر
وسلاح و اسپ ویراق بہم رسانیدہ و	افراد کو آہستہ آہستہ اکٹھا کرنا شروع کیا
برہمراہیان خود قسمت کردہ واندک اندک	اور ہتھیار گھوڑے اور دوسرے جنگی

---

[1] تیغ بہادر کے متعلق طباطبائی نے عجیب بات لکھی ہے کہ "شیوہ اخذ بجبر و تعدی اختیار نمودہ در پنجاب ی گردید" لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے۔ کہ حضرت مجدد صاحب کے مشہور خلیفہ حضرت حافظ شیخ آدم بنوری نے بھی ایک جمعیت فراہم کی تھی اور تیغ بہادر از ہندواں رہا می گرفت" اور حضرت شیخ کے متعلق لکھا ہے کہ" حافظ آدم از مسلماناں" طباطبائی اور ان جیسے بزرگوں کو حضرت مجدد سے جو خاص کد تھی کون کہہ سکتا ہے کہ یہ اس کا نتیجہ ہے یا واقعی سکھی تحریک کے مقابلہ میں حافظ آدم رحمۃ اللہ علیہ بھی فی الحقیقت اٹھے تھے۔ مجھے امید ہے کہ ہمارے دوست مولانا یوسف بنوری جو غالباً حضرت حافظ صاحب کے خاندان سے ہیں اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں گے "مجددیت" کے سلسلہ میں ان سے ایک باب کا اضافہ ہوگا۔ ۱۲۔

Marfat.com

دست وپائے خودرا دراز و شروع تگ وتاز نمود۔ صـ۴۰۲ـ

سازوسامان بھی فراہم کئے اور اپنے رفقا پر سب کو تقسیم کرنے لگا۔ یوں تھوڑا تھوڑا کر کے اس نے اپنے پاؤں نکالنے شروع کئے۔ اور دوڑ دھوپ کی ابتدا کی۔

بہر حال گورو گوبند کے ساتھ تو "بموجب فرمان بادشاہ فوج داران حضور بتادیب او پرداختند" لیکن گوبند کا جانشین جب بندا نامی گورو ہوا اور اس وقت حضرت شاہ صاحبؒ جوان ہو چکے تھے۔ اس نے مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ کیا ان چند الفاظ سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

مسلمانوں پر لرزہ خیز مظالم

بروہات وآبادی اہل اسلام ہرجا دست او می رسید تافتہ از سکنہ این جا ہرکرامی یافت ابقا نمی کرد ہرچند اطفال صغیر السن باشند۔

اہل اسلام کے گاؤں اور آبادیوں پر جہاں کہیں قابو پاتا تھا چڑھ دوڑتا اور باشندوں میں جس کسی کو پاتا باقی نہیں چھوڑتا تھا خواہ چھوٹے کمسن بچے ہی کیوں نہ ہوں؟

قساوت وبطش شدید وجباریت کا یہ عالم تھا کہ

حتی زنہائے حاملہ را شکم دریدہ وجنین را بیرون کشیدہ می کشند

حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر کے بچہ کو باہر نکال کر مار ڈالتے تھے۔

یہ تو طباطبائی کا بیان ہے۔ مرزا حیرت نے ایک ہندو مصنف کی جو

پنجاب میں اکسٹرا اسسٹنٹ کے عہدہ پر مامور تھے حسب ذیل شہادت نقل کی ہے۔

ایک ہندو مصنف کی شہادت

مسلمانوں سے سکھوں کو بڑی دشمنی تھی۔ اذان یعنی بانگ بآواز بلند نہیں ہونے دیتے تھے۔ مسجدوں کو اپنے تحت میں لے کر گرنتھ پڑھنا اس میں شروع کرتے اور اس کا نام منت گڑھ رکھتے تھے۔ شکار اور شراب خور ہوتے تھے۔ گھوڑے پر چڑھے ہوئے روٹی کھاتے جاتے تھے۔ دیکھنے والے کہتے ہیں کہ جہاں پہنچتے تھے۔ جو برتن مٹی کا استعمالی کسی مذہب والے خصوصاً مسلمانوں کا پڑا ان کے ہاتھ آجاتا تھا، پانچ چھتر (جوتے) اس پر مار کر اس میں کھانا پکا لیتے تھے۔

(حیات طیبہ ص۱۳)

مسلمانوں کے برتن کے پاک کرنے کا سکھوں نے جوتے مارنے کا عجب طریقہ اختیار کیا تھا۔ بہرحال اگر یہ واقعات صحیح ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ بعید از قیاس کہا جائے اس واقعہ کو جو ان "شکار اور شراب خوروں" کے متعلق مرزا حیرت نے درج کیا ہے۔ کہ

زندہ جانوروں کے ہولے

سکھوں کا دستور ہے۔ کہ وہ ہولے کر کے کھاتے ہیں۔ دہلی میں ہولے سوکھے لونٹوں کو گھاس پھوس کی آگ میں معہ شاخوں کے خستہ کرنے کو کہتے ہیں۔ مگر سکھوں میں انھیں ہولے نہیں کہتے، وہ ایک بڑے فولادی پنجرے میں چیل، کتے، کبوتر، تیتر، مینا ئیں، طوطے

غرض مختلف قسم کے جانور بند کرکے پنجرے کو کسی درخت سے لٹکا دیتے ہیں۔ اور پھر نیچے آگ دے دیتے ہیں۔ وہ زندہ پرند پھڑپھڑا کے بھن کے کوئلہ ہو جاتے ہیں۔ پھر انھیں صاف کرکے یہ ناخدا ترس کھاتے ہیں۔"

خیر یہ غریب پرندوں اور جانوروں کو ہولہ بنانے کی شکل تھی آنکھوں میں اندھیرا چھا جاتا ہے۔ جب اسی کے بعد مرزا حیرت کی اس روایت پر نظر پڑتی ہے کہ :۔

انسانوں کے ہولے | "اسی طرح بے گناہ مسلمانوں کے ہولے کئے جاتے تھے۔ اور یوں تڑپا تڑپا کے انھیں مارا جاتا تھا" ص ۱۲۰

بہرحال قتل و غارت، خونریزی و خون خواری اس تحریک کی روح تھی۔ دماغوں کو اتنا مسحور کیا گیا تھا کہ جب فرخ سیر نے اپنے زمانہ میں سکھوں کی ان ظالمانہ چیرہ دستیوں کا قرار واقعی علاج کرنا چاہا اور عبدالصمد خاں تورانی صوبہ دار کشمیر اس مہم پر متعین ہوا۔ جس نے بڑی دلیری سے بندا اور اس کے ساتھیوں پر قابو حاصل کرکے سب کو گرفتار کرکے دہلی روانہ کیا بادشاہ کے پاس ہزارہا غریب دبے کس مسلمانوں کی فریاد وزاری کی عرضیاں پہنچی ہوئی تھیں۔ جب حکم دیا گیا کہ اب اُن سے انتقام لیا جائے۔ تو بقول طباطبائی اس وقت کا سماں عجیب تھا۔ لکھتے ہیں :۔

سکھوں کا جذبۂ قربانی | تصلبے عجیب ازآں جماعتہ مسموع

شدہ کر در کشتہ شدن یکے بر دیگرے سبقت می جست و منتِ جلاّد می نمود کہ اول اورا بکشید۔

مسوّٰی ج ۲

عجیب قسم کی سخت جانی اس گروہ کے متعلق سننے میں آئی یعنی مارے جانے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا۔ جلاد کی خوشامد کرتا کہ پہلے اُسے مارڈالا جائے۔

باطل کے لئے مرجانے اور حق پر جان دینے کا فرق

کتنی عجیب بات ہے۔ حق ہو یا باطل اس قسم کی قربانیوں اور دیدہ دلیریوں کے نظائر کی تاریخ میں کچھ کمی نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی کچھ لوگ ہیں جو ہر چیز سے قطع نظر کر کے کسی کے تصلب و استقلال یا جذبۂ قربانی کو اس کی صداقت کی دلیل بنا لیتے ہیں۔ کس لئے مرا؟ یہ نہیں دیکھتے۔ بلکہ کسی بات پر ہٹ کرتے ہوئے مرجانا بس یہی ان کے نزدیک ان کے خیال کی صحت اور اس کے مسلک کی راستی کی کافی شہادت ہے۔ حالانکہ اگر حق و باطل کا یہی معیار ہے تو سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ ابوجہل اور سید الشہداء حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں یہ دیوانے کس بنیاد پر امتیاز پیدا کرتے ہیں۔ آخر ابوجہل نے قربانی کی کون سی ایسی قسم تھی جو پیش نہیں کی۔ مال لٹایا۔ گھر چھوڑا در چھوڑا اور بالآخر اپنے مسلک پر اصرار کرتے ہوئے بدر پہنچ کر اسی راہ میں اپنی جان بھی دے دی پھر کیا واقعی محض اس لئے ابوجہل ہونے کے ابوالحکم قرار دیا جا سکتا ہے۔ جس نے بھی اپنی جان دے دی۔ بس اس کے بلندیٔ رتبہ کا ان کے

Marfat.com

سامنے پھر کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا۔ حالانکہ سچ پوچھئے تو ایک نہیں لاکھوں ہر زمانہ میں ہر ملک میں آپ کو ایسے آدمی مل سکتے ہیں اور ملتے رہتے ہیں اور اس وقت بھی مل رہے ہیں۔ جو کسی بڑی چیز کے لئے نہیں صرف پندرہ روپلے ماہوار کے لئے فوجوں میں اس لئے بھرتی ہوئے پر تیار ہیں کہ جب جی چاہے اُن کی گردن ان کے سروں سے اتار لی جائے۔ پھر کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ فوج کا ہر سپاہی قربانی وایثار استقامت و استقلال کا پیکرِ مجسم اور مظہر اتم ہے؟ صرف اس لئے کہ بجائے کسی بڑے نصب العین کے عام فوجی سپاہیوں کے سامنے محض چند روپلے ہوتے ہیں جن کے لئے وہ اپنی جانوں سے بھی دست بردار ہو جاتے ہیں۔ ان کی کوئی عظمت کسی دل میں نہیں پائی جاتی؛ یہی واقعہ ہے اور یہی فطرت کی شہادت ہے۔

بڑی جہالت ہے کہ کس لئے جان دی؛ اس سوال کی تحقیق کرنے سے پہلے لوگ غل مچا دیتے ہیں کہ فلاں نے جان دے دی۔ اب اس سے زیادہ اس کی راست بازی کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

آج بھی تحریکوں کی صداقت وعدم صداقت کا معیار جاہلوں میں صرف یہی چیز بنی ہوتی ہے۔ کبھی کبھی کسی مسلک کی تصدیق اس لئے کی جاتی ہے کہ اس پر چلنے والے بڑے منظم ہیں، بڑے اولوالعزم ہیں۔ ہندوستان ہی نہیں ہندوستان کے باہر بھی اپنے خیال کے پرچار میں دیوانہ وار مارے مارے پھرتے ہیں۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ آخر جو نہ کسی سے کچھ لیتے ہیں اور نہ مانگتے ہیں بلکہ اپنی جیب خاص سے اپنی وردیاں بناتے ہیں، بیلچے خریدتے ہیں۔ کرایہ یا

بلاکرایہ ریل گاڑیوں پر سفر کرتے ہیں - ہر بڑی سے بڑی قوت سے ٹکرا جانے پر ہروقت تیار رہتے ہیں - نہ اپنی جائدادوں کی انھیں کوئی پرواہے نہ اپنی اولاد کی فکر۔ جان عزیز یہ ہروقت ان کی مٹھی میں دھری ہے معمولی اشاروں پر اسے بآسانی پھینک دینے پر آمادہ ہوجاتے ہیں کہا جاتا ہے کہ آخر اس سے بڑھ کر ان کی سچائی اور خدا کی مرضی کے مطابق ہونے کی اور کیا دلیل تلاش کی جاتی ہے ——— میں یہ نہیں کہتا کہ بجائے خود یہ صفات اچھے نہیں ہیں - لیکن لکڑی کاٹنے کے لئے جسے تیشہ دیا گیا - اگر بجائے لکڑی کے وہ مسجد کی دیوار کھودنے لگے تو اس میں "تیشہ" کی برائی نہیں، استعمال کرنے والے کی غلطی ہے - سعدیؒ نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا ؎

ترا تیشہ دادم کہ ہیزم شکن
نہ گفتم کہ دیوار مسجد بکن

آپ یہ نہ دیکھیے کہ اس کے ہاتھ میں کیا ہے - بلکہ یہ دیکھیے کہ وہ اپنے ہتھیار کو کن چیزوں پر چلا رہا ہے - تنظیم، اتحاد، ایثار، قربانی یہ قدرت کے اٹل قوانین ہیں - جن کے بغیر اپنے "نصب العین" کی تکمیل میں مشکل ہی کوئی کامیاب ہوسکتا ہے - مگر بذات خود ان کی کوئی قیمت نہیں ہے - اگر کسی اچھے بلند نصب العین کے لئے انھیں استعمال کیا جائے تو یہ بہترین چیزیں ہیں - لیکن اگر شروفساد، خونریزی و تباہ کاری، اضلال وتسویل نوامیس شرعیہ کی توہین، اہل حق کی تحقیر کا ذریعہ ان ہی چیزوں کو بنایا جائے تو پھر ان صفات

Marfat.com

سے زیادہ بدتر کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ چونکہ مجھے شمال مغرب کی قدیم تحریک اور جدید تحریک میں گونہ مشابہت نظر آرہی ہے۔ اس لئے ان چند اشارات کا ذکر مناسب معلوم ہوا ـــــ اب میں اپنے مقصد کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

میرا مطلب یہ ہے کہ سکھوں کے جس فتنہ کا اجمالی نقشہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ کو تو اس وقت یہ سنایا جارہا ہے۔ لیکن دین کے جس دیوانے اور شمع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے جس پروانے کا نام "ولی اللہ" تھا اسے یہ سب کچھ دکھایا جارہا تھا۔ ٹھیک جن دنوں پنجاب بندا کی ترک تازیوں سے قیامت کا نمونہ بنا ہوا تھا۔ اسلامی حکومت اس کا اور اس کے ساتھیوں کا تعاقب کرتی تھی۔ لیکن۔

بندا مذکور کمتر مقابل افواج پادشاہی می گشت۔ اکثر بطور چپاولی قطاع الطریقی در اطراف وجوانب دویدہ، یک جا نمی آسود، ہرجا قابو می یافت در قتل وغارت وتخریب مساجد و نبش قبور مسلمانان قصور نمی نمود۔	مذکورہ بالا بندا بادشاہی فوج کا سامنا بہت کم کرتا تھا۔ بلکہ زیادہ تر گوریلا (؟) کے طور پر چھپ چھپا کے حملے کرتا تھا۔ اور اطراف وجوانب میں راہزنی کرتے ہوئے پھرا کرتا۔ ایک جگہ اپنا ٹھکانہ بنا کر نہیں رہتا تھا۔ جہاں موقع مل جاتا قتل وقتال، لوٹ مار اور مسجدوں کی بربادی، مسلمانوں کے مقابر کے اکھاڑنے میں کمی نہیں کرتا۔
ص ۴۰۲۔ طبا طبائی ج ۲	

بندا کے یہ ساتھی جس وقت دلی میں خود اپنے قتل میں منت جلاد میں سبقت کر رہے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس وقت دلی ہی میں موجود تھے۔ اور یہ سارے واقعات ان کے سامنے گزر رہے تھے ان صفات کے زیر اثر جو تحریک اٹھائی گئی ہو۔ عوام کو اس کی اہمیت کا ممکن ہے صحیح اندازہ نہ ہو۔ لیکن جس نے حجۃ اللہ البالغہ اور خیر الکثیر، ازالۃ الخفا جیسی ولی اللہی تصنیفات کا مطالعہ کیا ہے اور حضرت شاہ صاحب کی نگاہ عقابیں کا اسے تجربہ ہے۔ وہ سمجھ سکتا ہے کہ ان حالات کو دیکھ دیکھ کر قرآن وحدیث کے اس عاشق جانباز پر کیا گزر رہی ہوگی مسلمانوں کے بھیانک انجام کی جو تصویر ان کے سامنے گھوم رہی ہو گی۔ ارباب بصیرت ہی اس کا کچھ اندازہ کر سکتے ہیں۔ ایک طرف پنجاب سے یہ آندھی اٹھی تھی اور بتدریج تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی سلطنت وحکومت کی قوتیں بھی اس کے مقابلہ میں بسا اوقات اپنے کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور پا رہی تھیں۔ کہ شیوا جی کے دماغ نے "دکن" کا جو "الاؤ" جوڑا تھا۔ عالمگیر انار اللہ برہانہٗ کی لبست سالہ مسلسل کوششوں سے اگرچہ وہ کبھی کبھی دب دب جاتا تھا۔ لیکن سچی بات یہی ہے جیسا کہ اسی طباطبائی نے لکھا ہے کہ

عالمگیر خود بہ نفس نفیس متوجہ دکن	عالمگیر نے بذات خود دکن کی طرف
شد۔ ولبست و پنج سال کامل در	رُخ کیا اور پورے پچیس سال مرہٹوں
گوشمالی مرہٹہ صرف نمودہ اما از	کی گوشمالی میں صرف کئے لیکن شاہی
تہا دن بعض امرائے رکاب گریراے	رکاب میں جو امراء تھے۔ ان کی

Marfat.com

اغراض خود انفصال ہنگامہ مرہٹہ نمی خواہند استیصال جماعتہ مرہٹہ صورت نہ گرفت۔

صفحہ ۹۲۳ ج ۳

سستی و کاہلی سے جس میں ان کے اغراض پوشیدہ تھے، معاملہ کا قطعی فیصلہ نہ ہونے پایا۔ یا امراء اپنے ذاتی اغراض کے تحت مرہٹوں کے ہنگاموں کو ختم کرنا ہی نہیں چاہتے تھے۔

بلکہ اورنگ زیبی پنجۂ فولادیں کے دباؤ کے اٹھ جانے کے بعد اس قوم کو صرف دکن اور کوکن ہی نہیں بلکہ تقریباً ہندوستان کے اکثر علاقوں میں تگ و تاز، تاخت و تاراج کا کھلا میدان مل گیا "برگی" جو مرہٹہ غارت گروں کا کپکپا دینے والا نام تھا۔ اس سے ملک کے اکثر و بیشتر صوبے پامال ہو رہے تھے۔ خود دہلی پر اکثر مرہٹوں کے حملے ہوتے تھے۔ اور حکومت ان کے مقابلہ سے دن بدن اپنے کو عاجز پاتی چلی جا رہی تھی۔ یہ واقعات ہیں جن سے عامی و خاصی سب ہی واقف ہیں۔

سکھ تحریک اور مرہٹہ تحریک کا ایک خاص فرق

لیکن اس سلسلہ میں ایک چیز قابل غور ہے کہ مغربی شمالی گوشہ سے جو فتنہ اٹھا تھا، جیسا کہ بیان کیا گیا۔ ابتداءً اس کی شکل ایک مذہبی اصلاحی تحریک کی تھی اور غالباً انتقامی جذبات کے تحت اس نے سیاسی کروٹ لی ــــ لیکن اسی کے مقابلہ میں جس تحریک کی ابتداء جنوبی ہند سے ہوتی تھی عجیب بات ہے کہ بجائے کسی مذہبی اصلاحی تحریک کے شروع ہی سے اس کا آغاز ایک

Marfat.com

ایسی سیاسی تحریک کی شکل میں ہوا جس کا مقصد ہندوستان کو قدیم پراچین تہذیب کی طرف واپس لے جانا تھا۔ پنجاب کی تحریک کا تعلق عوام کے مذہبی خیالات کی اصلاح سے تھا اور چونکہ اس کا بانی ہندوؤں کی کسی اعلیٰ ذات سے نہیں بلکہ قوم کھتری سے تعلق رکھتا تھا۔ اس لئے ہر طبقہ کے عوام اس میں شریک ہوتے تھے۔ صاحب سیر المتاخرین کا بیان ہے کہ سکھ لوگوں کا دستور تھا۔ کہ

"ہر چند از فرق مختلفہ باشند ہرگاہ ایں مسلک اختیار نمایند اجتناب واحتراز از ہم دگر بقاعدہ مستمرہ بضابطہ دیرینہ ہنود نمی کنند۔ اگرچہ ارازل فرق بوشند" ص۴

لیکن جنوبی ہند کی تحریک کے بانی چونکہ شیواجی سمجھے جاتے ہیں۔ اور ان کا نسلی تعلق اودے پور کے راناؤں سے بتایا جاتا ہے اس لئے شروع سے ہندوؤں کے اعلیٰ طبقے اس میں شریک رہے۔ حتیٰ کہ آخر میں تو مرہٹہ تحریک کی عنان بالاجی المعروف بہ پیشوا کے ہاتھ میں آگئی تھی۔ جو براہ راست کوکنی برہمن تھا۔

گویا آج جنوبی ہند سے جس تحریک کی ابتداء ہوتی اور بالآخر اس وقت تمام دوسرے صوبوں کی مختلف تحریکیں بھی دب دبا کر اسی میں ہضم ہوچکی ہیں۔ اس تحریک کی خصوصیت بھی وہی ہے جو پہلے کی تھی۔ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی جن کی زندگی کا بڑا حصہ مرہٹواڑی میں گزرا ہے۔ اور اس قوم کے عادات واطوار، مقاصد اور منصوبوں سے جتنی زیادہ واقفیت اس مورخ کو

Marfat.com

حاصل ہوسکتی تھی۔ دوسروں کو اس کے مواقع حاصل نہ تھے۔ وہ یہ لکھتے ہوئے۔ کہ :-

حق علیم است وکفیٰ بہٖ شہیداً کہ ایں ہمہ امور مطابق واقع بقلم آمدہ و تعصب و تصنع اصلا دخلے ندارد	اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ گواہ ہونے کے لئے وہ کافی ہے کہ (جو کچھ لکھا جارہا ہے) یہ سب کچھ وہی ہے۔ جو واقعات کے مطابق ہے تعصب یا بناوٹ کو اس میں قطعاً دخل نہیں ہے

مرہٹہ تحریک کے نصب العین کو ان الفاظ میں ادا فرماتے ہیں :-

مخفی نماند کہ فرقتین مذکور تین نیتے دارند کہ ہر جا دست یابند وجوہ معاش جمیع خلق را بند کردہ بہ طرف خود می کشند زمینداری ومقدمی وعمل پٹواری گری ہم باقدبین نہ گذاشتہ۔ اساس وارثاں کار آتے نذکور را از بیخ وبن بر کندہ بنیاد دخل و تصرف خود قائم کنند۔	" لوگوں سے یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ دونوں فرقوں (مرہٹہ اور کوکنی برہمن) کی نیت یہ ہے کہ جہاں ان کو قابو حاصل ہو جائے۔ وہاں خدا کی ساری مخلوق کے ذرائع معاش کو بند کر کے اپنی طرف ان کو سمیٹ لیں زمینداری مقدمی پٹواری کا کام ان پیشوں کو بھی پرانے لوگوں کے ہاتھوں میں انھوں نے باقی

لہ یہ ساری عبارت ان کی کتاب "خزانہ عامرہ" سے منقول ہے۔ طباطبائی نے بھی بجنسہٖ اپنی کتاب میں اس کو نقل کیا ہے۔ ۱۲

نہیں چھوڑا ہے۔ جو بیچارے ان لوگوں کے
وارث ہیں ان کی تو جڑ نکال کر انھوں نے
پھینک دی اور سب پر اپنا عمل دخل قائم کر لیا۔

آخر میں ان کے "اندرونی منصوبے" کا ذکر ان الفاظ میں فرماتے ہیں :-

می خواہند کہ مالک تمام روئے زمین شوند	یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ تمام روئے زمین کے مالک بن جائیں۔

اگرچہ بیچارے میر صاحب نے اس کے بعد اپنے ایمانی خیالات کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ :-

"رزاقِ مطلق تعالیٰ شانہ، کہ روزی رساں ہندو مسلمان است برائے رزق اصناف خلائق بر ہمیں زمین نوشتہ تمام ایں مملکت بریک قوم چہ طور مسلم تواند ماند"	"رزاق مطلق اللہ تعالیٰ جو ہندو اور مسلمان دونوں کا روزی پہنچانے والا ہے۔ اسی نے ہر ایک کی روزی کا حصہ اسی سرزمین (ہند) میں مقرر فرمایا ہے۔ یہ سلطنت کسی ایک قوم کے فائدہ کے لئے کس طرح مخصوص کی جا سکتی ہے"

ہندوؤں کی موجودہ سیاسی سرگرمیوں کا رُخ اور ان کا مقصد

لیکن میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جنوبی ہند سے شروع ہونے والی موجودہ سیاسی تحریک کو (جس کی قیادت عملاً اعلیٰ طبقہ کے ہندوؤں کے ہی

ہا تھ میں ہے) جو لوگ مغربی کلیات اور کالجوں کی تعلیم کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور اس بنیاد پر اس قوم کا گن گایا جاتا ہے اور کم از کم اس کے وجود کا یہ فائدہ بتایا جاتا ہے کہ اسی کی بدولت سوتے ہوئے جاگ پڑے۔ ان کو غور کرنا چاہیئے کہ اس میں کہاں تک حقیقت کا عنصر شریک ہے۔

کیا ہندوستان کی تقسیم سے ہمارے مرض کا علاج ہو سکتا ہے

اور اس کے بعد مجھے ان لوگوں سے عرض کرنا ہے جو اسی مسئلہ "رزق" کے حل کی یہ صورت نکال کر مطمئن ہونا چاہتے ہیں کہ ہم ملک کا کوئی گوشہ اپنے لئے الگ کر کے آباد ہو جاتے ہیں کامیاب ہو جائیں گے تو پھر روز کی اس کھٹ کھٹ سے نجات مل جائے گی۔ اول تو جنگ وجدال اور باہمی نزاع و فساد کے لئے صرف ہندو مسلمان کی تفریق کی ضرورت نہیں۔ چاہنے والے اگر چاہیں گے تو شیعہ سنی کے مسئلہ میں بھی اس سے زیادہ خونریزیاں محض ایک نقطہ "وہابی" وغیرہ وہابی یا "دیوبندی" "بریلوی" یا از یں قبیل دوسری تقسیموں سے پھیلائی جا سکتی ہیں۔ پھر جن لوگوں نے مرض کا یہ علاج تجویز کیا ہے میں اگر ان کے متعلق یہ باور کرتا ہوں کہ ان کی نظر دور نہیں پہنچی ہے تو کیا غلط سمجھ رہا ہوں۔ اور بالفرض مسلمانوں کے بانٹنے یا بٹوارے میں بانٹنے والی قوتوں کو کسی وجہ سے کامیابی نہ بھی ہو لیکن جس کا نصب العین آج ہی نہیں بلکہ آج سے صدیوں سے پہلے یہ تھا کہ

"می خواہند کہ مالک تمام روئے زمین شوند" "چاہتے ہیں کہ تمام "روئے زمین" کے مالک

ہو جائیں"

آخر ان سے ہم کہاں تک بھاگ بھاگ کر پناہ لیں گے۔ آپ ہندوستان ہی کے متعلق سوچ رہے ہیں کہ اس ملک کے کسی علاقہ میں ہمیں چین نصیب ہو سکتا ہے۔ اگر ان سے بالکل الگ ہو جائیں لیکن ہندوستان تو بقول ان کے "ہندو استھان" ہے۔ جو "ہند و استھان" نہیں ہے۔ جب وہ بھی ان کے "می خواہند" میں داخل ہے تو آخر صرف جدائیگی اور بٹوارہ کو جو ہر مرض کی دوا خیال کیا جارہا ہے۔ کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ زندگی اور حیات کے قدرتی قانونوں سے محروم ہونے کے بعد محض لاشوں کے چہروں پر غازے ملنے سے کسی کو زندہ نہیں خیال کیا گیا ہے۔ اور نہ ان سے زندگی کے آثار نمایاں ہو سکتے ہیں۔ ہمارے پاس ہماری کتاب میں ہمارے پیشوا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم میں جینے کے جو اصول بتائے گئے ہیں۔ ان سے کٹ کر جو باوجود ادعا اسلام کے اپنی خود تراشیدہ تدبیروں کے ذریعہ سے جینا چاہتے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ اپنے کو کس طرح زندہ رکھ سکتے ہیں۔

بہر حال ایک طرف پنجاب سے سکھوں کا فتنہ تھا جو بڑھتے ہوئے بادل کی طرح مسلمانوں پر چھاتا چلا جاتا تھا۔ اور بے دردی سے بجائے پانی کے ان پر آگ برسا رہا تھا۔ اور دوسری طرف جنوبی ہند کا مرہٹی سیلاب تھا۔ جس میں جنوب سے شمال اور مشرق سے مغرب تک کے مسلمان اپنے ڈوبنے اور بہنے کا تماشہ دیکھنے کا انتظار کر رہے تھے۔

مرہٹہ گردی مرہٹے ملک میں اس کنارے سے اُس کنارے تک جہاں تک پہنچ سکتے تھے پہنچ کر

Marfat.com

ہر جا آبادی یافت سوختہ | جہاں کہیں آبادی انھوں نے پائی
غارت کردہ بخاک برابر ساختہ۔ | اُسے جلا کر لوٹ کر زمین کے برابر
(سیر صـ۴۷۵ ج ۲) | کرتے چلے گئے۔

حتیٰ کہ خود دہلی کو اس وقت جس وقت شاہ صاحب کی عمر چونتیس سال کی تھی۔ اور کالکہ کے میلہ کا تماشہ دیکھنے کے لئے ہندو مسلمان شہر سے باہر ہوگئے تھے۔ مرہٹوں نے

دلی پر مرہٹوں کی تاخت اور دوسری اسلامی بستیوں کی بربادی

ازدحام عظیم نمودہ | ہلہ کر کے ایک
بخاطر جمع غارت نمودہ | بڑی بھیڑ کے ساتھ
مال وافر اندوخت | باطمینان تمام دلی
شب نزدیک مزار خواجہ قطب الدین | کو لوٹا اور بہت دولت جمع کی رات جب
ماندہ صبح روز چہار شنبہ یوم العرفہ مینا بازار | قریب ہوئی تو حضرت خواجہ قطب الدین کاکی
و دوکا نہائے آبادی آں جا را سوختہ | کے مزار کے پاس شب گزار کر صبح بدھ کے
غارت نمودہ۔ | دن جو عرفہ کا دن تھا مینا بازار اور آبادی
(صفحہ ۴۷۶) | کی دکانوں کو آگ لگا کر بھسم کیا اور
| سب کو لوٹ کھسوٹ لیا۔

اور یہاں سے پلٹنے کے بعد مسلمانوں کی مشہور بستیاں

قصبہ ریواڑی و پاٹودی رفتہ ہر دو | قصبہ ریواڑی پاٹودی گئے اور دونوں
قصبہ را چناں کہ خواست غارت. | قصبوں کو جیسا اُن کے جی میں آیا لوٹا اغارت
نمودہ از بیخ و بن برافگند | کیا اور ان آبادیوں کی بیخ و بنیاد اکھاڑ دی

Marfat.com

عید قربان کے دن مسلمانوں کی قربانیاں

گو یا ٹھیک عید الاضحٰی کے دن مسلمانوں کی قربانیاں کر کے یہ اپنے حرص و آز کے دیوتاؤں کو خوش کر رہے تھے سوچنے والے سوچ سکتے ہیں کہ اس ماحول میں اوروں کا جو حال ہو گا وہ تو بجائے خود لیکن جس سینہ میں "اطیب النغم" کا سوز بھرا ہوا تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مرحومہ کے اس حال کو دیکھ دیکھ کر، سن سن کر اس پر کیا گزرتی ہو گی ؛

حضرت شاہ صاحب کا ایک تاریخی خواب

کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس مشہور خواب میں جس کا تذکرہ "فیوض الحرمین" میں آپ نے فرمایا ہے ان احساسات کو دخل نہ تھا۔ درحقیقت اسی سلسلہ میں آپ کی آرزوؤں اور ہمت و دعا کی توجہات ہی نے عالم مثال میں یہ شکل اختیار کی تھی۔

فیوض الحرمین کے پڑھنے والے تو اس خواب سے واقف ہیں لیکن نہ پڑھنے والوں اور نہ جاننے والوں کے لئے میں بجنسہٖ اصل عبارت کے ساتھ درج کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔

رائتنی فی المنام قائم	میں نے خواب میں اپنے کو دیکھا کہ
الزمان اعنی بذٰلک ان	میں قائم الزمان ہوں جس کا مطلب
اللّٰہ اذا اراد شیئًا من	یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب بھلائی اور
نظام الخیر جعلنی کالجارحۃ	خیر کے کسی نظام کو قائم فرمانا چاہتا ہے
لاتمام مرادہ ورأیتُ ان	تو اس وقت مجھے اس مقصد کی

Marfat.com

ملك الكفار قد استولى
على بلاد المسلمين ونهب
اموالهم وسبا ذراريهم و
اظهر في بلدة اجمير شعائر
الكفر وابطل شعائر الاسلام
(العياذ بالله) فغضب الله
تعالى على اهل الارض غضباً
شديداً ورأيت صورة هذا
الغضب متمثلة في الملاء
الاعلى ثم ترشح الغضب
اليّ فرأيتني غضبانا من
جهة نفث من تلك
الحضرة في نفسي لا من
جهة ما يرجع الى هذا
العالم و انا ساحينئذٍ في
جمع غفير من الناس منهم
الروم منهم الازبكه و
منهم العرب بعضهم ركبان
الابل وبعضهم فرسان و

تکمیل کے لئے گویا ایک آلہ اور
واسطہ بناتے ہیں اور میں نے دیکھا
کہ کفار کا راجہ (یا بادشاہ) مسلمانوں
کے بلاد پر مسلط ہو گیا۔ اور ان کے اموال
کو اس نے لوٹ لیا ان کی عورتوں اور
بچوں کو گرفتار کر لیا اور اجمیر شہر میں
اس نے کفر کے شعائر کا اعلان کر دیا۔
شعائر اسلام کو اس نے مٹا دیا (خدا کی پناہ)
پھر اس کے بعد یہ دیکھا کہ زمین کے باشندوں
پر حق تعالیٰ غضبناک ہوتے اور سخت
غضبناک اور میں نے حق تعالیٰ کے غصہ
کی صورت کو ملاء اعلیٰ میں متمثل ہوتے ہوئے
دیکھا پھر وہاں سے ٹپک ٹپک کر وہی الٰہی
غیظ میرے اندر اترا پھر میں نے اپنے کو
غضبناک پایا۔ اور یہ غضب جو مجھ میں بھر
گیا تھا حضرت الٰہیہ کی طرف سے مجھ میں دم
کیا گیا تھا اس کا منشاء کوئی ایسی چیز نہ تھی
جس کا تعلق اس عالم سے ہو اور میں نے
اس وقت اپنے کو ایک بڑے مجمع میں پایا

بعضهم مشاة على اقدامهم و
اقرب ما رائت شبيهًا بهولاء
الحجاج يوم عرفة و
رائتهم غضابًا لغضبي
وسالوني ماذا حكم الله
في هذه الساعة قلت
فك كل نظام قالوا الى
متى قلت الى ان تزولي
قد سكت غضبي فجعلوا
يتقاتلون بينهم و
يضربون اليهم فقتل
منهم كثير وانكسرت
رؤس ابلهم وشفا
هها ثم الى تقتل مت
الى البلدة اخربها و
اقتل اهلها فتبعوني في
ذلك ولكن الله خربنا
بلدة بعد بلدة حتى وصلنا
الاجمير وقتلنا هنالك

جن میں روم والے بھی اور ازبکی
(ترک) بھی اور عرب بھی اور بعض ان میں
اونٹوں کے سوار تھے اور بعض اسپ سوار
اور بعض پیدل، قریب قریب اس گروہ
کی حالت ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے عرفہ کے
دن حجاج کی ہوتی ہے۔ پھر میں نے ان
لوگوں کو بھی اپنے غضبناک ہونے کی وجہ سے
غصہ میں بھرا پایا۔ ان لوگوں نے مجھ سے
پوچھا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کا کیا حکم
ہے میں نے کہا کہ "ہر نظام اور آئین کو توڑ دینا"
یہی حکم ہے۔

انھوں نے دریافت کیا یہ حال کب
تک رہے گا؟ میں نے کہا کہ اس وقت
تک جب تک تم میرے غصہ کو ٹھنڈا ہوتا نہ
پاؤ۔ پھر وہ باہم آپس میں لڑنے لگے اور جانوروں
کو مارنے لگے پھر ان میں سے بہت سے
مارے گئے ان کے اونٹوں کے سر ٹوٹے
اور لب چور ہوئے پھر میں ایک شہر کی طرف
اسے برباد کرتے ہوئے اور اس کے

Marfat.com

الكفار واستخلصنا ها
منهم وَ سبينا ملك
الكفار ثم رائيت ملك
الكفار يماشي مع ملك
الاسلام في نفر من
المسلمين - نا مر ملك
الاسلام في اثنا ذلك
بذ بحه فبطش به القوم
وصرعوه و ذبحوه
بسكين فلما رائيت
الدم يخرج من اوداجه
متد فقا فقلت الان
نزلت الرحمة ورائيت
الرحمة وَ السكينة
شملت من باشر
القتال من المسلمين
وصاروا مرحومين
فقام الي رجل وسالني
عن المسلمين اقتتلو فيما

باشندوں کو قتل کرتے ہوئے آگے
بڑھا۔ لوگ میرا ساتھ دے رہے
تھے۔ یوں ہی ایک شہر کے بعد
دوسرے شہر کو تباہ و برباد کرتے
ہوئے ہم بالآخر اجمیر پہنچ گئے۔
اور وہاں ہم نے کفار کو قتل کیا۔
پھر میں نے کفار کے بادشاہ کو دیکھا
کہ وہ اسلام کے بادشاہ کے ساتھ
مسلمانوں کے ایک گروہ میں ساتھ
ساتھ چل رہا ہے اتنے میں اسلام کے
بادشاہ نے کفار کے بادشاہ کے متعلق
حکم دیا کہ اسے ذبح کر دیا جائے لوگوں نے
اسے پکڑ کر دے پٹکا اور چھری سے اسے
ذبح کر دیا۔ میں نے جب دیکھا کہ
اس کی گردن کی شہ رگوں میں سے
خون اچھل اچھل کر نکل رہا ہے تب
میں نے کہا اب رحمت نازل ہوگئی اور
میں نے دیکھا کہ یہ جو مسلمانوں میں لوگ
جنگ میں شریک تھے ان کو اس رحمت و سکینت نے

Marfat.com

بلیھم فتوقفت عن الجواب ولم اصرح
ص ۹۰ - ۸۹

احاطہ کر لیا اور ان پر رحم کیا گیا پھر ان میں سے ایک آدمی اٹھ کر میرے پاس آیا اور ان مسلمانوں کے متعلق پوچھا جو باہم لڑتے تھے میں جواب میں خاموش ہو گیا اور کوئی تصریح میں نے نہ کی۔

شاہ صاحب عام طور پر اپنے خوابوں کے آخر میں تاریخ درج نہیں کرتے۔ لیکن اس خواب کی تاریخ لکھی ہے اسی طرح ایک اور خواب جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔ اس میں انھوں نے یہی کیا۔ بہر حال اس خواب کی تاریخ انھوں نے یہ درج کی ہے:۔

رأیت ذلک فی لیلۃ الجمعۃ الحادیۃ والعشرین من ذی القعدۃ سنۃ ۱۱۴۴ھ

میں نے یہ خواب شب جمعہ ۲۱ ذی قعدہ ۱۱۴۴ھ کو دیکھا۔

شاہ صاحب کے اس خواب کی تعبیر پانی پت کی مشہور تاریخی جنگ

ٹھیک اس تاریخ سے ۲۹ سال بعد یعنی ۱۱۷۳ھ میں اپنی وفات سے تین سال پہلے اسی شخص نے جس نے گزشتہ بالا واقعات کو خواب میں دیکھا تھا اپنے سر کی آنکھوں سے وہی شخص ایک اور واقعہ دیکھتا ہے۔ جس میں کجائے اجمیر کے اگر دلی کا لفظ شامل کر دیا جائے تو تقریباً جو کچھ خواب میں دیکھا گیا تھا بیداری میں "کفلق الصبح" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پھر اسی کا معائنہ کرایا گیا اس سے

Marfat.com

میرا اشارہ پانی پت کے مشہور فیصلہ کن معرکہ کی طرف ہے جو تاریخوں میں "مرہٹہ اور ابدالی کی جنگ" سے موسوم ہے چونکہ "ہندوستانی تاریخ" کی ہر چھوٹی بڑی کتاب میں یہ واقعہ یا اس کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور مذکور ہے اس لئے تفصیل کی تو یہاں گنجائش نہیں۔ لیکن سیر المتاخرین جو تقریباً تمام پچھلی تاریخوں کا ماخذ ہے اسی سے بعض جستہ جستہ فقرے یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔

خواب اور بیداری کے واقعات کا انطباق

میں نے جو یہ کہا کہ بجائے "اجمیر" کے دلی فرض کی جائے یہ بھی محض فرض نہیں ہے۔ بلکہ ہندوستان کے "خالص اسلامی مرکز" کو کفر کے احاطہ میں چونکہ دکھانا مقصود تھا اور دلی کو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ کوئی خاص خصوصیت نہیں ہے۔ جس طرح اسلامی بادشاہوں نے اسے دارالسلطنت بنایا تھا۔ ہندوؤں کا اندر پرست بلکہ "ہستناپور" دلی ہی کے کھنڈروں میں موجود ہے اور آج "رائے پیتھا" بھی دلی ہی کے اطراف میں موجود ہے علاوہ اس کے "دلی" زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کا مرکز تھی۔ لیکن ہندوستان میں مسلمانوں ہی کا نہیں بلکہ اسلام کا سب سے پہلا مرکز تو وہی ہے۔ جہاں سے ولی الہند (یا بقول عوام ہندالولی) حضرت خواجۂ بزرگ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

کرد از "اجمیر" کارِ انبیاء

بے کتاب و بے پریس و مدرسہ

اور یہ تو ان کے لئے کہہ رہا ہوں جو نہیں دیکھتے ہیں، پر جو اس محسوس نظام کو کسی غیر محسوس نظام کے ساتھ وابستہ پا رہے ہیں، وہ جانتے ہیں

Marfat.com

کہ "اجمیر" کا تعلق ہندوستان کے محیط سے کیا ہے۔ خیر کسی وجہ سے بھی سہی۔ آپ اجمیر کی جگہ دلی پڑھ لیجئے۔ اور اس کے بعد مورخین نے ابدالی اور مرہٹوں کی اس فیصلہ کن جنگ کا جو حال لکھا ہے اسے پڑھئے پھر اندازہ کیجئے کہ ۱۱۴۴ھ میں جو کچھ خواب میں دیکھا گیا تھا کیا اسی کا ۱۱۷۳ھ میں مشاہدہ نہیں کرایا گیا شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ پہلے میں نے دیکھا کہ ملک الکفار مسلمانوں کے بلاد پر مسلط ہو گیا اور ان کے اموال کو اس نے لوٹ لیا اور ان کی اولاد کو قید کر لیا۔ طبا طبائی لکھتے ہیں:۔

لال قلعہ پر مرہٹوں کا قبضہ

نوذالحجہ سال مذکور ۱۱۷۳ھ قلعہ لال قلعہ بدست بہاؤ افتادہ حرم سرائے شاہی وجمیع کارخانجات سلطنت باختیار مرہٹہ رفت

نویں ذی حجہ ۱۱۷۳ھ میں لال قلعہ بہاؤ (سپہ سالار مرہٹہ) کے قبضہ میں چلا گیا اور شاہی حرم سرا کے ساتھ سلطنت کے تمام کارخانے مرہٹوں کے تصرف میں آ گئے۔ یہ عزیز علیم کا نوشتہ تھا۔

ذالک تقدیر العزیز العلیم ص۹۱۲ ج۲

آگے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اجمیر شہر پر اس کا قبضہ ہو گیا اور کفر کے شعائر کا اس نے اعلان کیا اسلامی شعائر کو ختم کر دیا۔ طبا طبائی کے یہ الفاظ ہیں:۔

لہ ممکن ہے علمائے ظاہر یا "متحزبین لقطعۃ امرا ہم بینہم زبرا" پر میری گفتگو گراں گزرے وہ باوجود حنفی صابری ہونے کا دعویٰ رکھنے کے اس بلدۂ پاک سے وہ تعلق رکھنا نہیں رکھنا نہیں چاہتے یا نہیں رکھتے جو حضرت شاہ صاحب کو اپنے اس جواب میں "اسلامی مرکز" کے رنگ میں دکھایا گیا ہے۔ مگر میں کیا کروں جو پاتا ہوں اس کا اظہار کرتا ہوں اپنے ان محسنوں کو کیسے بھول جاؤں جن کے صدقہ میں ایمان و اسلام کا حصہ ملا ہے۔ رضی اللہ عنہم و رضوعنہ۔

Marfat.com

بہاؤ قلعہ داری شاہ جہان آباد بنارو شنکر برہمن تفویض کرد۔ وجمعے رابہ حراست قلعہ ہمراہ اوکرد۔

بہاؤ (سپہ سالار مرہٹہ) نے شاہجہان آباد (دہلی) کی قلعہ داری نارو شنکر برہمن کے سپرد کرکے ایک فوجی دستہ کو قلعہ کی حفاظت کے لئے اس کے ساتھ چھوڑ دیا۔

اس سلسلہ میں "بہاؤ" جب یہ چال چلا کہ اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کے لئے اودھ کے شجاع الدولہ کو اپنے ساتھ ملانا مزور ہے اور مولوی غلام علی آزاد بلگرامی کے ایک شاگرد برہمن کو اس مہم پر شجاع الدولہ کے پاس بھیجا تو اس وقت شجاع الدولہ نے جو جواب دیا۔ وہ مرہٹوں کی بھی اور شاہ صاحب کے خواب کی ... بھی کامل شرح ہے شجاع الدولہ نے جواباً کہا:۔

ازمدتے براہمہ دکھن برہندوستان مسلط شدہ اند۔ رواداد آبرو درفاہ و آسائش احدے از خلق خدا نستند۔

ایک زمانہ سے دکن کے برہمن ہندوستان پر مسلط ہو گئے ہیں اور یہ لوگ خلق اللہ میں سے کسی کے آرام و آسائش اور فارغ البالی کے روادار نہیں ہیں۔

اور آخر میں ان "براہمہ دکن" کی اس عجیب خصوصیت کا اظہار کیا ہے:۔

ہمہ را برائے خود واقوام خود می خواہند۔ مردم از دست ایشاں بجاں آمدہ۔

سب کو اپنے لئے اور اپنی قوم کے لئے محکوم بنانا چاہتے ہیں۔ لوگ ان کے ہاتھوں جاں بلب ہیں۔

خیر یہ تو جملۂ معترضہ تھا۔ مجھے تو شاہ صاحب کے خواب سے غرض ہے یعنی مسلمانوں پر ملک الکفار کے غلبہ کو جس شان سے انھوں نے دیکھا تھا آ

Marfat.com

دیکھ رہے ہیں کہ من وعن وہی صورت پیش آرہی ہے "لال قلعہ" پر جس وقت مرہٹوں کا قبضہ ہوا ہے تو "نہب اموال" (لوٹ مار) میں کس حد تک وہ پہنچے تھے اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ:۔

تنگ ظرف مرہٹوں کی لوٹ مار کی ذلیل نوعیت

دنائت وتنگ چشمی بہاؤ بمرتبۂ بود کہ سقف دیوان خاص پادشاہی راکہ از نقرہ مینا کار بود کندہ مسکوک ساخت وطلا آلات ونقرہ آلات مزار اقدام نبوی ومقبرہ نظام الدین معروف بہ اولیاً مرقد محمد شاہ مثلِ عود وسوز وشمعدان وقنادیل وغیرہ طلبیدہ مسکوک نمود۔

سیر المتاخرین صـ۱۹۱ ج ۲

بہاؤ کی پست نظری اور تنگ چشمی اس حد کو پہنچی ہوئی تھی کہ دیوان خاص کی چھت جس کی مینا کاری چاندی سے کی گئی تھی۔ اس کی سب چاندی کو کھرچ کر اس نے سکہ بنالیا۔ اور طلائی آلات چاندی کے ظروف جو قدم رسول کی زیارت گاہ اور حضرت نظام الدین کے مقبرہ اور محمد شاہ کے مرقد میں تھے مثلاً عود سوز شمعدان، قندیل وغیرہ کو اس نے سکہ بنالیا۔

مرہٹوں کی اس تنگ نظری کا ذکر آزاد بلگرامی نے ان الفاظ میں فرمایا ہے:۔

رسوم حق داران دہات مثل مقدم وپٹواری ونجار وگازر وحجام وحداد وغیرہم راضبط نمودہ

دیہات کے رسوم کے پرانے حق دار مثلاً مقدم پٹواری بڑھئی دھوبی حجام لوہار سب کے حقوق کو ضبط کرلیا تھا۔

اور صرف "ضبط" نہیں کیا گیا بلکہ ان سب کو بھی ٹھیکہ پر لگا دیا گیا۔

Marfat.com

بہ مستاجران دادو مبالغ خطیرے	ٹھیکیداروں کو یہ حقوق دیدیئے گئے
ازیں وجہ داخل خزانہ حرص او شد	تھے) اور بڑی بڑی رقمیں اس راہ سے اس کے
	حرص کے خزانہ میں داخل ہوتی تھیں۔

حالانکہ ہر دیہات کے یہ رسوم تقریبًا ہزار ہا سال سے چلے آتے تھے۔ اور اب بھی ہندوستان کے مختلف علاقوں میں ان موروثی حقوق پر کسی نے دست اندازی نہیں کی ہے۔ نقطہٗ نظر کے اس اختلاف کا کیا علاج ہے کہ طبا طبائی صاحب تو اسے "دنائت وتنگ چشمی" پر محمول کرتے ہیں لیکن حسن ظن سے کام لینے والے اسی کو "معاشی مہارت" اور اقتصادی بلند نظری سے تعبیر کریں گے میر غلام علی صاحب نے اسی "ملک الکفار" کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

بالاجی راؤ باآں اقتدار کہ سلطنت	بالاجی راؤ اس اقتدار کے باوجود کہ
ہند ودکن بدست آوردہ بود۔ نان	دکن اور ہندوستان کی سلطنت پر
باجرہ می خورد نان گندم خوش نداشت	اس کا قبضہ ہوگیا تھا۔ باجرے کی روٹی
بادنجان خام وانبہ خام وکرسنہ خام	کھاتا تھا اور گیہوں کی روٹی اسے اچھی
برغبت تمام خوردہ۔	نہیں معلوم ہوتی تھی کچے بینگن، کچے
	آم کرسنہ[1] خام ان سب چیزوں کو بڑی
	رغبت سے کھاتا تھا۔

ان عجیب وغریب خوراکوں اور عجیب وغریب باتوں کا ظہور جب اس زمانہ میں ہوا تو کتنوں نے اسے نفس کشی کی مثال قرار دیا۔ لیکن واقع میں یہ

---

[1] کرسنہ کو بہار میں کھساری کہتے ہیں مثلث شکل، خاکی رنگ کا اناج ہے۔ ۱۲

Marfat.com

نفس کشی ہے یا نفس پرستی؟ میر غلام علی کو تو ان حرکات کے پیچھے جو "چیز" نظر آتی تھی وہ ان ہی کی زبانی سنئے۔ ممکن ہے آپ کو یا مجھے اس سے اتفاق نہ ہو لیکن بطور نقل اس کے ذکر میں کیا حرج ہے۔ فرماتے ہیں:-

چوں اصل پیشہ براہمہ گدائی ست و در کیش ہندوان مقرر شدہ کہ صدقات را بہ براہمہ باید داد طباع آں قوم نسلاً بعد نسلٍ بدر یوزہ گری معتاد شدہ است و طماعی و ابن الغرضی لازم ماہیت برہمنی گردیدہ بنابریں با وجود حصول مرتبہ سلطنت و امارت شیوہ گدائی از طینت آں ہا بدر نمی رود۔

چونکہ برہمنوں کا اصل پیشہ دریوزہ گری ہے۔ ان کے دھرم کی مانی ہوئی بات ہے کہ ہر قسم کے دان پُن برہمنوں کو ہی دیئے جائیں اس کی وجہ سے نسلاً بعد نسلٍ اس قوم کی سرشت میں ابن الغرضی بطور لازم ماہیت کے شریک ہو گئی ہے۔ اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ سلطنت اور حکومت کے درجہ تک پہنچنے کے بعد بھی ان کی فطرت سے شیوہ گدائی الگ نہ ہو سکا۔

خود اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں کہ:-

ہر محتاجے کہ بحکام و متصدیاں براہمہ مذکور رجوع کند نظر آنہا ہمیں کہ برائے ما چہ آوردہ دہر چہ بر سر دہد یا بند کشیدہ گرفتہ بر آمد کار او حوالہ بعالم می کنند۔

کسی قوم کا کوئی حاجتمند جب ان مذکورہ بالا برہمنوں کے حکام اور کارندوں کی طرف رجوع کرتا ہے تو ان حکام اور کارندوں کی نظر اسی پر ہوتی ہے کہ ہمارے لئے وہ کیا لایا ہے۔

Marfat.com

جو کچھ اس بچارے کے پاس ہوتا ہے اُسے بھی گھسیٹ لیتے ہیں
اس کے کام کو دنیا کے حوالہ کرتے ہیں۔

آخر میں دلاسا دیتے ہوئے ایک شعر بھی درج فرماتے ہیں ؎

بدست خلق عالم کاسۂ دریوزہ می بینم
گدا چوں پادشاہ گردد گدا سازد جہاں را

(یعنی میں دنیا کو مخلوق کے ہاتھ میں بھیک کا پیالہ ہی دیکھتا ہوں، گدا جب بادشاہ ہو جاتے تو سارے جہاں کو گدا بنا کر رہتا ہے)

خدا جانے میر صاحب طب کے ماہر تھے یا نہیں۔ لیکن اس کے بعد انھوں نے جو لطیفہ درج کیا ہے ممکن ہے کہ اطبا اس کی تصدیق کریں، فرماتے ہیں ان عادات واطوار کی ایک دوسری توجیہہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ:۔

مدار بغذائے آنہا خواہ غنی باشد یا فقیر بر دال تور است و با این دال غلے از روغن کہ آں را در ہندی بگھار گویند نمی کنند و از خارج نیز روغن بکار نمی برند کہ یبوستش را اصلاح نماید و احیاناً اگر کسے بخورد اقل قلیل مرتبہ ایست کہ گویا نخورد و مرچ[1] سرخ و حلتیت و زرد چوبہ ہم

ان کی خوراک کا دار و مدار خواہ امیر ہو یا فقیر صرف تورا (ارہر) کی دال پر ہے اس دال کے ساتھ روغن ڈال کر جو تڑکا کی جاتی ہے جسے ہندوستان میں بگھار کہتے ہیں یہ لوگ اس عمل کو دال کے ساتھ نہیں کرتے علاوہ اس کے باہر سے بھی روغن اس میں شریک نہیں

---

[1] اس مرچ سرخ کے متعلق میر صاحب نے ایک اور عجیب خبر سنائی ہے فرماتے ہیں "در دیں و بست سال کہ قدم آنہا بسرزمین ہندوستان رسیدہ برنجے مردم ہندوستان ہم استعمال زیاتی می کنیم

رماکولات شان بسیار استعمال می
شود مرچ سوائے آنچہ در پختن داخل
نمودہ اند ہنگام خوردن باطعام نیز
افراط می خورند لہذا طفلہ ایہا پشت
رپشت از ماکولات مذکور منکون می
شود۔
خزانہ عامرہ میر غلام علی آزاد
ص ۴۸

کرتے تاکہ اس کی خشکی کی کچھ اصلاح
ہو کبھی اگر کوئی روغن ڈالتا بھی ہے تو
اس کی مقدار اتنی قلیل ہوتی ہے گویا کہ
اس نے روغن کا استعمال نہیں کیا۔ اسی
طرح لال مرچ اور ہینگ ہلدی بھی ان
کے کھانوں میں بہت مستعمل رہے۔
لال مرچ کو پکاتے وقت تو کھانے میں
شریک کرتے ہی ہیں۔

اس کے سوا جب کھانا کھانے لگتے ہیں۔ اس وقت بھی بکثرت لال مرچ کو چباتے ہیں۔ اسی لئے ان کی نسل پشتہا پشت سے اس قسم کی خوراکوں تیار ہوتی چلی آرہی ہے۔

خیر یہ تو اس قوم کی چند خصوصیات کا ایک ضمنی ذکر ہے چونکہ اس زمانہ میں اسی کی تعبیر سادگی اور کفایت شعاری کی زندگی سے کی جاتی ہے اور جو قومیں نسلہا نسل سے نہ اُن خوراکوں کی عادی ہیں نہ اس طرز زندگی کی۔ ان سے جب اسی قسم کے لباس، اسی قسم کے کھانوں کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو وہ گھبراتی ہیں۔ کچھ دن ساتھ دیتی ہیں اور پھر پیچھے ہٹ جاتی ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ اس کے

(بقیہ ص ۷۶) مرچ سرخ آموختند پیشتر رواج ایں مرچ در بیت المال ہندوستان نہ بود۔ (خزانہ عامرہ ص ۴۸) واللہ اعلم بالصواب کیا کہا جائے جس طرح چائے ایک حکومت کے زیر اثر ہندوستان کے ہر گھر میں پہنچی ہے۔ یہی حال اس مرچ سرخ کا بھی ہے۔

Marfat.com

اسباب کی طرف بھی موقع سے اشارہ کرتا چلوں ورنہ اصل گفتگو تو شاہ صاحب خواب کے متعلق ہو رہی تھی۔ یعنی خواب میں جس شان سے یہ دیکھا گیا تھا کہ اُن ہی خصوصیات کے ساتھ ملک الکفار مسلمانان ہند پر مستولی ہو گیا اور ان کے مرکزی مقام پر قبضہ کر لیا تھا۔

شاہ صاحب کے خواب کا دوسرا جز و اور ہندوستان پر غازی احمد شاہ ابدالی کا حملہ اور مرہٹہ طاقت کی شکست

خواب کے دوسرے اجزاء کے متعلق بظاہر تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اچانک احمد شاہ ابدالی غازی کا ہندوستان پر جو حملہ ہوا اور مرہٹہ تحریک پانی پت کے میدان میں ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی، کہا جاتا ہے اور مورخین لکھتے ہیں کہ اس حملہ پر احمد شاہ کو خود ہندوستان کے امیروں اور نوابوں نے عرض داشت بھیج کر آمادہ کیا تھا۔ جیسا کہ طباطبائی کا بیان ہے:۔

نجیب الدولہ و راجہ ہائے ہندوستان از دست مرہٹہ و عماد الملک بجاں آمدہ زوال دولت و ملک خود از دست برد مرہٹہ برائے العین مشاہدہ نمود عرائض استدعا بخدمت احمد شاہ ابدالی نگاشتہ خواہاں ورود او را درہند شدند۔

نجیب الدولہ اور ہندوستان کے مختلف راجا رجواڑے، مرہٹوں اور عماد الملک کے ہاتھوں جاں بلب ہو کر دیکھنے لگے ان کی حکومت ان کے ہاتھوں سے نکل کر مرہٹوں کے قبضہ میں جا رہی ہے اپنی آنکھوں سے یہ تماشا ان کو نظر آیا تب انھوں نے احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں عرائض لکھ کر بھیجے اور ان

بات کے خواہش مند ہوئے کہ شاہ ابدالی خود ہندوستان پہنچیں۔

مرہٹوں نے جب شجاع الدولہ کو ابدالی کی رفاقت سے روکنے کے لئے اپنے سفراء بھیجے تو اس کے جواب میں بھی شجاع الدولہ نے یہی کہا تھا جس کا ذکر کچھ پہلے بھی آیا ہے یعنی :۔

مردم از دست شاں بجاں آمدہ	لوگوں کا مرہٹوں کے ہاتھوں ناک
برائے پاس ناموس و آبروئے خود	میں دم آگیا ہے اپنی عزت و آبرو
و در رفاہ عالمے شاہ ابدالی را	اور دنیا کی آسائش و امن کے لئے
بمنت از ولایت طلب داشتہ	ابدالی کو خوشامد و درآمد کرکے ولایت
و صدمات او را بہ نسبت ایذائے	سے بلایا گیا ہے اور ابدالی سے جو نقصانات
مرہٹہ سہل انگاشتہ	پہنچیں گے انھیں مرہٹوں کی مصیبت
	سے آسان خیال کرکے ایسا کیا گیا۔

لیکن یہ تو باہر والے دیکھ رہے تھے، پر "بارگاہ الست کے دُور بینوں" کو انتیس [۲۹] سال پہلے ہی دکھایا گیا تھا کہ یہ

لبالمرصاد" کا "سوط	جب لوگ زمین پر بگاڑ اور فساد
عذاب" تھا جو ہمیشہ فی اکثروا	کو (بھلائی اور خیر سے) آگے بڑھا
فیھا الفساد	دیتے ہیں۔

کے موقعہ پر قدرتی قانون کے ماتحت ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ لوگوں نے "الغازی الابدالی" کو "خدا کا ہاتھ" خیال کیا۔ لیکن اس عالم محسوس کے پیچھے بھی جو نظام ہے۔ وہاں کسی اور نے اپنے آپ کو

Marfat.com

جعلنی کالجارحۃ — مجھے خدا نے بمنزلہ ایک آلہ اور عضو کے قرار دیا۔

کی شکل میں پایا۔ باہر والوں نے نجیب الدولہ، شجاع الدولہ، دوندے خاں رحمت خاں اور آخر میں ان سب کے ساتھ "ابدالی" کے قلوب کو غصے سے معمور پایا۔ لیکن اندر والے نے اس کو باہر سے نہیں بلکہ اس غضب کی آگ کو "اندر" سے بلکہ "باطن الباطن" سے بھڑکتے ہوئے ملاءِ اعلیٰ تک اور ملاءِ اعلیٰ سے خود اپنے اندر پہنچتی ہوئی محسوس کیا۔ جیسا کہ فرماتے ہیں:۔

فغضب اللہ علی اھل الارض غضبا شدیدا ورایت صورۃ ھذا الغضب متمثلۃ فی الملاء الاعلی ثم ترشح الغضب الی فرمتنی غضبانا۔

پھر اللہ تعالیٰ زمین والوں پر سخت غصے کے ساتھ غضبناک ہوا۔ اور میں نے اسی غصہ کو ملاءِ اعلیٰ میں متمثل ہوتے ہوئے پایا۔ وہاں سے ٹپک ٹپک کر وہی غصہ مجھ میں اُترا پھر میں نے اپنے آپ کو بھی غضب ناک پایا۔

اور یہی آگ تھی جو غیب سے چل کر بالآخر پانی پت کے میدان میں بھڑکی اور جن پر خدا کا غضب تھا وہ اس میں بھسم ہوئے۔ باہر والوں نے "پانی پت کی آخری جنگ کا" مرد میدان احمد شاہ ابدالی رحمۃ اللہ علیہ کو قرار دیا۔ لیکن آج سننے والے سن رہے ہیں کہ اس سلسلہ میں اپنے کو "قائم الزمان" کسی اور کو دکھایا گیا تھا۔

Marfat.com

شاہ صاحب نے اس خواب میں یہ بھی دیکھا تھا کہ خود اس معرکہ میں مسلمانوں نے بھی مسلمانوں کو قتل کیا تھا۔ اور ان مسلمانوں کے متعلق ان سے پوچھا بھی گیا جس کا انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کون نہیں جانتا کہ مرہٹوں کی اس جنگ میں مسلمانوں کی بھی ایک جماعت بطور نوکروں کے مرہٹوں کے ساتھ تھی ان میں حضرمی عرب بھی تھے اور ہندوستان کے مسلمان بھی، خصوصاً توپ خانہ کا سردار تو آج تک ابراہیم گاردی کے نام سے مشہور ہے۔ جو " با دوازدہ ہزار بندوق چقماقی و توپہا بنا لبطہ فرنگ" مرہٹوں کے ساتھ تھا اور اسی نے ایک مدت تک توپوں کی زنجیر بندی کر کے مرہٹوں کو سانس لینے کا موقع دیا اور تعجب ہی کیا اور کیوں ہو۔ کیا آج بھی مختلف رنگوں میں یہی تاریخ نہیں دہرائی جا رہی؟

شاہ صاحب نے یہ بھی دیکھا تھا کہ پوچھنے والوں نے پوچھا کہ " خدا کا حکم اس وقت کیا ہے؟ تو آپ نے فکّ[1] کل نظام (اس وقت ہر قسم کے نظم کو ختم کر دینا چاہیے) فرمایا تھا۔ ظاہر ہے کہ جس وقت پانی پت کی جنگ ہوئی۔ ہندوستان کے تقریباً بڑے بڑے نواب اور امیر اپنی اپنی حکومتوں کو چھوڑ کر آخری فیصلہ کے لیے میدان میں اتر آئے تھے۔ حتیٰ کہ دلی میں بھی کوئی نظام

---

[1] ہمارے ایک اشتراکی مزاج دوست نے جو اسلامی نظام کو بھی ایک قسم کا اشتراکی نما نظام یا اقرب الی الاشتراکیت سمجھتے ہیں۔ نہ معلوم کہاں سے نقل فرمایا ہے کہ شاہ صاحب سے عالم رویا یا مکاشفہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا یعنی انقلاب کا حکم دیا غالباً اس کو ارشاد نبوی ٹھہرانے میں ان سے سہو ہوا ہے۔ ۱۲ منہ

Marfat.com

حکومت باقی نہ تھا اور جب تک "غضب الٰہی" کا ظہور رہا اس وقت تک کوئی نظام قائم نہ ہو سکا۔ شاہ صاحب نے یہ بھی دیکھا کہ ملک الکفار پکڑا گیا اور ذبح ہوا۔ طباطبائی واقعات کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب کشتوں کے پشتے لگنے لگے۔

تو سرداران اوّل بسواس راؤ پسر بالاجی راؤ کہ شہزادہ آنہا بود در عین شباب بزخم تفنگ آہنگ صحرائے عدم نمود۔	تو اعلیٰ درجہ کے مرہٹہ سردار بالاجی پیشوا کا بیٹا بسواس راؤ جو مرہٹوں کا شہزادہ تھا عین جوانی کے دنوں میں بندوق کے فیر سے عدم کے صحرا کی طرف روانہ ہو گیا۔

ہاشمی صاحب اپنی تاریخ ہند میں ناقل ہیں کہ بھاؤ نے دلی پہنچ کر چاہا تھا کہ اپنے بھتیجے (یعنی اسی بسواس راؤ پسر بالاجی) کو تخت پر بٹھا کر یہ اعلان کر دے کہ "اب ممالک ہند کی شہنشاہی مرہٹہ برہمنوں کی ملکیت ہے"۔ لیکن پھر جنگ کے فیصلہ تک اعلان کے خیال کو ملتوی کر دیا۔

بہرحال تخت شاہی پر بٹھائے جانے والے بسواس راؤ بھی اور بٹھانے والا بھاؤ بھی اسی جنگ میں ختم ہوئے۔ طباطبائی ان دونوں کے ذکر کے بعد ایک طویل فہرست درج کرتے ہیں۔ آخر میں لکھتے ہیں:۔

واز سرداران نامور غنیم، اعدے جاں بسلامت نہ برد مگر دو سہ کس	دشمن کے نامور سرداروں میں کوئی اپنی جان بچا کر نہ بھاگ سکا مگر صرف دو تین آدمی

خواب میں "ملوکانہ اقتدار" کے ان مظاہر کو بلکہ "شہزادہ آنہا" جس کی بادشاہت کا گویا صرف اعلان کرنا باقی رہ گیا تھا۔ اگر اسی خواب میں

Marfat.com

رایت اللہ مریخرج من اوداجہ متر نقا

میں نے دیکھا کہ اس کی شہ رگ سے خون کے فوارے چھوٹ رہے تھے۔

کی شکل میں دیکھا گیا۔ تو مثالی اور ناسوتی تعلقات کے جاننے والے کیا تعبیر کی تکمیل میں شک کر سکتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ جب تمام مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ :۔

بعد از وقوع این شکست فاشش بالاجی ہم غصہ مرگ گشتہ پس از پنج ماہ و سیزدہ روز نوزدہم ذیقعدہ سال مذکور بہ پسر و برادر خود ملحق گشت۔

اس فاش شکست کے بعد بالاجی (یعنی پیشوا جو مرہٹوں کا حال بادشا تھا) وہ بھی موت کے غصہ کا شکار ہو گیا۔ پانچ مہینے تیرہ روز بعد انیسویں ذیقعد کو اسی سال وہ بھی اپنے لڑکے اور بھائی (بھاؤ) کے ساتھ جا کر مل گیا۔

تو پھر بغیر "تاویل" کے شاہ صاحب کا خواب "کفلق الصبح" بن جاتا ہے۔ بلکہ خواب میں ملک الکفار کا میدان جنگ میں نہ قتل ہونا اور بعد کو ملک الاسلام کے ساتھ ساتھ چلنا اس کے یہی معنی ہیں کہ ہر طرف سے گھر جانے گویا قیدیوں کے مانند ہونے کے بعد پھر بھی کچھ دن وہ "ملک الاسلام" کے ساتھ رسوائی و ذلت کی زندگی گزارے گا اور بالآخر ختم ہو جائے گا۔ یہاں ایک نقطہ قابل لحاظ یہ بھی ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے یہ خواب ذیقعدہ ہی میں دیکھا تھا اور بالاجی راؤ کا انتقال بھی ذیقعدہ ہی میں ہوا۔

درمیان میں ایک خاص چیز جس کی طرف شاہ صاحب نے اجمالاً لیکن

Marfat.com

بلیغ فقرہ میں ارشاد فرمایا ہے وہ اپنے غیظ و غضب کے متعلق آپ کا یہ جملہ ہے۔ کہ

نفث من تلك الحضرۃ فی نفسی لا من جهۃ ما یرجع الی هٰذا العالم۔

حضرت (الٰہیہ) کی طرف سے یہ غصہ مجھ میں پھونک دیا گیا۔ اور اس کا سبب اور منشا رکوئی ایسی چیز نہ تھی جس کا تعلق اس عالم سے ہو۔

یہ بڑے پتہ کی بات ہے کہ ایک حمیت و غیظ و غضب تو وہ ہوتا ہے۔ جس کی محرک (مثلاً) اپنی کوئی رسوائی و فضیحت ہوتی ہے اور یہ ایسی چیز ہے جس میں مومن و کافر سب ہی شریک ہو سکتے ہیں۔ اور ہوتے ہیں لیکن اس حمیت اور غصہ کا خدا کے یہاں کبھی اجر ہے یا اس کا شمار حمیت الجاہلیۃ میں ہے۔ بہت زیادہ محل غور و تامل ہو سکتا ہے۔ اسی کی تعبیر حضرت نے کم از کم میرے نزدیک ما یرجع الی هٰذا العالم سے فرمائی ہے۔ لیکن ایک حمیت و غیظ وہ ہے جس کی بنیاد "الحب للہ والبغض للہ" کی نہ ہلنے والی چٹان پر قائم ہے یہی حمیت و غیرت اور یہی غیظ و غضب وہ ہے جس کی پیدا کردہ دعا و ہمت اور الحاح و زاری سے غیب اور غیب الغیب تک کے دوا ترمیں جنبش پیدا ہو جاتی ہے۔ سچ پوچھئے تو حمیت کی یہی تلخی رگ جب کسی کی پھڑک اٹھتی ہے اور اس مقدس محرک سے جب کسی کے خون میں جوش آتا ہے تو ایک "بیوہ زن" کی آہ کبھی "برکند عالمے" کا تماشہ دکھاتی ہے۔ اور شب گیر نالوں کا یہی شور ہوتا ہے جو "المنتقم الجبار" کی انتقامی شانوں کو بہ سرکار لاکر ملاء اعلیٰ و اسفل میں تلاطم سا

کرکے کتنے ابدالی اور کتنے حافظ الملک، دوندے خاں اور نجیب الدولہ کی شکل عالم ناسوت میں اختیار کرتا ہے۔ حالانکہ کام کسی کنج نشین کا دل شکستہ کرتا ہے لیکن تاریخ والے ان واقعات کو ان ہی ناسوتی مظاہر اور شہادتی قوالب کی طرف منسوب کرتے ہیں، نالوں کی بے تاثیری کے شکوہ کرنے والے چاہیں تو حضرت شاہ صاحب کے اس عمیق لیکن مختصر اشارہ ہی سے اپنی ہدایت کی شمع روشن کر سکتے ہیں۔ اور جو مشکلات کی گرہوں کو دماغ کے زور سے کھولنے میں جب بے بس ہو جائیں تو دل کی قوت سے بھی وہ امداد حاصل کر سکتے ہیں بہرحال اس کے بعد شاہ صاحب نے دیکھا کہ یکے بعد دیگرے شہروں کو فتح و برباد کرتے ہوئے ہم "اجمیر" پہنچ گئے۔ تاریخوں کو اٹھا کر پڑھئے۔ ٹھیک اسی شان کے ساتھ ابدالی اور ان کے رفقار شہروں کو فتح کرتے ہوئے "اسلامی مرکز" یعنی دہلی پہنچ گئے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ملک الکفار کے خاتمہ کے بعد مسلمانوں پر رحمت وسکینت نازل ہوئی اور ان پر خدا کا رحم ہوا۔ ظاہر ہے کہ اس "فتح" کے بعد وہی لوگ جن کا مال چھینا گیا۔ اور جن کی شاہی حرم سرائیں کفار کے قبضہ میں آگئی تھیں۔ وہی غنیم کی فوج سے

دو ہزار غلام و کنیز کہ اکثرے از اولاد	دو ہزار غلام اور لونڈیاں جن میں اکثر
واحفاد سرداران و متوسطان بود کہ در	بڑے اور اوسط درجہ کے لوگوں کے
عسکریاں ابدالی تقسیم یافت وغنائے	خاندان سے تعلق رکھتی تھیں ابدالی کے
کہ در احاطہ و انحصار نگنجد از جواہر	لشکر میں تقسیم ہوئیں اور جواہر و نقد
ونقود و اجناس دیگر ولوپ خانہ،	روپیہ اور دوسری قسم کی چیزیں توپ خانے

Marfat.com

پنجاہ ہزار اسب و دو لاکھ گاؤ و چندیں ہزار شتر و پانصد فیل کوہ پیکر بدست عساکر منصورہ افتاد۔ ص ۹۱۴

وغیرہ کے ذیل کے بے شمار مال غنیمت ہیں ہاتھ آئیں پچاس ہزار گھوڑے دو لاکھ بیل اور کئی ہزار اونٹ پانچ سو ہاتھی کوہ پیکر کامیاب اور فتحمند فوج کے قبضہ میں آئے۔

شاہ ابدالی کا بے نظیر ایثار اور اُس کا راز

اس تاریخی معمہ کا حال بھی شاہ صاحب کی اس رویاۓ صادقہ میں اگر لوگ چاہیں تو تلاش کر سکتے ہیں کہ یہ سب کچھ کرنے دھرنے کے بعد شاہ غازی ابدالی انار اللہ برہانہ نے

شانزدہم شعبان سال مذکور از باغ شالا مار دہلی بقصد قندھار رکبراں ہمت زیر آں کشید و کلمہ مراجعت قندھار نمود۔

اسی سال کی سولھویں شعبان کو دلی کے شالا مار باغ سے ہمت کے گھوڑے پر سوار ہو کر قندھار کا ارادہ فرمالیا۔ اور اسی طرف پلٹ گئے۔

اور بخوشی و رضا شاہ ابدالی نے سلطنت برائے شاہ عالم و وزارت بنام شجاع الدولہ و امیر الامرائی بنام نجیب الدولہ مقرر نمود۔

سلطنت کو شاہ عالم کے نام وزارت شجاع الدولہ کے نام اور امیر الامراء نجیب الدولہ کے نام مقرر فرما کر خود قندھار چل دیئے۔

لوگ حیران ہیں کہ اتنے بڑے براعظم پر اتنی عظیم کامیابی و فتحمندی کے

Marfat.com

بعد ابدالی کا ملک کو شاہ عالم ہی کے سپرد کر کے قندھار جیسی معمولی حکومت کی طرف واپس ہو جانے کا کیا راز تھا؟ حضرت شاہ صاحب کا وہی فقرہ کہ یہ جو کچھ تھا کسی اور عالم کی بات تھی۔

لا ما یرجع الی ھذا العالم | اس کا تعلق اس دنیا کے قانون سے نہ تھا۔

اگر یہ صحیح ہے۔ اور صحیح نہ ہونے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے تو اس کے سمجھنے میں کوئی دقت باقی نہیں رہتی۔ غازی ابدالی قدس سرہ نے اپنے دین کو دنیا اور اپنے خدا کو بت بنانا نہیں چاہا۔ جن کے اندر "ان الدار الاخرۃ لھی الحیوان" "والاخرۃ خیر وابقی" کا یقین راسخ نہیں ہوا ہے اور اس کی وجہ بجز اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ان کو اعتماد کامل میسر نہیں ہوا ہے ورنہ اس کی توثیق وتکمیل کے بعد یقیناً ان کو بھی وہی نظر آ سکتا ہے جو ابدالی مؤثراً لآخرۃ علی الدنیا کو نظر آیا تھا لیکن "رضوا بالحیوۃ الدنیا واطمأنوا بھا" جن کا انتہائی مبلغ علم ہو۔ ان کے فہم سے سچ ہے کہ یہ بات بعید ہی نہیں بلکہ ناممکنات کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ محمدی معجزوں میں اگر کوئی چاہے تو اس "ایثار ابدالی" کو بھی شریک کر سکتا ہے۔

نقمت اور نعمت کے بعد بھی مسلمانوں کی غفلت اور خدا فراموشی

یہ واقعہ بھی گزر گیا۔ اس فتنہ کا شباب بھی حضرت شاہ صاحب ہی کی زندگی میں ہوا اور اس دنیا سے روانہ ہونے سے پہلے اپنے خواب کی تعبیر بھی انھوں نے دیکھ لی لیکن جن

مسلمانوں کے " مکاسب ابدی " اور " زشتی اعمال " نے مرہٹوں کی شکل اختیار کی تھی ۔ باوجود سب کچھ دیکھنے کے کیا ان میں کوئی تغیر پیدا ہوا تھا ۔ حضرت شاہ صاحب کا مکاشفہ کہ مسلمانوں اور اسلام پر " ملک الکفار " کی جانب سے جو مظالم ہو رہے تھے اسی سے

غضب اللہ تعالیٰ علی اھل الارض غضباً شدیدا۔	زمین والوں پر حق تعالیٰ سخت غصہ کے ساتھ غضب ناک ہوئے ۔

کا ظہور ہوا تھا ۔ واحسرتاہ یا ویلاہ کہ " غیب " میں جس امت کی بے ناز برداریاں ہیں آہ کہ اس کی بے نیازیوں میں سچ پوچھئے تو کوئی کمی نہیں یا بہت کم کمی واقع ہوئی تھی اور اپنی زشتی اعمال کو " صورت نادر " بھی قرار دیتے تھے وہ سکھی اور مرہٹی فتنوں کو خدا کی تنبیہہ بھی سمجھتے تھے لیکن باوجود سب کچھ سمجھنے کے کچھ نہیں سمجھتے تھے ۔ سب کچھ دیکھنے کے انھیں کچھ نہیں سوجھتا تھا فطرتیں مسخ ہو چکی تھیں، دلوں پر میل اور زنگ چھایا ہوا تھا ' دیکھتے تھے ' سنتے تھے اور نہیں سنتے تھے ۔ سننے والے بہرے اور دیکھنے والے اندھے ان میں زیادہ پیدا ہو چکے تھے ۔

شاہ ولی اللہ کی چیخ پکار اور خطرہ کا مسلسل الارم

وہ " قدسی روح " جو اس بجھتے ہوئے چراغ کو آخری دفعہ سنبھالا دینے کے لئے " غیب " سے ہندوستان کے مسلمانوں کو دی گئی تھی ۔ وہ چیخ رہی تھی چلا رہی تھی ۔ لیکن ان میں کم تھے جو اس نقار خانہ میں طوطی کی اس آواز پر کان رکھتے ۔ میری مراد حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

سے ہے۔ ان کی مختلف کتابوں میں ان کی چیخ و پکار کی غور رشیں اس وقت تک بند ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا "پیغام" کیا تھا۔ مختلف طریقوں سے وہ مسلمانوں پر پیش کیا جاتا تھا۔ لیکن ان میں علم بازوں، کتاب بازوں اور معارف فروشوں کا ایک گروہ ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ غلطی ہوئی اور بڑی غلطی ہوئی کہ شاہ ولی اللہ کو بھی ان ہی پیشہ وروں میں سے ایک خیال کیا گیا۔ حالانکہ وہ ہر بات میں ان سے جدا تھا۔ اس کی آواز سب سے نرالی تھی۔ لیکن اس کی تمیز کس میں باقی تھی۔

مسلمانوں کے مختلف طبقات کے نام شاہ صاحب کا ایک پیغام اور سب کے لئے مفصل پروگرام

بطور نمونہ کے حضرت شاہ صاحبؒ کے ایک پیغام کا ترجمہ درج کرتا ہوں جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ "لیلاً و نہاراً اور سراً و جہراً" جس امر کی دعوت دے رہے تھے وہ کیا تھا "تفہیمات الٰہیہ" کے جامع نے ایک جگہ اس کو بھی درج کر دیا ہے۔ میں اسی کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔ کیونکہ اصل عبارت کے نقل کرنے میں طوالت ہو گی۔ عربی کے جاننے والے عربی میں پڑھ سکتے ہیں۔ خدا جزائے خیر دے مجلس علمی ڈابھیل کو جس نے ان چند سالوں میں ان گراں بہا دفینوں کو وقف عام کر دیا ہے۔ بہرحال منجملہ تفہیمات کے ایک طویل تفہیمی مقالے کے بعض اجزاء یہ ہیں۔ جس میں مسلمانوں کے مختلف طبقات اور گروہوں کو ان کے موجودہ حالات پر تنبیہ کر کے آپ نے اصلاح کی راہ بھائی ہے مثلاً سلاطین اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

Marfat.com

سلاطین اسلام سے خطاب

"اے بادشاہو! ملاءِ اعلیٰ کی مرضی اس زمانہ میں اس امر پر مستقر ہو چکی ہے کہ تمام تلواریں کھینچ لو اور اس وقت تک نیام میں داخل نہ کرو جب تک مسلم، مشرک سے بالکلیہ جدا نہ ہو جائے اور اہل کفر و فسق کے سرکش لیڈر کمزوروں کے گروہ میں جا کر شامل نہ ہو جائیں اور پھر ان کے قابو میں پھر کوئی ایسی بات نہ رہ جائے جس کی بدولت وہ آئندہ سر اٹھا سکیں۔ قاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ و یکون الدین کلہ للّٰہ (یعنی ان سے جنگ کرتے رہو تا آنکہ فتنہ فرو ہو جائے اور "دین" صرف اللہ کے لئے مخصوص ہو جائے)۔ پھر جب کفر و اسلام کے درمیان ایسا کھلا نمایاں امتیاز پیدا ہو جائے تب تمھیں چاہیے کہ ہر تین دن یا چار دن کے سفر کی منزلوں پر اپنا ایک ایک حاکم مقرر کرو۔ ایسا حاکم جو عدل و انصاف کا مجسمہ ہو۔ قوی ہو، جو ظالم سے مظلوم کا حق وصول کر سکتا ہو اور خدا کے حدود کو قائم کر سکتا ہو اور اس میں سرگرم ہو کہ پھر لوگوں میں بغاوت و سرکشی کے جذبات پیدا نہ ہوں وہ جنگ پر آمادہ نہ ہوں اور دین سے مرتد ہونے کی کسی میں جرأت باقی نہ رہے، نہ کسی گناہ کبیرہ کے ارتکاب کی کسی کو مجال ہو، اسلام کا کھلے بندوں اعلان ہو۔ اور اس کے شعائر کا علانیہ اظہار کیا جائے۔ ہر شخص اپنے متعلقہ فرائض کو صحیح طور پر ادا کرے۔ چاہیئے کہ ہر شہر کا حاکم اپنے پاس اتنی قوت رکھے۔ جس کے ذریعہ سے اپنے متعلقہ آبادی کی

Marfat.com

اصلاح کرسکتا ہو۔ مگر اسی کے ساتھ اس کو اتنی قوت فراہم کرنے کا موقع نہ دیا جائے جس کے بل بوتے پر وہ خود ان سے نفع گیر ہونے کی تدبیریں سوچنے لگے اور حکومت کے مقابلہ پر آمادہ ہو جائے۔ چاہیے کہ اپنے متعلقہ مقبوضات کے بڑے علاقہ اور اقلیم پر ایسے امیر مقرر کئے جائیں جو جنگی مہمات کا بھی اختیار رکھتے ہوں ایسے امیر کے ساتھ بارہ ہزار کی جمعیت رکھی جائے مگر جمعیت ایسے آدمیوں سے بھرتی ہو جن کے دل میں جہاد کا ولولہ ہو اور خدا کی راہ میں کسی کی ملامت سے خوف زدہ نہ ہوں۔ ہر سرکش و متمرد سے جنگ اور مقابلہ کی ان میں صلاحیت ہو ——— اے بادشاہو! جب تم یہ کر لو گے تو اس کے بعد ملاء اعلیٰ کی رضامندی یہ چاہے گی کہ تم، لوگوں کی منزلی اور عائلی زندگی کی طرف توجہ کرو۔ ان کے باہمی معاملات کو سلجھاؤ اور ایسا کردو کہ پھر کوئی معاملہ ایسا نہ ہونے پائے جو شرعی قوانین کے مطابق نہ ہو، اسی کے بعد لوگ امن و امان کی صحیح مسرت سے فائز المرام ہو سکتے ہیں۔"

اسلامی امیروں کو مخاطب فرماتے ہوئے فرماتے ہیں:-

امراء و ارکانِ دولت سے خطاب

"اے امیرو! دیکھو کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے، دنیا کی فانی لذتوں میں تم ڈوبے جا رہے ہو۔ اور جن لوگوں کی نگرانی تمہارے سپرد ہوئی ہے ان کو تم نے چھوڑ دیا ہے۔ تاکہ ان میں بعض بعض کو کھاتے

Marfat.com

اور نگلتے رہیں ——— کیا تم علانیہ شرابیں نہیں پیتے؟ اور پھر اپنے اس فعل کو تم برا بھی نہیں سمجھتے؛ تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ بہت سے لوگوں نے اونچے اونچے محل اس لئے کھڑے کئے ہیں کہ ان میں زناکاری کی جائے اور شرابیں ڈھالی جائیں، جوا کھیلا جائے لیکن تم اس میں دخل نہیں دیتے۔ اور اس حال کو نہیں بدلتے۔ کیا حال ہے ان بڑے بڑے شہروں کا جن میں چھ سو سال سے کسی پر حد شرعی نہیں جاری ہوئی۔ جب کوئی کمزور مل جاتا ہے۔ تو اسے پکڑ لیتے ہو اور جب قوی ہوتا ہے تو چھوڑ دیتے ہو، تمھاری ساری ذہنی قوتیں اس پر صرف ہو رہی ہیں کہ لذیذ کھانوں کی قسمیں پکواتے رہو۔ اور نرم و گداز جسم والی عورتوں سے لطف اٹھاتے رہو۔ اچھے کپڑوں اور اونچے مکانات کے سوا تمھاری توجہ اور کسی طرف منعطف نہیں ہوتی، کیا تم نے اپنے سر کبھی اللہ کے سامنے جھکائے؟ خدا کا نام تمھارے پاس صرف اس لئے رہ گیا ہے کہ اپنے تذکروں اور قصے کہانیوں میں اس نام کو استعمال کرو اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے لفظ سے تمھاری مراد زمانہ کا انقلاب ہے۔ کیونکہ تم اکثر بولتے ہو خدا قادر ہے کہ ایسا کر دے یعنی زمانے کے انقلاب کی یہ تعبیر ہے۔

فوجی سپاہیوں کو خطاب

اے فوجیو اور عسکریو! تمھیں خدا نے جہاد کے لئے پیدا

Marfat.com

فرمایا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اللہ کی بات اونچی ہو گی اور خدا کا کلمہ بلند ہوگا اور شرک اور اس کی جڑوں کو تم دنیا سے نکال پھینکو گے لیکن جس کام کے لئے تم پیدا کئے گئے تھے اسے تم چھوڑ بیٹھے۔ اب جو تم گھوڑے پالتے ہو، ہتھیار جمع کرتے ہو اس کا مقصد صرف یہ رہ گیا ہے کہ محض اپنی دولت میں اس سے اضافہ کرو۔ اس سلسلہ میں جہاد کی نیت سے تم بالکل خالی الذہن رہتے ہو۔ تم شرابیں پیتے ہو، بھنگ کے پیالے چڑھاتے ہو، ڈاڑھیاں منڈواتے ہو۔ اور مونچھیں بڑھاتے ہو۔ عام لوگوں پر زیادتیاں اور ظلم کرتے ہو حالانکہ جو کچھ ان کا لے کر کھاتے ہو اس کی قیمت ان تک نہیں پہنچتی۔ خدا کی قسم، تم عنقریب اللہ کی طرف واپس جاؤ گے پھر تمھیں وہ بتائے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے ——— تمھارے ساتھ خدا کی یہ مرضی ہے کہ اچھے پارسا، صالحین، غازیوں کا لباس اور ان کی وضع اختیار کرو۔ چاہیے کہ اپنی ڈاڑھیاں بڑھاؤ، مونچھیں کتواؤ، پنج وقتہ نماز ادا کیا کرو۔ اور عام لوگوں کے مال سے بچتے رہو۔ جنگ اور مقابلہ کے میدان میں ڈٹے رہو تمھیں چاہیے کہ سفر اور جنگ وغیرہ کے موقع پر نمازیں جو آسانیاں اور رخصتیں رکھی گئی ہیں انھیں سیکھ لو مثلاً قصر کرنا، جمع کرنا، سنتوں کے ترک کرنے کی اجازت ہے اس سے واقف ہونا، تیمم کی اجازت سے مطلع ہونا ——— پھر اس کے بعد نماز کو خوب زور سے پکڑ لو۔

Marfat.com

اور اپنی نیتوں کو درست کر لو۔ اور اللہ تعالےٰ تمھارے جاہ و منصب میں برکت دے گا اور دشمنوں پر تمھیں فتح عطا فرمائے گا"
عام پیشہ وروں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں :۔

اہل صنعت و حرفت سے خطاب

ارباب پیشہ! دیکھو! امانت کا جذبہ تم سے مفقود ہو گیا ہے۔ تم اپنے رب کی عبادت سے خالی الذہن ہو چکے ہو اور تم اپنے فرضی بناتے ہوئے معبودوں پر قربانیاں چڑھاتے ہو تم مدار اور سالار کا حج کرتے ہو۔ تم میں بعض لوگوں نے فال بازی اور ٹوٹکا اور گنڈے وغیرہ کا پیشہ اختیار کر رکھا ہے۔ یہی ان کی دولت ہے اور یہی ان کا ہنر ہے۔ یہ لوگ خاص قسم کا لباس اور بانا اختیار کرتے ہیں۔ خاص طرح کے کھانے کھاتے ہیں۔ ان میں جن کی آمدنی کم ہوتی ہے وہ اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کے حقوق کی پروا نہیں کرتے۔ تم میں بعض صرف شراب خوری کو پیشہ بنائے ہوتے ہیں۔ اور تم ہی میں کچھ لوگ عورتوں کو کرایہ پر چلا کر پیٹ پالتے ہیں۔ یہ کیسا بدبخت آدمی ہے اپنی دنیا اور آخرت دونوں کو برباد کر رہا ہے۔ حالانکہ حق تعالےٰ نے تمھارے لئے مختلف قسم کے پیشے اور کمانے کھانے کے دروازے کھول رکھے ہیں۔ جو تمھاری اور تمھارے متعلقین کی ضرورتوں کے لئے کافی ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ تم اعتدال کی راہ اپنے خرچ میں

Marfat.com

اختیار کرو۔ اور محض اتنی روزی پر قناعت کرنے کے لئے آمادہ ہو جاؤ جو تمھیں بآسانی اُخروی زندگی کے نتائج تک پہنچا دے۔ لیکن تم نے خدا کی ناشکری کی اور غلط راہ حصول رزق کی اختیار کی۔ کیا تم جہنم کے عذاب سے نہیں ڈرتے جو بڑا برا بچھونا ہے دیکھو اپنی صبح و شام کو خدا کی یاد میں بسر کیا کرو۔ اور دن کے بڑے حصّہ کو اپنے پیشہ میں صرف کرو۔ اور رات کو اپنی عورتوں کے ساتھ گزارو۔ اپنے خرچ کو اپنی آمدنی سے ہمیشہ کم رکھا کرو پھر جو بچ جایا کرے اس سے مسافروں کی، مسکینوں کی مدد کیا کرو اور کچھ اپنے اتفاقی مصائب اور ضرورتوں کے لئے پس ماندہ بھی کیا کرو۔ تم نے اگر اس راہ کو اختیار نہ کیا تو تم غلط راہ پر جا رہے ہو اور تمھاری تدبیر درست نہیں ہے۔

پھر اسی طرح مشائخ کی اولاد اس زمانہ کے عام طلبۂ علم اور واعظوں زاہدوں کو بھی آپ نے خصوصیت کے ساتھ پکارا ہے۔ مثلاً مشائخ کی اولاد کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مشائخ کی اولاد یعنی پیرزادوں سے خطاب

اے وہ لوگو جو اپنے آبا کے رسوم کو بغیر کسی حق کے پکڑے ہوئے ہو یعنی گزشتہ بزرگانِ دین کی اولاد میں ہو میرا آپ سے سوال ہے کہ آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ ٹکڑیوں ٹکڑیوں ٹولیوں ٹولیوں میں آپ بٹ گئے ہیں۔ ہر ایک اپنے پلنے راگ

Marfat.com

اپنی اپنی منڈلی میں الاپ رہا ہے۔ اور جس طریقہ کو اللہ نے اپنے رسول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے نازل فرمایا تھا۔ اور محض اپنے لطف وکرم سے جس راہ کی طرف راہنمائی فرمائی تھی۔ اسے چھوڑ کر ہر ایک تم میں ایک مستقل پیشوا بنا ہوا ہے۔ اور لوگوں کو اسی طرف بلا رہا ہے اپنی جگہ اپنے کو راہ یافتہ اور راہنما ٹھہرائے ہوئے ہے۔ حالانکہ در اصل وہ خود گم کردہ راہ اور دوسروں کو بھٹکانے والا ہے۔ ہم ایسے لوگوں کو قطعاً پسند نہیں کرتے جو محض لوگوں کو اس لئے مرید کرتے ہیں تاکہ ان سے ٹکے وصول کریں۔ ایک علم شریف کو سیکھ کر دنیا بٹورتے ہیں۔ کیونکہ جب تک اہل دین کی شکل وشباہت اور طرز و انداز نہ اختیار کریں گے دنیا حاصل نہیں ہو سکتی۔

اور نہ میں ان لوگوں سے راضی ہوں جو سوائے اللہ ورسول خود اپنی طرف بلاتے ہیں۔ اور اپنی مرضی کی پابندی کا لوگوں کو حکم دیتے ہیں۔ یہ لوگ بٹ مار اور راہگیر ہیں۔ ان کا شمار دجالوں کذابوں، فتانوں اور ان لوگوں میں ہے جو خود فتنہ اور آزمائش کے شکار ہیں۔

خبردار! خبردار!! ہرگز اس کی پیروی نہ کرنا۔ جو اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت کی طرف دعوت نہ دیتا ہو۔ اور اپنی طرف بلاتا ہو۔ اور چاہتے کہ زبانی جمع خرچ صوفیہ کرام کے اشاروں کے متعلق

Marfat.com

عام مجلسوں میں نہ کیا جائے۔ کیونکہ مقصد تو (تصوف) سے صرف یہ ہے کہ آدمی کو احسان کا مقام حاصل ہو جائے۔ لوگو، دیکھو کیا تمہارے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ارشاد میں کوئی عبرت نہیں ہے۔

ان هٰذا صراطی مستقیماً فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیله — یہ میری راہ ہے سیدھی تو اس پر چل پڑو اور مختلف راہوں کے پیچھے نہ پڑو، وہ تمھیں اللہ کی سے بچھڑا دیں گے۔

پھر اس زمانہ کے طلبۂ علم کو خطاب کر کے فرماتے ہیں:۔

غلط کار علماء سے خطاب

ارے بدعقلو! جنھوں نے اپنا نام "علماء" رکھ چھوڑا ہے۔ تم یونانیوں کے علوم میں ڈوبے ہوئے ہو۔ اور صرف ونحو ومعانی میں غرق ہو اور سمجھتے ہو کہ یہی علم ہے۔ یاد رکھو! علم یا تو قرآن کی کسی آیت محکم کا نام ہے یا سنت ثابتہ قائمہ کا۔

چاہیے کہ قرآن سیکھو! پہلے اس کے غریب لغات کو حل کرو۔ سبب نزول کا پتہ چلاؤ اور اس کے مشکلات کو حل کرو۔ اسی طرح جو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح ثابت ہو چکی ہے اسے محفوظ کرو یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کس طرح پڑھتے تھے، وضو کرنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا طریقہ تھا، اپنی ضرورت کے لئے کس طرح جاتے تھے۔ اور حج کیونکر ادا فرماتے تھے، جہاد کا

آپ کے کیا قاعدہ تھا۔گفتگو کا کیا انداز تھا۔ اپنی زبان کی حفاظت کس طرح فرماتے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے۔ چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری روش کی پیروی کرو۔ اور آپؐ کی سنت پر عمل کرو۔ مگر اس میں بھی اس کا خیال رہے کہ جو سنت ہے اُسے سنت ہی سمجھو نہ کہ اسے فرض کا درجہ عطا کرو۔اسی طرح چاہیے کہ جو تم پر فرائض ہیں انھیں سیکھو مثلاً وضو کے ارکان کیا ہیں، نماز کے ارکان کیا ہیں۔ زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے۔ قدر واجب کیا ہے۔ میت کے حصّوں کی مقدار کیا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام سیرت کا مطالعہ کرو جس سے آخرت کی رغبت پیدا ہو۔صحابہ اور تابعین کے حالات پڑھو اور یہ چیزیں فرائض سے فاضل اور زیادہ ہیں لیکن ان دلوں جن چیزوں میں تم الجھے ہوتے رہو۔ اور جس میں سر کھپا رہے ہو۔ اس کو آخرت کے علم سے کیا واسطہ، یہ دنیا کے علوم ہیں۔

پھر ان ہی طلبہ کو فرماتے ہیں :۔

جن علوم کی حیثیت صرف ذرائع وآلات کی ہے (مثلاً صرف و نحو وغیرہ) تو ان کی حیثیت آلہ اور ذریعہ ہی کی رہنے دو۔ نہ کہ خود ان ہی کو مستقل علم بنا بیٹھو، علم کا پڑھنا تو اسی لیے واجب ہے کہ اس کو سیکھ کر مسلمانوں کی بستیوں میں اسلامی شعائر کو رواج دو لیکن تم نے دینی شعار اور اس کے احکام کو تو پھیلایا نہیں اور

Marfat.com

لوگوں کو زائد از ضرورت باتوں کا مشورہ دے رہے ہو۔ تم نے اپنے حالات سے عام مسلمانوں کو یہ باور کرادیا ہے کہ علماء کی بڑی کثرت ہوچکی ہے۔ حالانکہ ابھی کتنے بڑے بڑے علاقے ہیں۔ جو علمائے خالی ہیں۔ اور جہاں علماء پائے بھی جاتے ہیں وہاں بھی دینی شعاروں کو غلبہ حاصل نہیں ہے۔

پھر آپ نے ان لوگوں کو بھی مخاطب کیا ہے جنھوں نے اپنے وسوسوں کا نام دین رکھ چھوڑا ہے اور جو ان کے وسواسی معیار پر پورا نہیں اُترتا۔ گویا دین سے وہ خارج ہے۔ اس گروہ میں زیادہ تر زھّاد، عبّاد اور وعاظ ہی اس زمانہ میں مبتلا تھے۔ اس لئے عنوان کا آغاز ان ہی سے کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

دین میں تنگی پیدا کرنیوالے واعظوں اور کنج نشین زاہدوں سے خطاب

دین میں خشکی اور سختی کی راہ اختیار کرنے والوں سے میں پوچھتا ہوں۔ اور واعظوں، عابدوں اور ان کنج نشینوں سے سوال ہے جو خانقاہوں میں بیٹھتے ہیں کہ بہ جبراپنے اوپر دین کو عائد کرنے والو! تمہارا کیا حال ہے۔ ہر بُری بھلی بات، ہر رطب ویابس تمہارا ایمان ہے۔ لوگوں کو تم جعلی اور گھڑی ہوئی حدیثوں کا وعظ سُناتے ہو۔ اللہ کی مخلوق پر تم نے زندگی تنگ کر چھوڑی ہے۔ حالانکہ تم تو (اے امتِ محمدیہ) اس لئے پیدا ہوتے تھے کہ لوگوں کو

Marfat.com

آسانیاں بہم پہنچاؤ گے نہ ان کو دشواریوں میں مبتلا کردو گے۔ تم ایسے لوگوں کی باتیں دلیل میں پیش کرتے ہو جو بیچارے مغلوب الحال تھے اور عشق و محبت الٰہی میں عقل و حواس کھو بیٹھے تھے۔ حالانکہ اہل عشق کی باتیں وہیں کی وہیں لپیٹ کر رکھ دی جاتی ہیں نہ کہ ان کا چرچا کیا جاتا ہے ــــ تم نے دعواس کو اپنے لئے گوارا کر لیا ہے اور اس کا نام احتیاط رکھ چھوڑا ہے ــــ حالانکہ تمہیں صرف یہ چاہیے تھا کہ اعتقاداً وعملاً احسان کے مقام کے لئے جن امور کی ضرورت ہے۔ تم اس کو سیکھ لیتے۔ لیکن جو بیچارے اپنے خاص حال میں مغلوب تھے۔ خواہ مخواہ ان کی باتوں کو احسان خالص امور میں گڈمڈ کرنے کی حاجت نہ تھی اور نہ ارباب کشف کی چیزوں کو ان میں مخلوط کرنے کی ضرورت تھی۔

چاہیے کہ مقام احسان کی طرف لوگوں کو بلاؤ۔ پہلے اسے خود سیکھ لو پھر دوسروں کو دعوت دو۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ سب سے بڑی رحمت اور سب سے بڑا کرم اللہ کا وہ ہے۔ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنچایا ہے وہی صرف ہدایت ہے جو آپ کی ہدایت ہے۔

پھر تم کیا بتا سکتے ہو۔ کہ جن افعال کو تم کرتے ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ کیا کرتے تھے۔

آخر میں ایک خطاب عام مسلمانوں کے نام ہے۔ جس میں کسی خاص طبقہ کی

Marfat.com

تخصیص نہیں ہے۔ فرماتے ہیں:۔

عام امت مسلمہ سے جامع خطاب امراض کی تشخیص اور علاج کی تجویز

میں مسلمانوں کی عام جماعت کی طرف اب مخاطب ہوں، اور کہتا ہوں۔ آدم کے بچو! دیکھو!! تمہارے اخلاق سو چکے ہیں۔ تم پر بے جا حرص و آز کا بھوت سوار ہو گیا ہے۔ تم پر شیطان نے قابو پا لیا ہے۔ عورتیں، مردوں کے سر چڑھ گئی ہیں اور مرد عورتوں کے حق برباد کر رہے ہیں۔ حرام کو تم نے اپنے لئے خوش گوار بنا لیا ہے۔ اور حلال تمہارے لئے بدمزہ ہو چکا ہے۔ پھر قسم ہے اللہ کی، اللہ نے ہرگز کسی کو اس کے بس سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے چاہیئے کہ تم اپنی شہوانی خواہشوں کو نکاح کے ذریعہ پوری کرو۔ خواہ تمہیں ایک سے زیادہ نکاح ہی کیوں نہ کرنا پڑیں اور اپنے مصارف، وضع قطع میں تکلف سے کام نہ لیا کرو۔ اسی قدر خرچ کرو جس کی تم میں سکت ہو۔ یاد رکھو۔ ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھاتا۔ اور اپنے اوپر خواہ مخواہ تنگی سے کام نہ لو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارے نفوس بالآخر فسق کی حدود تک پہنچ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کو پسند فرماتا ہے۔ کہ اس کے بندے اس کی آسانیوں سے نفع اٹھائیں۔ جیسا کہ یہ بھی اسی کو پسند ہے کہ جو چاہیں۔ اعلیٰ مدارج پر احکام کی پابندی بھی کر سکتے ہیں اپنے

شکم کی خواہشوں کی تکمیل چاہتے کہ کھالوں سے کرو اور اتنا کمانے کی کوشش کرو جس سے تمھاری ضرورتیں پوری ہوں۔ دوسروں کے سینے کے بوجھ بننے کی کوشش نہ کرو۔ کہ ان سے مانگ مانگ کر کھایا کرو۔ تم ان سے مانگو اور وہ نہ دیں اسی طرح بے چارے بادشاہوں اور حکام کے اوپر بھی بوجھ نہ بن جاؤ۔ تمھارے لئے یہی پسندیدہ ہے کہ تم خود کما کر کھایا کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو خدا تمھیں معاش کی بھی راہ سجھائے گا جو تمھارے لئے کافی ہوگی۔

اے آدم کے بچو! جسے خدا نے ایک جائے سکونت دے رکھی ہو۔ جس میں وہ آرام کرے۔ اتنا پانی جس سے وہ سیراب ہو۔ اتنا کھانا جس سے بسر ہو جائے۔ اتنا کپڑا جس سے تن ڈھک جائے۔ ایسی بیوی جو اس کی شرم گاہ کی حفاظت کر سکتی ہو۔ اور اس کے رہن سہن کی جدوجہد میں مدد دے سکتی ہو۔ تو یاد رکھو کہ دنیا کامل طور سے اس شخص کو مل چکی ہے۔ چاہیئے کہ اس پر خدا کا شکر کرے۔

بہرحال کوئی نہ کوئی کمائی کی راہ آدمی ضرور اختیار کرے اور اسی کے ساتھ قناعت کو اپنا دستور زندگی بنائے۔ اور رہنے سہنے میں اعتدال کا جادہ اختیار کرے۔ اور اللہ کی یاد کے لئے جو فرصت ہم وقت ہو لے سے غنیمت شمار کرے۔ کم از کم تین

Marfat.com

دونوں صبح، شام اور پچھلی رات کے ذکر کا خاص طور سے خیال رکھے۔ حق تعالیٰ کی یاد، اس کی تسبیح و تہلیل اور قرآن کی تلاوت کے ذریعہ سے کیا کرے نا ور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنے اور ذکر کے حلقوں میں حاضر ہوا کرے۔

اے آدم کے بچو! تم نے ایسے بگڑے ہوئے رسوم اختیار کر لئے ہیں۔ جن سے دین کی اصلی صورت بگڑ گئی ہے۔ تم عاشورہ کے دن جھوٹی باتوں پر اکٹھا ہوتے ہو۔ اسی طرح شب برات میں کھیل کود کرتے ہو۔ اور مُردوں کے لئے کھانے پکا پکا کر کھلانے کو اچھا خیال کرتے ہو۔ اگر تم سچے ہو تو اس کی دلیل پیش کرو۔

اسی طرح اور بھی بری بُری رسمیں تم میں جاری ہیں۔ جس نے تم پر تمھاری زندگی تنگ کر دی ہے۔ مثلاً تقریبات کی دعوتوں میں تم نے حد سے زیادہ تکلف برتنا شروع کر دیا ہے اسی طرح ایک بری رسم یہ بھی ہے کہ کچھ بھی ہو جائے لیکن طلاق کو گویا تم نے ناجائز ٹھیرالیا ہے یوں ہی بیوہ عورتوں کو نکاح سے روکے رہتے ہو۔ ان رسموں میں تم اپنی دولت ضائع کرتے ہو، وقت برباد کرتے ہو۔ اور جو صحت بخش روش تھی اسے چھوڑ بیٹھے ہو۔ تم نے اپنی نمازیں برباد کر رکھی ہیں۔ تم میں کچھ لوگ ہیں جو دنیا کمانے میں اور اپنے دھندوں میں اتنے پھنس گئے ہیں کہ

Marfat.com

نماز کا انھیں وقت ہی نہیں ملتا۔ کچھ لوگ ہیں جو قصہ کہانی سننے میں وقت گنواتے ہیں۔ خیر پھر بھی اگر ایسی مجلسیں لوگ ایسے مقامات پر قائم کیا کرتے جو مسجدوں سے قریب ہوں تو شاید ان کی نمازیں ضائع نہ ہوتیں۔ تم نے زکوٰۃ کو بھی چھوڑ دیا ہے۔ حالانکہ کوئی ایسا دولت مند نہیں ہے۔ جس کے اقربا اعزہ میں حاجت مند لوگ نہیں ہوتے۔ اگر ان لوگوں کی وہ مدد کیا کریں ان کو کھلایا پلایا کریں اور زکوٰۃ کی نیت کرلیا کریں تو یہ بھی ان کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔ تم میں بعضوں نے روزے چھوڑ رکھے ہیں خصوصاً جو فوجی ملازم ہیں کہتے ہیں کہ وہ روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہیں۔ یعنی جو محنت انھیں برداشت کرنی پڑتی ہے اس کے ساتھ روزے نہیں رکھ سکتے ۔

تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ تم نے راہ غلط کردی ہے اور تم حکومت کے سینہ پر بوجھ بن گئے ہو۔ بادشاہ جب اپنے خزانہ میں اتنی گنجائش نہیں پاتا۔ جس سے تمھاری تنخواہ ادا کرے تب رعایا پر زندگی کو دشوار کرتا ہے۔ سپاہیو! یہ تمھاری کیسی بری عادت ہے ـــــــ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو روزے رکھتے ہیں لیکن سحری نہیں کرتے ، اور رمضان میں ان سخت کاموں کو نہیں چھوڑتے۔ جن کی وجہ سے روزے ان پر گراں گزرتے ہیں۔

Marfat.com

آخر میں فرماتے ہیں :-

ملاء اعلیٰ کی طرف سے اصلاحی مطالبات کا اس زمانہ میں جن امور کے متعلق تقاضہ ہو رہا ہے۔ اس کا ایک طویل باب ہے۔ کھڑکی سے آدمی بڑی نیکیوں کو جھانک سکتا ہے' اور ڈھیر کے لئے اس کا نمونہ کافی ہے۔

میں نے قصداً شاہ صاحب کے ان دعوتی پیغاموں کا ترجمہ پیش کیا ہے۔ جس سے اس کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ عام طور پر مسلمانوں کے ہر طبقہ کی ہندوستان میں کیا حالت ہو چکی تھی۔ نیز اسی سے حضرت شاہ صاحب کے اندرونی جذبات و احساسات کا بھی سراغ مل سکتا ہے کہ ان کی نگاہیں کہاں کہاں تھیں۔ جو لوگ ان کی کتابوں کو حنفیت' شافعیت' تقلید و عدم تقلید یا صرف تصوف و کلام کے متعلقہ مباحث تک محدود خیال کرتے ہیں۔ ان کے لئے بھی ان تقریروں میں تنبیہ ہے۔ چاہیئے کہ شاہ صاحب کی خدمات کی قیمت لگاتے ہوئے ذرا زیادہ بلند نظری سے وہ کام لیں۔

ہندی مسلمانوں کا جمود یا مرنے کا تہیہ

خلاصہ یہ ہے کہ قدرت کی طرف سے تکوینی طور پر بھی مسلمانان ہند کو مسلسل الارم دیا جا رہا تھا اور تشریعی حیثیت سے پیغمبروں کے صحیح جانشینوں کو اٹھایا جا رہا تھا جو انھیں بار بار چونکا رہے تھے، جگا رہے تھے۔ لیکن وہ اپنی جگہ کچھ فیصلہ کر چکے تھے۔ ان کے بڑوں اور چھوٹوں نے گویا مرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔

Marfat.com

ادھر مرہٹوں کا نازک ترین مرحلہ محض اللہ کے رحم وکرم سے طے ہوگیا تھا۔چاہئے تھا کہ آنکھیں کھل جاتیں لیکن شاہ صاحب کے جو کچھ مطالبات تھے ان میں سرمو فرق نہ ہوا تھا نتیجہ یہ ہوا۔کہ جہاں فساد کے ایک جرثومہ کی جڑ نکلی تھی۔بلکہ سچ یہ ہے۔کہ شاہ ابدالی غازی نے سکھوں کی قوتوں پر بھی مختلف ضربیں ایسی لگائی تھیں کہ پنجاب کے مسلمان اگر چاہتے تو وقفہ کی ان گھڑیوں میں جاگ سکتے تھے۔لیکن وہ اسی طرح سوتے رہے جیسے پہلے تھے۔گویا ان کو کالا سونگھ گیا تھا۔

قدرتی قانون کے مطابق اس خواب غفلت کی سزا انگریزی اقتدار کا آغاز

آخر قدرت کے قوانین جو اٹل ہیں وہ بھی کام کرتے رہے ادھر ان اندرونی فتنوں کی شدت میں کچھ کمی ہوئی لیکن شمال مشرق اور جنوب مشرق کے ساحلی کناروں سے وہی قوم جس کے متعلق مسلمانوں کے اہل لغت کبھی یہ لکھا کرتے تھے کہ

انگریز بروزن رنگریز نوعی ست از نوع انسانی کہ گاہ گاہ بہ کنارِ دریا ظاہر می شود۔

انگریز کا لفظ رنگریز کے وزن پر ہے یہ انسانی نوع کی ایک قسم ہے۔جو کبھی کبھی سمندر کے کنارے نمایاں ہوتی ہے۔

تو ان ہی دنوں میں جب پانی پت کے میدانوں میں مرہٹوں کا یہ فیصلہ ہو رہا تھا۔قدرت کسی اور فیصلہ کا انتظام کر رہی تھی۔بنگال کے ناظم سراج الدولہ

کی فوج لارڈ کلیف (المشہور بہ کلایو) کے اس شبخون حملہ سے دل از دست رفتہ ہو چکی تھی۔ جس میں غالباً پہلی دفعہ چقماقی بندوقوں کے چلانے والوں کو کارتوسی گولیوں کا تجربہ ہوا تھا۔ طباطبائی نے لکھا ہے۔ کہ کلایو اور اس کے ساتھی۔

سراج الدولہ کی فوج پر اسلحہ کارتوسی بندوقوں کے ساتھ لارڈ کلایو کا پہلا شبخون حملہ

از شب باقی ماندہ اکثر از کشتی فرود آمدہ از طرف پشت لشکر تفنگ افگنان داخل شدند فاصلہ در شلک نداوہ قدم بقدم راہ می پیمودند وگولہ تفنگ چوں تگرگ بلا بر سر لشکریان سراج الدولہ می بارید۔

کچھ رات رہے بہت سے انگریز کشتی سے اتر کر سراج الدولہ کی فوج کے پشت کی طرف سے بندوقیں سر کرتے ہوئے اس کی فوج میں گھس گئے وہ باڑھ مارتے ہیں وقفہ نہیں دیتے تھے اور مسلسل مارچ کرتے ہوئے آگے بڑھے چلے جاتے تھے۔ اور بندوق کی گولیاں اولوں کی طرح سراج الدولہ کے فوجیوں پر برس رہی تھیں۔

ظاہر ہے کہ ہندوستانی سپاہیوں کو "گولہ تفنگ چوں تگرگ" کا پہلی دفعہ تجربہ ہوا تھا وہاں نہ ڈھال کام آتی تھی، نہ نیزہ، نہ تلوار اور نہ اس کے ہاتھ اور پینترے، نتیجہ یہ ہوا کہ

سراج الدولہ کے لشکر میں ابتری اور قیامت کا نمونہ

بہ مشاہدہ این رست خیز کہ نمونہ محشر

اس بھاگ دوڑ میں جو قیامت کا نمونہ

یں پڑا یں زندگی گزاردوں ؟

لیکن اس کے باپ اور نانا کے نمک پروردہ محمدی نے سرہلا دیا۔

سراج الدولہ کا لرزہ خیز قتل

وحز بتیے چند بر پیکر نازنین او زد بروئے زمین افتاد وگفت بس ست کہ من کارمن تمام شد انتقام بانجام رسید۔

اور چند وار اس کے نازنین پیکر پر اس نے کئے وہ زمین پر گر پڑا اور بولا بس کرو میرا کام تمام ہو گیا اور انتقام اپنے آخری انجام کو پہنچ گیا۔

اپنے پایۂ تخت مرشد آباد کے بازاروں میں سراج الدو کی لاش

وہی مرشد آباد جہاں بنگالی، بہار و اڑیسہ کے اس مطلق العنان خود سر بادشاہ کی سواریاں شاہانہ تجمل و شکوہ سے روز نکلا کرتی تھیں آج اس کی

لاش او بر ہودج فیلے انداختہ بطور تشہیر در شہر گردانیدند

لاش ایک ہاتھی کے ہودج پر ڈال کر بطور تشہیر شہر میں پھرائی گئی۔

اور میر جعفر کی کھال اوڑھ کر کرنل کلیف (کلایو) اور اس کے جانشینوں نے کمپنی بہادر کے نام سے سرزمین ہند پر اس تخت کو بچھا دیا۔ جو آج تک بچھا ہوا ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں کو الغازی الابدالی جس شاہ عالم اور شجاع الدو کے سپرد کر کے خود قندھار روانہ ہو گئے تھے۔ حضرت شاہ صاحب کی وفات کے تقریباً دو سال بعد کلایو نے یہ مقام الہ آباد مشہور

بنگال، بہار، اڑیسہ کی دیوانی کمپنی بہادر کے نام

فرمان اسناد دیوانی ہر سہ صوبہ

بنگال، بہار، اڑیسہ بنام کمپنی وزیر (شجاع الدولہ) و بادشاہ (شاہ عالم) درخواست و چار و ناچار قبول نمودہ بر وفق خواہش او فرامین اسناد نوشتہ دادند۔

تینوں صوبے بنگال، بہار، اڑیسہ کی دیوانی کی سند کمپنی بہادر کے نام وزیر (شجاع الدولہ) اور پادشاہ (شاہ عالم) سے چاہی اور چار و ناچار دونوں کو قبول کرنا پڑا۔ اور کلائیو کی خواہش کے مطابق اسناد کے فرامین لکھے گئے۔

اتنے بڑے بڑے صوبوں کی کل مال گزاری چوبیس لاکھ مقرر ہوتی اور چالیس ہزار سالانہ ناظم بنگالہ کے اخراجات کے لئے طے ہوئے اور

قبولیت بہ مہر کمپنی کہ دست آویز تعہد مال گزاری است داخل دفتر پادشاہی گردید

کمپنی کے مہر کے ساتھ قبولیت نامہ جو مالگذاری کے معاہدہ کی دستاویز تھی بادشاہی دفتر میں داخل ہوتی۔

بقول طباطبائی اتنا اہم کام اتنی آسانی سے انجام پا گیا۔

کہ بیع و شرائے خر بار بردار و چارپائے رہوار ہم باین زودی بدون تکرار یک سوئی نمی شود، انفصال و انقطاع یافتہ۔

کہ کسی بوجھ لادنے والے گدھے اور کسی چوپایہ کی خریداری بھی اتنی جلدی بغیر کسی رد و کد اور تکرار کے طے نہیں ہوتی لیکن یہاں اتنا بڑا معاملہ طے پاکر ختم ہو گیا۔

Marfat.com

"تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء" کی پھر ایک تفسیر گنگا جمنا کے سنگم پر لکھی گئی۔ شاہ عالم نام کو ہندوستان کے بادشاہ تھے۔ لیکن کرنل اسمتھ جو ان کی نگرانی کے لئے الہ آباد میں چھوڑا گیا تھا۔ اس کا یہ حال تھا کہ:-

فرنگی ٹھیکہ داروں کی نزاکت دماغی
شاہی نقارہ کی آواز سے سر میں درد

از صدائے نقارہ نوبت خانہ پادشاہی کہ در قلعہ الہ آباد گاہے ناخوش گشتہ نواختن نوبت را مانع می شدود مردم نقارخانہ ناچار ممنوع از عمل خود بودند۔ سچ ہے ؎	بادشاہی نوبت خانہ کی آواز سے ناخوش ہوتا تھا اور نقارہ کے بجانے میں مانع ہوا۔ نقارخانے والے مجبوراً رک گئے۔

تا نہ پڑے خلل کہیں آپ کے خواب ناز میں
ہم نہیں چاہتے کبھی اپنی شب دراز میں

ان "ٹھیکہ داروں" کی نزاکت دماغ اب کیا کہنے تھے۔ ع

غنچہ چٹکا تو کہا سر میں دھمک ہوتی ہے

فانا للہ وانا الیہ راجعون

ظاہر ہے دین کا وہ دیوانہ جو مسلسل پچاس ساٹھ سال سے آسمان کے ان بدلے ہوئے تیوروں کا اندازہ کر رہا تھا۔ اس کی اندرونی تڑپ اور بے چینی کبھی ابدالی اور حافظ الملک رحمت خاں، شجاع الدولہ اور میر قاسم

Marfat.com

کی شکلیں بن بن کر نمایاں ہوتی تھیں۔ لیکن جن کے لئے وہ تڑپتا تھا۔ وہ تو سوئے ہوئے تھے، کیا کرتا، کب تک اپنے جگر کے نالوں سے آسمان کو ہلاتا۔

آخر میں شاہ ولی اللہ کی دردناک وصیت

آخر عمر میں جب وصیت نامہ ترتیب دینے لگے۔ تو جہاں اور باتیں لکھیں ان میں سب سے زیادہ دردناک وصیت وہ ہے جسے پڑھ کر کلیجہ کانپ اٹھتا ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کے عاصمہ (پایہ تخت) میں بیٹھ کر اسی سلطنت کا ایک عالم لکھتا ہے اور حالات نے جو رُخ پلٹا تھا ان کا صحیح اندازہ کرنے کے بعد لکھتا ہے:۔

ما مردم غریبم کہ در دیار ہندوستاں آبائے ما بغربت افتادہ اند۔ (وصیت نامہ ص۱۱)	ہم لوگ اجنبی مسافر لوگ ہیں ہمارے باپ دادا اس ملک میں بحالت مسافرت و غربت ہی یہاں داخل ہوئے

(اور پھر وہی حالت واپس ہوگئی)

حضرت کے کلام اور مختلف کتابوں سے، جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان پر اپنی قوم کی اس حالت کا خاص اثر تھا وہ دیکھ رہے تھے کہ اگر یہی لیل و نہار ہیں تو اس ملک میں اب دین اور اہل دین کا بس خدا ہی حافظ اور اب اس میں شک کی گنجائش ہی کیا باقی تھی جو کچھ ہونے والا تھا اس کی صبح بلکہ صبح سے بھی زیادہ روشنی طلوع ہو چکی تھی قوم کی تقدیر ان پر واضح ہو چکی تھی۔

Marfat.com

۱۱۴۳ھ میں حالات کی نزاکت کے باوجود شاہ صاحب کے سفر حجاز کا اصل راز

اور آج ہی نہیں بلکہ میرا تو خیال ہے کہ ۱۱۴۳ھ میں جب آپ کی عمر تقریباً ۳۰ سال کی تھی اچانک آپ کا سفر حجاز کے لئے آمادہ ہو جانا، اور ایسے زمانہ میں اس خطرناک ارادہ پر عمل کر گزرنے کی ٹھان لینا جب بحر عرب، بحر ہند اور بحر احمر کے تمام سواحل پرتگیزی، ولندیزی قزاقوں اور فرانسیسی و انگریزی تاجر صورت ملک گیروں کی بحری ترک تازیوں کے جولاں گاہ بنے ہوئے تھے۔ علانیہ حاجیوں کے جہاز لوٹے جاتے تھے۔ جس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں بلکہ ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے۔ یوں بھی شمالی ہند سے جنوبی ہند کے علاقوں کو طے کر کے سورت کی بندرگاہ تک پہنچنا آسان نہ تھا۔ خشکی میں ہر جگہ خصوصاً صوبجات متوسط اور مالوہ گجرات جو بندرگاہ کے راستہ پر واقع تھے۔ مرہٹوں کی شورشوں کی خصوصی آماج گاہ بنے ہوئے تھے۔ تاہم شاہ صاحب راہ کی ان تمام دشواریوں کے باوجود عزم حجاز کو پورا کر کے رہے۔ راستہ کا یہ حال تھا کہ رات کو اگر کوئی ساتھی کسی گاؤں یا آبادی میں بھی چھوٹ جاتا تھا تو شاہ صاحب "یا بدیع العجائب یا بدیع العجائب" کا وظیفہ شروع کر دیتے تھے جس کے یہ معنی ہیں کہ گویا ایسے آدمی کا بچ کر خطرہ سے نکل آنا ایک اعجوبہ روزگار بات تھی۔ بہر حال میرے نزدیک علاوہ حج و زیارت اور دوسرے مقاصد کے ایک بڑا محرک، جیسا کہ آئندہ بھی اس پر کچھ بحث

Marfat.com

کی جائے گی مسلمانان ہند کے تاریک مستقبل کا احساس بھی تھا جس کی امت سرزمین ہند میں اس حال میں گرفتار ہونے والی تھی کچھ ان تک خبر پہنچائی تھی اور جہاں کی دعائیں رد نہیں ہوتیں وہاں بھی کچھ عرض کرنا چاہتے تھا اسی سلسلہ میں ان کو مکہ معظمہ میں وہ خواب دکھلایا گیا جس کا ذکر گزر چکا اور مدینہ منورہ میں یہ سرفرازی نصیب ہوئی کہ خود ختمی مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ راست اس بشارت سے مفتخر فرمایا کہ

ان مراد الحق فیک ان یجمع شملا من شمل الامة المرحومة بک	تمہارے متعلق خدا کا ارادہ ہو چکا ہے کہ امت مرحومہ کے جتھوں میں سے کسی جتھے کی تنظیم تمہارے ذریعہ سے کی جائے۔
(صفحہ ۶۲ فیوض)	

میرے خیال میں یہ ہندوستان ہی کی امتِ مرحومہ تھی جس کی پراگندگیوں کی تنظیم کا کام ایک خاص الہی تدبیر سے حضرت اور حضرت کے دودمان اور "ذریات طیبات" سے لیا گیا۔ اس مضمون کو کسی آئندہ مناسب مقام پر ذرا تفصیل سے انشاء اللہ عرض کروں گا۔

شاہ صاحب نے ہندوستان کو بالکل خیرباد کہہ کر حجاز ہی میں اقامت کیوں نہیں کر لی

بالفعل یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایسی حالت میں جب شاہ صاحب ہندوستان کو چھوڑ چکے تھے اور ایک دوسری صورت بھی آپ کے سامنے تھی۔ یعنی اپنی اس مسافرت کی مصیبت اور غربت کا ازالہ جس کا احساس

Marfat.com

انھیں اس ملک میں تو ہو چکا تھا یوں بھی تو کر سکتے تھے کہ بجائے غربت اور مسافر کی مصیبت کے ملک حجاز ہی میں رہ پڑتے کیونکہ گو ان ممالک کی خیر بھی نظر نہیں آرہی تھی۔ اور مسلمان جن علاقوں کو اب تک اپنا وطن سمجھ رہے تھے مستقبل کی گھڑیوں پر نظر رکھنے والے وہاں بھی ان کی غربت اور مسافرت کو دبے پاؤں آتا ہوا دیکھ رہے تھے لیکن پھر بھی سے

جو ہجرت کر کے بھی جائیں تو اب تسلی کہاں جائیں
کہ اب امن دامانِ شام و نجد و نیز واں کب تک

کی حالت پیدا نہ ہوتی تھی۔ بالخصوص سرزمین حجاز تو ترکی اور مصری سلطنتوں کے بیچ میں بہت کچھ قابل بھروسہ تھی پھر اس مقدس ملک میں آپ کو قیام کا بھی کافی موقع ملا۔ مختلف مقامات میں آپ کو مختلف اشارے بھی ہوتے رہے اور طرح طرح کے مکاشفے مختلف رنگوں میں ہوئے مگر ان میں کسی جگہ بھی آپ کو اس کا ایما نہ کیا گیا کہ ہندوستان کی واپسی کا ارادہ ترک کر دو۔ یہی نہیں بلکہ آپ کے بعض متوسلوں نے ہندوستان کی ان حالتوں کو دیکھ کر جب چاہا کہ حجاز سے واپس نہ ہوں اور وہیں رہ پڑیں اور مشورۃً شاہ صاحب کو اس بارہ میں خط لکھا تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ

واما عزم ترک الرجوع	اور یہ ارادہ کہ وطن کی طرف اب
الی الوطن فلا تبتدأ بہ	واپس نہیں ہونا چاہتے تو اس پر
حتّٰی یشرح اللّٰہ صدرکم	اصرار نہ کرو جب تک خود تمھارا
او صدر رجل لاجلکم	سینہ نہ کھل جائے یا کسی اور شخص

(مکاتیب حیات ولی صا۲۹۱) (یعنی خود شاہ صاحب) کو شرح صدر تمھارے لئے نہ ہوجائے۔

بلکہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امت مرحومہ کے جس طبقہ کے "شمل" کے اجتماع کی آپ نے بشارت پائی تھی۔ اس کے لئے بہرحال اسی "عالم غربت" میں مرنا اپنے لئے پسند کرتے تھے۔ حتیٰ کہ حالات جب روز بدسے بدتر ہوتے چلے جارہے تھے اور آپ کو اس کا یقین ہو گیا۔ کہ اب اس ملک پر مسلمانوں کی حکومت قائم نہیں رہ سکتی۔ اور بہرحال غیر اسلامی قوتوں کا اس پر اقتدار قائم ہی ہوجائے گا۔ تو اب چاہیے آپ اسے اپنے دل کی تسلی خیال کیجئے یا جہاں اور بہت سی چیزیں انھوں نے "غیبی اشارات" کے تحت لکھی ہیں۔ اس کا بھی اعلان کسی گمان غالب کے تحت میں نہیں بلکہ یقین و اعتقاد کی صورت میں کیا ہے۔

شاہ صاحب کی ایک محیر العقول توقع

والذی اعتقدہ ان الفق غلبۃ الھنود مثلاً علی اقلیم ھندوستان فلہ مستقرۃ عامۃ واجب فی حکمۃ اللہ تعالیٰ ان یلھم رؤسائھم الخذلین

اور جس بات کا مجھے یقین ہے وہ یہ ہے کہ اگر مثلاً ہندوؤں کا ہندوستان کے ملک پر تسلط قائم ہوجائے اور یہ تسلط مستحکم اور ہر پہلو کے اعتبار سے ہو۔ جب بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت کی رو سے یہ واجب اور ضروری ہے کہ ہندوؤں کے سرداروں اور لیڈروں کے دل

Marfat.com

بدین الاسلام — میں یہ الہام کرے کہ وہ دین اسلام کو اپنا مذہب بنالیں۔
(تفہیمات الٰہیہ ص۲۱)

غالباً آپ کی یہ تحریر "پانی پت" کے تقدیری فیصلے سے پہلے کی ہے اور خاص کر اسی قوم کے تسلط کے خیال کو انھوں نے تمثیل کی شکل میں پیش کیا ہے۔ بہرحال ہندوستان کے متعلق

"پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے میں"

ان کا نظریہ بلکہ عقیدہ تھا۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ غالباً اسی نظریہ کے موجد اوّل بھی وہی ہیں کیونکہ انھوں نے لکھا ہے کہ "کما الہم الترک" یعنی جیسے ترکوں کو قبول اسلام کی الہامی توفیق ہوئی اور جو اسلامی جھنڈے کو سرنگوں کر رہے تھے۔ خود اس کے آگے سرنگون ہو کر صدیوں اسلامی علم کے دنیا میں تنہا علم بردار رہے۔

شاہ صاحب اور نظریۂ وطنیت

لیکن باوجود اس خیال کے کہ "غربت ومسافرت" کی حالت میں بھی سرزمین ہند کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ انھوں نے اس کا خیال کبھی نہیں پکایا۔ کہ بجائے عرب کے اپنا مرکزی تعلق بھی ہم ہندوستان ہی سے قائم کرلیں، اپنی اسی وصیت میں شدت کے ساتھ اصرارًا لکھتے ہیں:۔

مارا لابدست کہ حرمین محترمین رویم و روئے خودرا برآں آستانہا مالیم۔ — ہم مسلمانوں کے لئے ناگزیر ہے کہ حرمین محترمین ہم جایا کریں اور اپنے چہروں کو آستانوں پر جاکر ملاکریں۔

Marfat.com

اورآخر میں دو ٹوک قطعی فیصلہ کی صورت میں ارقام فرماتے ہوئے نظریہ" وطنیت "کی جو واقعی جڑ ہے اس پر تبر لگاتے ہیں۔

سعادت ما ایں ست وشقاوت ما در اعراض ازیں۔

ہماری سعادت اور کامیابی اسی میں ہے۔ اور ہماری بدبختی وشقاوت اس مسلک سے روگردانی اوراعراض کرنے میں ہے۔

کس قدر عجیب بات ہے آج " ہندی قومیت " انڈین نیشنلسٹی" کی راہ کا جو سب سے بڑا کانٹا خیال کیا جاتا ہے کہ مسلمان جسم کو اپنے تو رکھتے ہیں ہندوستان میں لیکن دل ان کا رہتا ہے مکہ اور مدینہ میں۔ کہا جاتا ہے اور علانیہ کہا جاتا ہے کہ جب تک یہ دوری کاٹ نہیں دی جائے گی۔ اس ملک میں صحیح وطنیت "کا جذبہ کبھی بارآور نہیں ہوسکتا اور سچی بات بھی یہی ہے کہ وطن پرست ہی نہیں بلکہ ایک اچھے وطن دوست کے لئے بھی یہ بات دنیا کی نظر میں قابل تعجب ہوسکتی ہے اور ضرور ہوسکتی ہے کہ رہتا ہے وہ ہندوستان میں اور ہر تھوڑی دیر بعد وہ سر جھکاتا ہے۔ اس خطہ کی طرف، اس ملک کی طرف، اس سمت کی طرف اور اس قبلہ کی طرف جو ہزاروں میل سمندر پار ایک ریگستان میں ہے " وطن پرستوں " کے نزدیک تو یہ طریقہ غلط اور اتنا غلط ہے کہ جہاں تک جلد ممکن ہو اس کا خاتمہ کر دینا چاہیئے۔ لیکن وطن پرستوں کے ایک حلقہ میں بھی اس کی لاسود کوشش جاری ہے کہ دونوں نظریوں میں تطبیق دی جائے

Marfat.com

اور "ماجعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ" کے قدرتی قانون کو توڑ کر چاہا جاتا ہے کہ ایک ہی آدمی کے سینے میں دو دل بنا دیئے جائیں۔ ایک اللہ والے آخر کسی دوسرے اللہ کا اضافہ اپنے معبودوں، مطلوبوں، مقصودوں میں کیونکر کریں۔

بہرحال جس کی جو سمجھ میں آرہا ہے کر رہا ہے۔ اور ذاتی طور پر میں ان خیالات میں کسی خیال کی ترجیح کی صلاحیت اپنے اندر نہیں پاتا۔ لیکن حضرت شاہ صاحب کا خیال یہی تھا کہ مسلمانوں کی ساری سعادت اسی میں ہے کہ وہ اپنا مرکز حرم کی زمین پاک ہی کو بنائے رکھیں۔ اور ان کی پوری بدبختی یہی ہے کہ کسی حیثیت سے بھی وہ ان دونوں مقدس مقاموں سے الگ ہو جائیں۔

حجازی تہذیب اور مسلمانوں کے امتیازی طریقۂ زندگی کے بارہ میں شاہ صاحب کا تشدد

اور صرف یہی نہیں۔ بلکہ اپنی مختلف کتابوں کے مختلف مقاموں پر منجملہ چند کلی امور کے شاہ صاحب جس پر بالکل بے اختیار ہو کر بھیر جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ "مسلمان خواہ کسی ملک میں اپنی ابتلائی زندگی گزاریں۔ لیکن بہرحال اپنی وضع قطع اور طرز بود و ماند میں ان کو اس ملک کے مقامی باشندوں سے قطعاً جدا رہنا چاہیے اور جہاں کہیں رہیں اپنی عربی شان اور عربی رجحانات ہی میں ڈوبے رہیں"۔ اسی وصیت میں فرماتے ہیں اور اپنے اس خیال کی توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

Marfat.com

عربیت نسب، عربیت لسان ہر دو فخر ماست کہ ما السید الاولین والآخرین وافضل انبیاء و المرسلین و فخر موجودات علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات نزدیک می گردانند۔

عربی نسل، عربی زبان، یہ دونوں چیزیں ہمارے لئے فخر ہیں کہ انھیں دونوں نسبتوں سے ہم سید الاولین والآخرین افضل الانبیاء والمرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات سے نزدیک رہتے ہیں۔

پھر اس کے بعد اور صراحت کرتے ہیں کہ

شکر نعمت عظمیٰ آں ہست کہ بقدر امکان عادات و رسوم عرب اوّل کہ منشاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم است راز دست ندہیم۔

اس سب سے بڑی نعمت کا شکر یہی ہے کہ حتی الوسع عرب اوّل کے عادات و رسوم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء ہے، اس کو ہم اپنے ہاتھوں سے نہ چھوڑیں۔

شاید ہمارے ہی بعض حلقوں میں قیامت کا شور برپا ہو جائے گا او غل مچایا جائے گا۔ جب ان کو سنایا جائے گا کہ یہی امام ولی اللہ جن کو ہندی نیشنلزم اور "قومی پالیسی" کے پہلے علم بردار لیڈر ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اپنی اسی وصیت میں آگے فرماتے ہیں کہ

رسوم عجم و عادات ہنود را درمیان خود نہ گذاریم

عجم (غیر عربی اقوام) کی رسمیں اور ہندوؤں کی عادتوں کو چاہیئے۔ کہ ہم اپنے اندر کسی طرح باقی نہ رکھیں

اب للہ مجھے بتاؤ۔ کہ جب شاہ صاحب ہی کا نام لے کر مسلمانوں کو لباس اور وضع قطع تک میں غیروں کے قدم بقدم چلنے کا مشورہ دیا جائے اور مجھے اس پر حیرت اور غصہ ہو تو کیا قصور وار میں ہی ہوں؟

انصاف! انصاف!! اے اہل انصاف! للہ انصاف!!!

اور اسی ایک جگہ کو نہیں "زی الاعاجم" (غیر عربی اقوام کے فیشن) کے متعلق آپ نے کی صدا شاہ صاحب نے اپنی کس کتاب میں نہیں لگائی ہے۔ آپ نے ایک مکتوب میں اس کا اندازہ کر کے کہ "وضع و قطع" یا فیشن کی تبدیلی کا عارضہ پہلے کھاتے پیتوں اور ان ہی لوگوں کو پکڑتا ہے۔ جو تھوڑی بہت معاشی فراغ بالی رکھتے ہوں جس کا شاہ صاحب کو تو فقط اندازہ ہوا تھا۔ اور ہم اپنی آنکھوں سے اس کا تماشہ کر رہے ہیں۔ اگرچہ اس زمانہ میں "امیروں" کی "حقیقت" پر "تعلیم یافتگی" کی چادر اڑھا دی گئی ہے اور جب ارباب ثروت و فراغت کا ذکر آتا ہے۔ تو عموماً لوگوں کا ذہن پرانے جاگیرداروں اور زمینداروں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ مدت ہوتی۔ کم از کم مسلمانوں میں تو اس طبقہ کا گویا خاتمہ ہو چکا ہے اور اب ان کی جانشینی کا کام وہی لوگ انجام دے رہے ہیں جو کسی نہ کسی حیثیت سے موجودہ حکومت کے متوسلین میں ہیں، ان میں وہ سارے عوارض پیدا ہو چکے ہیں جو عموماً امیروں اور امیرزادوں کے ساتھ خاص ہیں لیکن ایک لفظ "تعلیم یافتہ" بول کر خود ہی نہیں بلکہ دوسرے بھی ان کو امراء و اغنیاء

کے جرگہ سے باہر کر دیتے ہیں اور اب جو کچھ امیروں کے متعلق سنا جاتا ہے۔ سمجھتے ہیں کہ اس کا نشانہ "تعلیم یافتوں کا معاشی وسعت رکھنے والا گروہ نہیں ہے۔ بہرحال شاہ صاحبؒ نے اس خط میں چند خاص طبقات سے مکتوب الیہ کو پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں :-

اہل عجم کے فیشن اختیار کرنے والوں سے شاہ صاحب کی بیزاری

فایاک و اغنی طاغ یتکلف زی الاعاجم ویتدا خل فی مضاربۃ الجماجم

(منقول از حیات ولی صفحہ ۲۹۰)

خبردار! بچے رہنا اس تونگر امیر سرکش سے جو خواہ مخواہ غیروں (عجمیوں) کے فیشن کو زبردستی اختیار کرتا ہے اور جو لوگ صحیح راہ سے منحرف ہیں۔ ان سے برابری اور مقابلہ کے میدان میں گھسا پھرتا ہے۔

موجودہ اصطلاع کے "تعلیم یافتوں" اور پرانے محاورہ کے تونگروں امیروں میں یہ دونوں خصوصیات کتنے بہتر طریقے پر پائی جاتی ہیں۔ لیکن شاہ صاحب بیچاروں کو کیا معلوم تھا کہ آئندہ دنوں میں ارباب غنا وثروت تو اپنی امارت وتونگری کی وجہ سے بہ تکلف زبردستی غیروں کی ریس کریں گے۔ لیکن جو غربت کی وجہ سے اس مرض سے محفوظ رہیں گے ان کے سر ان ہی کی امامت اور قیادت کے نام سے غیروں کے لباس اور معاشرت کے منڈھنے کی کوشش کی جائے گی۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون

Marfat.com

پھر شاہ صاحب نے ہندوستان کو کیوں نہیں چھوڑا

اس قصہ کو مختصر کر کے میں پھر اپنے اصل مضمون کی طرف متوجہ ہوتا ہوں یعنی بہرحال شاہ صاحب کے گزشتہ بیانات سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ ہندوستانی مسلمانوں کے ان مصائب کو دیکھتے ہوئے بھی اور اس کا بھی اندازہ لگاتے ہوئے کہ زوال کی یہ حالت ابھی دور تک جاتے گی۔ شاہ صاحب نے "ہندوستان" چھوڑنے کا ارادہ کبھی نہیں فرمایا اور نہ کسی کو اس کا مشورہ دیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والے کروڑوں مسلمانوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر محض اپنی تن آسانی کے لئے ملک سے باہر نکل جائیں گویا ؎

زاہد نداشت تاب جمال پری رُخاں
کنجے گرفت و ترس خدارا بہانہ ساخت

درحقیقت کشمکش حیات سے کسی طرح پیچھا چھوٹ نہیں سکتا

حالانکہ جب زندگی ابتلائی کشمکشوں ہی کا نام ہے۔ اور جو بھی جہاں کہیں بھی جس حال میں ہے۔ وہ

ع "زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے" ——— کی چیخ میں مبتلا ہے۔

حتّٰی کہ ایک ملک، ایک مذہب، ایک رنگ، ایک معاشرت رکھنے والا یورپ آج جن قیامت خیز مصیبتوں کا شکار ہے اس سے زیادہ کا تو شاید تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اور آج کیا کب ایک صدی بھی باہم

Marfat.com

اتحاد و اشتراک و تعلیم و تہذیب و روا داری اس ملک میں خون کی ندیاں نہیں بہی ہیں، سروں کو گردنوں سے نہیں اڑایا گیا ہے اپنے ہی ہم مذہبوں نے خود اپنے مذہب والوں کی عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم نہیں کیا ہے گھروں میں آگ نہیں لگائی ہے۔ مال و دولت کو تاخت و تاراج نہیں کیا ہے ——— ہاں تو پھر "ثم خیراً" کے خیالی منصوبے پکانا کہ یہاں سے چھوڑ کر دوسری جگہ جب چلے جائیں گے تو عافیت نصیب ہوگی۔ اور جس آسمان کے نیچے یہاں ہیں کسی دوسری زمین میں وہ آسمان بدل جائے گا خام خیالی نہیں تو کیا ہے؟ ——— بلاشبہ بعض اوقات خاص حالات میں قومیں اس فعل پر بھی مجبور ہوتی ہیں۔ اور مجبوری ارادی نہیں بلکہ مجبوری ہی کی شکل میں آتی ہے اس وقت اس پر عمل ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اور ایسی حالت میں عمل نہ کرنے والے اپنی قومی و ملی خصوصیات کو کھو بیٹھتے ہیں۔ لیکن ہر تھوڑی پریشانی کے بعد پیٹھ پھیر کر مورچہ چھوڑ دینا اور اسی کو عقل و رائے کا حکم قرار دینا میرے خیال میں بزدلی ہی نہیں۔ بلکہ ان لاکھوں بلکہ کروڑوں بیکسوں، کمزوروں کے ساتھ غداری بھی ہے۔ جنہیں دشمنوں کے پنجوں میں پھڑپھڑانے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ حتی الوسع حالات کا مقابلہ کرنا چاہیئے اور اپنے سے زیادہ ان بے وسیلہ غریب ہم قوموں کا خیال کرنا چاہیئے جو اپنے اندر بھاگنے کی سکت بھی نہیں پاتے ——— میرا خیال ہے کہ شاہ صاحب نے اسی خیال سے ہندوستان کو چھوڑنے کا ارادہ نہیں فرمایا۔ اور اپنے

Marfat.com

کو اس حدتک راضی کر لیا۔ کہ اگر خدانخواستہ اس پر ہنود کا عام اور تام دخل وقبضہ بھی ہوگیا تو اس وقت بھی ان کو یقین تھا جیسا کہ پہلے بھی یقین دلایا گیا ہے کہ "وہی نہیں جن پر ہم گرتے ہیں بلکہ وہ بھی جو ہم پر گریں گے ان کو چکنا چور ہونا پڑے گا"۔ اسلام کی مادی تاریخ بجائے پہلی صورت کے دوسری صورت کی شہادتیں اپنے اندر زیادہ تعداد میں رکھتی ہے۔ جب گرا چور ہوا، ایران گرا بھسم ہوگیا۔ مصری ہم پر ٹوٹے ان کو ٹوٹنا پڑا۔ ترک جھپٹے۔ لیکن ہم ہی نے ان کو اپنے جھپٹے میں لے لیا ـــــــ اور یہ بھی تو سوچنا چاہیئے۔ کہ ہمارا نصب العین صرف خود ہی جینا نہیں ہے بلکہ اسی کے ساتھ دوسروں کو جلانے کا کام بھی تو ہمارے سپرد ہے۔ اور بقول حضرت شاہ صاحب کے "ختم نبوت" کے اسباب میں ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ پہلے تو شخصی انبیاء اٹھائے جاتے تھے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں جب ایک امت ہی اخرجت للناس کی سند دے کر دنیا کے لئے اٹھائی گئی ہے" پھر اب نا لتو نبیوں کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے۔ قرآن مجید میں متعدد جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت اور نگرانی کو اس کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے کہ ہم بھی شہداء علی الناس (دنیا کے انسانوں) کے نگراں بنے رہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس عہدہ کے ہٹنے کے ساتھ ہی اپنے رسول کی شہادت ونگرانی سے ہم محروم ہو جاتے ہیں کیونکہ جس دن سے ہمارا دماغ عام انسانوں سے ہٹ کر صرف اپنی جماعت تک

محدود ہو گیا ہے۔ روز بروز ان نگرانیوں کی برکات سے ہم محروم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جو النبی الخاتم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی کے لازمی نتائج ہیں

کیا کروں بات میں بات نکلتی چلی آتی ہے قلم کو روکتا ہوں لیکن یہ خیال کرکے کہ پھر موقعہ ملے نہ ملے جو کچھ اپنے اندر ہے دوسروں تک پہنچا دیا جائے۔ جذبات دبانے سے نہیں دبتے اور سلف کے حالات سننے یا سنانے کا مقصد بھی صرف سننا یا سنانا نہ ہونا چاہیئے۔ ماضی سے مستقبل کی زندگی میں اگر کچھ مدد مل سکتی ہے تو پھر یہ کام کی بات ہے۔ ورنہ بجز ایک دلچسپ داستان کے وہ اور کیا ہے۔

ہندوستان میں قیام اور مستقبل کا کام

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ ہندوستان ہی میں قیام کا ارادہ طے کرتے ہوئے شاہ صاحب نے یقیناً اپنے عمل کا کوئی پروگرام بنایا۔ اگرچہ یہ تفصیل انھوں نے اپنے دستور العمل کے ضوابط کو کسی جگہ قلم بند نہیں فرمایا ہے۔ لیکن پھلوں سے بھی درختوں کی نوعیت کا پتہ چلایا گیا ہے۔ خود جس کا عمل اس کے منصوبے کی فہرست اگر ہمارے سامنے پیش کرتا ہو تو ہمیں اس کے سمجھنے اور پڑھنے سے انکار نہ کرنا چاہیئے۔

بہرحال میں نے جہاں تک غور کیا ہے اور شاہ صاحب کی کتابوں کی کثرت مطالعہ نے جن نتائج تک مجھے پہنچایا ہے۔ اس کا خلاصہ میرے الفاظ میں یہ ہو سکتا ہے کہ اپنے زمانہ کے مختلف فتنوں کو دیکھ دیکھ کر

ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ گویا ٹھیک "اطیب النغم" میں جو شاہ صاحب کا پہلا شعر ہے ؎

کان نجوما اومضت فی الغیاھب
عیون الافاعی او رؤس العقارب

(ترجمہ) تاریکیوں میں جو ستارے چمک رہے ہیں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ناگوں کی آنکھیں ہیں یا بچھوؤں کے سر ہیں۔

وہ سماں ہندوستان میں ان کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ انھوں نے اندازہ کر لیا تھا اور وہ نہ کرتے تو کون کر سکتا تھا کہ اب ؏

بنے رہو گے تم اس ملک میں میاں کب تک

بہ دیر یا بسویر رہی سہی نام نہاد اسلامی حکومت کے خاتمہ کا وقت قریب آ چکا ہے۔ ان کے سامنے سوال آتا ہوگا کہ آخر ان کروڑوں مسلمانوں کا انجام کیا ہوگا۔ معاش کا کفیل تو "رزاق مطلق" ہے۔ جب تک جو جیتا ہے ذوالقوۃ المتین۔ بہر حال اس کا انتظام کسی نہ کسی شکل میں کر ہی دیا کرتا ہے۔ اور یوں قناعت کی راہوں کو چھوڑ کر کوئی سینہ کوبی ہی پر مُصر ہو تو آج انگلستان جو نہ صرف سیاسی تو تدن کے ذریعہ سے دنیا کے آباد ترین پیداواروں کا "تنہا خرمن" ہے۔ بلکہ تجارت صنعت و حرفت، اثمار، ربوا الغرض مالی انتفاع کے ممکنہ وسائل کی کنجیاں ساری روئے زمین کی اسی کے ہاتھ میں ہیں اور کس انگلستان کا یہ حال ہے جو اپنے طول و عرض میں بنگال کے کسی متوسط درجہ کے ضلع سے

سے بھی بڑا نہیں ہے۔ آبادی بمشکل صرف چار ساڑھے چار کروڑ تک پہنچتی ہے۔ لیکن باایں ہمہ ان چار کروڑ میں تقریباً دو کروڑ ییبر ں اور مزدوروں کے "پیٹ پیٹ" کے شور سے آسمان تھرا رہا ہے ——— آئے دن حکومت والوں پر پتھر پھینکے جاتے ہیں۔ کھڑکیاں توڑی جاتی ہیں اور جو کچھ ہوتا رہتا ہے۔ روزناموں کے تاروں میں اس کی خبریں چھپتی رہتی ہیں۔ بھلا جس ملک کو خود آزادی ہی حاصل نہیں ہے بلکہ بیسیوں ممالک واقالیم کی آزادیاں بھی اسی کی آزادی میں ہضم ہو چکی ہیں سیاستہً بھی" تجارۃً بھی، صنعۃً بھی، حرفۃً بھی ——— اور اس کے سوا ہر راہ سے ہر چیز ہر قوم کی اسی انگلستان کے باشندوں میں فنا ہو رہی ہے۔ جب اس کا یہ حال ہے تو جن کا یہ خیال ہے کہ صرف غیروں سے آزاد ہو کر ہم بتیس کروڑ انسانوں کی" آواز شکم" کو قناعت کے ذریعہ سے نہیں بلکہ حرص وآز کی بھٹیوں کو بھڑکا کر دبانے میں کامیاب ہوں گے ان کے اس خیال کو خواب وخیال کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ آج جو حضرات عوام کو اپنے جھنڈوں کے نیچے پیٹ بجا بجا کر بلا رہے ہیں اور دنیا کو یہ بتلا اور سمجھا رہے ہیں۔ کہ انسان کے لیے سب سے مقدّم اور اہم پیٹ کا مسئلہ ہے۔ اور اعضاء انسانی میں عضوِ رئیس بس معدہ ہے۔ ان کو "فکر معقول" سے کام لینا چاہیئے۔ کہ جس راہ پر آدم کی اولاد کو وہ لے جا رہے ہیں یہ ترکستان جا رہی ہے یا کعبہ پہنچاتے گی۔

بہرحال میرے نزدیک شاہ صاحب کے سامنے مسلمانوں کے "تشکم" کے غم سے زیادہ زندگی کے اس "سوال اہم" کا "غم" تھا۔ جس کے جواب کے بغیر اس دنیا کی ہر زندگی بے نتیجہ ہو کر رہ جاتی ہے یعنی محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو "انجام" کی درستی کے لئے "آغاز" کا جو شعور خدا کی طرف سے پہنچایا تھا۔ شاہ صاحب دیکھ رہے تھے کہ مسلمانوں کو اس پیغام سے جو تعلق ہے۔ ان فتنوں کی پہلی زد قدرتاً اسی تعلق پر پڑے گی۔ اب تک تو ہر مسلمان علاوہ موروثی مسلمان ہونے کے "علی دین ملوکہم" کے قانون کے تحت بھی مسلمان ہی رہنے میں فائدہ محسوس کرتا تھا۔ بلکہ غیروں میں بھی کتنے تھے جو اپنے مسلمان نہ ہونے پر اس زمانہ میں پچھتاتے تھے۔ لیکن جب "ملوک" بدل جائیں گے اور "ابتلٰی عوہا وجعلوا اعزۃ اھلھا اذلۃ وکذالک یفعلون"[1]۔ کے مستمر قاعدہ کی بنیاد پر اس وقت اسلام سے وابستگی کا یہ "ملوکی" ذریعہ بھی باقی نہ رہے گا سوال یہی تھا کہ پھر اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن مبارک کے ساتھ بندھے رہنے کی ہندوستان میں مسلمانوں کی کیا شکل ہوگی۔

دوسری طرف | شاہ صاحب کے زمانہ کے "علما و مشائخ" کی کمزوریاں

---

[1] قرآن کی آیت ہے کہ ملکہ سبا نے کہا تھا کہ "سلاطین جب کسی ملک میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو بگاڑ دیتے ہیں اور ملک کے عزت والوں کو خوار و ذلیل کر دیتے ہیں ۔ ۱۲ ۔

Marfat.com

وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ ہندوستان میں مذہب اسلام کی تعلیم و تعلم نشر و اشاعت کے جو ذمہ دار ہیں۔ ان کے دونوں طبقوں یعنی مذہب کے ظاہری رسوم و عام عقائد کے محافظ جنہیں عموماً علما کہتے ہیں اور مذہب کی واقعی روح اور اس کے باطنی مقاصد کے علم بردار جنہیں صوفیہ و مشائخ کہتے ہیں۔ دونوں گروہوں کا اس زمانہ تک پہنچتے پہنچتے عجب حال ہو رہا تھا۔ شاہ صاحب کے جس "پیغام" کا ترجمہ پہلے درج کر چکا ہوں، اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس عہد کے علماء کی کیا حالت تھی کہ اُن کو مخاطب کرکے فرمایا تھا۔

اشتغلتم بعلوم الیونانیین وبالصرف والنحو والمعانی

تم یونانیوں کے علوم اور صرف و نحو و معانی میں الجھے ہوئے ہو۔

فقیہوں کی بے راہ روی اور بے بصری

اور یہ تو عام علماء کا حال تھا خصوصیت کے ساتھ جنہیں علماء دین کا لقب حاصل تھا۔ اور فلسفہ و منطق سے وہ ناکارہ تھے جن کا نام فقہا تھا ان کی یہ کیفیت تھی کہ دین کے حقیقی سرچشموں قرآن و حدیث اور ائمہ مجتہدین اور ان کے تلامذہ کے اقوال تک سے بہت دور آگے نکل کر ہر وہ چیز جو فقہ کے نام سے کسی کتاب میں لکھی ہوئی ہوتی۔ ان کے نزدیک "وحی محکم" اور "نص قطعی" کا درجہ حاصل کیے ہوئے تھی اپنی مشہور کتاب "انصاف" میں فقہاء عصر کی تصویر ان الفاظ میں کھینچتے ہیں:

فالفقیہ یومئذ ھو الثثر اس زمانہ میں فقیہ اس شخص کا نام

المتشدق شدقیہ الذی حفظ اقوال الفقہاء قویہا وضعیفہا من غیر تمیز وسرد ہا بشقشقۃ شدقیہ

ہے جو باتونی ہو زور زور سے ایک جبڑے کو دوسرے جبڑے پر پٹکتا ہو۔ جو فقہا کے اقوال قوی ہوں یا ضعیف سب کو یاد کرکے بغیر اس امتیاز کے ان میں سے کس میں قوت ہے کس میں نہیں ہے وہ انھیں اپنے جبڑوں کے زور سے چلتا کرتا رہے۔

(۹۳)

اسی گروہ کے متعلق دوسری جگہ لکھتے ہیں۔ کہ ان بے تمیزیوں کا یہ حال ہے کہ خود امام ابو حنیفہؒ ان کے تلامذہ اور بعد کے علماء کے اقوال تک میں فرق نہیں کر سکتے۔

ویزعم ان جمیع ما یوجد فی ہذہ الشروح الطویلۃ وکتب الفتاوی الضخمۃ فہو قول ابی حنیفہ و صاحبیہ ولا یفرق بین القول المخرج و بین ما ہو قول فی الحقیقۃ ولا یحصل معنی قولہم علی تخریج الکرخی

(یعنی اس زمانہ کے فقیہوں کا خیال یہ ہے کہ طویل وضخیم شرحوں اور فتاوی کی کتابوں میں جو مسائل پائے جاتے ہیں۔ یہ سارے کے سارے امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کے ہیں (یہ مسکین فقیہہ) اس کی تمیز نہیں رکھتا کہ جو باتیں ائمہ کے اصول کی بنیاد پر ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔ ان میں اور جو واقعی

کذا و علیٰ تخریج الطحاوی	ان کے اقوال ہیں۔ ان میں کیا فرق
کذا ولا یمیز بین قولھم	ہے وہ بیچارہ فقہ کی یہ اصطلاح بھی
جواب المسئلۃ علیٰ قول	نہیں سمجھتا جو لکھتے ہیں کہ فلاں
ابی حنیفۃ کذا وعلیٰ اصل	بات کرخی کی تخریج پر مبنی ہے
ابی حنیفۃ کذا (۸۶)	یا طحاوی کی تخریج سے اس کا تعلق ہے

اسی طرح یہ قول کہ ابو حنیفہ کے قول پر مسئلہ کا جواب یہ ہے۔ اور ابو حنیفہ کی اصل پر جواب یہ ہے۔ ان دونوں قولوں میں ان کو کوئی تمیز نہیں ہوتی اور یہ بیچارے ان میں کوئی فرق نہیں جانتے۔

اس قسم کی واقعی تنقیدوں سے ان کی کتابیں معمور ہیں۔ ماسوا اس کے ایک گروہ ان لوگوں کا بھی تھا جو

فَھَمُّوا الطلب العلم توصلا	طلب علم کے لئے اس لئے آمادہ
الیٰ العز ودرالجاہ فاصبح	ہوئے تاکہ علم کو اپنی عزت اور جاہ
الفقھاء بعد ما کانوا	کے حاصل کرنے کا ذریعہ بنائیں۔
مطلوبین طالبین وبعد	نتیجہ اس کے بعد یہ ہوا کہ فقہا جو
ان کانوا اعزۃ بالاعراض	پہلے عوام کے مطلوب تھے اب یہی
عن السلاطین اذلۃ	عوام کے طالب ہو گئے اور سلاطین اور
بالاقبال علیھم (۸۱)	بادشاہوں کے دربار سے الگ
	رہنے کی وجہ سے جو معزز شمار کئے

جاتے تھے اب بادشاہوں کے آستانوں پر وہ جھک کر ذلیل وخوار ہو رہے ہیں

دین کے ان تماشیہ برداروں کو شاہ صاحب دیکھ رہے تھے۔ اور ان کا سینہ شق ہوا جاتا تھا۔ ملوکی "رابطہ کے ختم ہونے کے بعد مسلمانوں کو ان کے صحیح دین پر باقی رکھنے کی ایسوں سے کیا توقع ہو سکتی تھی پھر کچھ ہی دن پیشتر ان ہی دنیا طلب علماء کے ہاتھوں اکبر کے دربار میں اسلام کا جو ہنجار ہو چکا تھا۔ اس کا نقشہ بھی شاہ صاحب کے پیش نظر تھا۔

صوفیوں کی افسوسناک حالت

دوسری طرف صوفیہ اور مشائخ کی جو کیفیت تھی شاہ صاحب کے دردمند دل کے لئے وہ صرف اذیت اور دُکھ ہی بنی ہوئی تھی کیونکہ علماء سے زیادہ غریب مسلمانوں پر اس زمانہ میں خصوصًا ہندوستان میں ان ہی کا اثر غالب تھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کہ اگر مسلمان اُن ہی کے ہاتھوں میں سپرد کر دیئے گئے تو یہ ان کو کہاں لے جاکر غرق کریں گے اپنے وصیت نامہ میں لکھتے ہیں:۔

کرامات فروشاں ایں زماں
ہمہ الا ماشاء اللہ طلسمات و نیرنجات
را کرامات دانستہ اند

کرامتوں کے بیچنے والے اس زمانہ میں سب کے سب (بجز اس کے جسے خدا چاہے)، اپنی طلسماتی کارروائیوں اور علم نیرنج کے نتائج کو کرامات سمجھے بیٹھے ہیں۔

پھر اس کی تفصیل کرنے کے بعد کہ آدمی طلسمی قوانین اور علوم نیرنجات کے زور سے کس کس قسم کے "خوارق" دکھا سکتا ہے آخر میں فرماتے ہیں کہ

Marfat.com

واعمال جوگ کہ بعضے ملاحظات جوگیہ را خاصیتے تمام است در اشراف وکشف۔

اور جوگ کی بعض تدبیریں، کیونکہ جوگیوں کی زندگی کے بعض پہلوؤں کو دوسرے کی حالت پر فی الجملہ اطلاع یا کشف وغیرہ سے خاص تعلق ہے۔

جن لوگوں نے شاہ صاحب کے متعلق خیال قائم کیا ہے کہ انھوں نے ہندوستان کے براہمہ اور جوگیہ کے فلسفہ ویدانت اور فلسفہ یوگا کو اسلامی حقائق سے مخلوط کر کے ایک "جدید ہندی دین" کی بنیاد ڈالی ہے۔ کیا ان کی نگاہوں سے یہ اور اس قسم کی بیسیوں عبارتیں نہیں گزری ہیں۔ شاہ صاحب نے صاف کھل کر لکھ دیا ہے کہ

بسیارے از سادہ لوحاں دیدہ ایم کہ چوں ایں اعمال از شیخے فراگرفتہ اند آں را عین کرامت می دانند۔

میں نے بہت سے سادہ لوحوں کو دیکھا ہے کہ کسی شیخ سے جب اس قسم کے عمل وغیرہ کو سیکھ چکتے ہیں تو ان باتوں کو ٹھیک کرامت قرار دیتے ہیں۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ:۔

صلاح وفجور، مقبول بودن یا مردود بودن دریں جا ہیچ فرق پیدا نمی کند

نیکوکاری یا بدکاری اسی طرح مقبول ہونا یا مردود ہونا اس معاملہ میں اس اختلاف حال سے کوئی فرق نہیں پڑتا ر یعنی ان روحانی ورزشوں سے

Marfat.com

یہ نتائج ہر ایک میں پیدا ہوتے ہیں خواہ شقی ہو یا سعید۔

نمود و انمود کا فتنہ

خصوصاً جو زمانہ شاہ صاحب کا تھا۔ طرح طرح کے طریقے اور نئی نئی شکلوں میں تصوف پیش ہو رہا تھا۔ آپ ہی کے عہد میں دلی کا وہ مشہور مردود المعروف بہ "نمود و انمود" ایک خاص بھیس میں ان ہی طلسمی نیرنجاتی جوگیاتی طریقوں کو سیکھ کر نمودار ہوا تھا۔ جس نے ایک خاص زبان اور اس کے قواعد ایجاد کیے تھے۔ اور اپنے ایک ساتھی کو محرم اسرار بنا کر ــــ آوزہ، مقدمہ" نامی کتاب کے الہام کا دعویٰ کیا تھا۔ مدعی تھا کہ نبوت اور وصیت کے درمیان ایک اور لاہوتی عہدہ ہے۔ جس کی تعبیر وہ "بیگوکت" کے لفظ سے کرتا تھا، کہتا تھا کہ ہر اولوالعزم پیغمبر کے ساتھ ہمیشہ نو بیگوک ہوا کیے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی نو ہی بیگوک کا پیدا ہونا ضروری ہے پھر شیعوں کی جماعت میں تو یہ کہتا کہ بیگوک اوّل حضرت علی کرم اللہ وجہ، تھے۔ ان کے بعد آٹھ اماموں تک یعنی حضرت علی رضا علیہ السلام تک امامت اور بیگوکت کے عہدے ایک ہی ذات میں جمع ہوتے رہے۔ ان کے بعد صرف امامت رہ گئی اور نواں آخری بیگوک کا منصب مجھے حاصل ہوا ہے۔ مجھ ہی پر یہ عہدہ ختم بھی ہوتا ہے۔ اور سنیوں سے کہتا کہ چار بیگوک تو خلفاء راشدین تھے۔ اور باقی چار بیگوکوں کے لئے بنی امیہ اور عباسیہ کے بعض ایسے خلفائ کے نام لیتا جو گونہ نیکی اور دینی حمیت میں امتیاز رکھتے تھے اور نواں بیگوک اپنے کو ٹھیراتا۔

Marfat.com

اس نے عوام کو فریب دینے کے لئے اپنے مریدوں اور لڑکوں لڑکیوں کے خاص خاص مجہول المعنی نام رکھے تھے۔ مثلاً وہی محرم اسرار جو گویا اس کا خلیفہ تھا۔ اس کا نام "دوجی یار" تھا تما نمود اور فغا ر نمودید یہ اس کے لڑکوں اور "نمانہ کلاں نمانہ خورد" لڑکیوں کے نام تھے۔ مریدوں کو "فربود" کہتا تھا۔ اس نے پنج وقتہ نمازوں کے سوا "ویر" نامی عبادت کا طریقہ جاری کیا تھا۔ جو طلوع و غروب و استوا شمس کے وقت ایک خاص طریقہ سے ادا کی جاتی تھی علاوہ اسلامی عیدوں کے چند مزید تہواروں کا اضافہ کیا تھا۔ یعنی جن دنوں میں (انعیاذ باللہ) وحی کی اس پر ابتدا ہوئی۔

ملعون مدعی تھا کہ اس پر بھی وحی دو طریقوں سے آتی ہے ایک یہ آفتابی قرص اس کے سامنے نمودار ہوتا ہے اور اسی پر حرف لکھے ہوتے نظر آتے ہیں۔ اور دوسری میں آواز آتی ہے۔ الغرض خرافات کا ایک سیلاب تھا جو پیر و مرید نے مل کر بہایا تھا چونکہ بعض امراء بھی اس کے معتقد ہو گئے تھے۔ اس لئے عوام کا میلان بھی اس کی طرف بتدریج بڑھتا جاتا تھا۔ حتٰی کہ فرخ سیر بادشاہ بھی اس کی استجابت دعا کی شہرت سن کر تنہائی میں ملا۔ مکار نے یہ سن کر کہ بادشاہ ملنے آرہا ہے کمرہ کا دروازہ بند کر دیا۔ ہزار منت و سماجت کے بعد جب دروازہ کھلا تو بادشاہ کے سامنے اس مرگ چھالے کو پھینک کر جس پر خود بیٹھا ہوا تھا بولا۔

پلوست تخت گدائی و شاہی   ہمہ داریم آنچہ می خواہی

Marfat.com

بادشاہ اپنے ساتھ روپوں اور اشرفیوں کی تھیلیاں نذر کے لئے لے گیا۔ ٹھوکر مار کر کنارہ کر دیں۔ جب فرخ سیر نے بہت اصرار کیا تو خود نوشتہ قرآن دے کر اس کی اجرت کل ستر روپیہ اس نے قبول کی۔ بادشاہ پر اس کی مصنوعی بے نیازی و استغنا کا پورا اثر ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اب تک تو کچھ علماء اور عام پبلک کے خوف سے اپنے ان خرافات کے علانیہ اظہار کی اسے جرأت نہ ہوتی تھی۔ لیکن بادشاہ کی عقیدت مندی کے بعد خوب کھل کھیلا ایک خاص قسم کی لمبی ٹوپی سر پر رکھے آگے آگے دو جھنڈوں کے ساتھ اس کے "فربود" اس کی سواری نکالتے تھے۔ باہم ایک دوسرے پر عنبر و گلاب چھڑکتے جاتے اور وہی مجہول المعنی اختراعی الفاظ والے منتر جپتے جاتے تھے۔ اور اب ان کو کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ دلی کی ایک بڑی مخلوق اس کی معتقد اور اس کی اصطلاح میں اس کی "فربود" ہو گئی تھی۔ فرخ سیر کے عہد تک اس کا یہی حال رہا۔ محمد شاہ کے زمانہ میں جب محمد امین خاں[1] منصب وزارت سے سرفراز ہوئے تو منجملہ اور کاموں کے اس "نمود وا نمود" کی بھی خبر لینی چاہی لیکن اتفاق دیکھئے۔ جیسا کہ طبا طبائی نے لکھا ہے۔ ٹھیک ان ہی دنوں میں جب اس کی گرفتاری کے احکام جاری ہوئے۔ امین خاں جو مرض قولنج میں پہلے ہی سے مبتلا تھے

---

[1] حضرت آصف جاہ اول بانی سلطنت آصفیہ کے عم زاد بھائی تھے ان کے تصے آگے بھی آرہے ہیں ۱۲۰

انتقال کر گئے۔ مردود "ذا ممنود" کے لئے ان کی موت استدراج کا ذریعہ بن گئی۔ اب کیا تھا۔ خوب لن ترانیوں کی لینے لگا۔ اگرچہ دو تین سال بعد خود بھی مر گیا۔ اور اسی کے بعد اس کے خلیفہ اول "دوجی یار" اور صاحبزادے بلند اقبال "نما ممنود" میں نصف لی و نصف لک کے قصہ میں جھگڑا ہو گیا۔ دوجی یار نے آخر ایک دن جب اس کے اکثر "فرلودون" کا مجمع تھا کھڑے ہو کر "سازش" کا سارا قصہ سنا دیا۔ دونوں مل کر جو مسودات بناتے اور کاٹ پیٹ کر درست کرتے تھے ان کا طومار لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ اور کہا کہ اگر

ازجانب خدا می بود۔ حاجت بحک و اصلاح ہم دیگر نداشت	اگر اللہ میاں کی طرف سے یہ کتاب ہوتی تو اس میں کاٹ چھانٹ اور اصلاح کی ضرورت نہ ہوتی۔

دونوں کے حروف کے پہچاننے والے کثرت سے موجود تھے۔ راز کھل گیا۔ اور بیچارے عوام کو اس کے فتنہ سے نجات میسر آئی۔ اگرچہ "نما ممنود" نے کچھ دن اپنے باپ کی بیگوکت کو بجائے دہلی کے ایک دیہات میں جاکر چلایا اور "نما ممنود" کے بعد "فغار" صاحب دوسرے بیٹے نے بھی کچھ دن اس تحریک کو چند لوگوں میں باقی رکھا۔ یہاں تک کہ بالآخر "فغار" کے مرنے کے بعد چند بقیۃ السیف اس کے اعزہ بنگال میں پناہ گزین ہوئے اور مشہور اشقی القوم میر جعفر کے بیٹے میرن کی سرپرستی میں کچھ دن گزارے۔ خدا جانے ان منحوسوں کے نام لیوا اب بھی بنگال میں پائے

جاتے ہیں یا نہیں ؟ تاہم ایک مدت تک خصوصاً اس زمانہ میں جس میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں تھے۔ ہندوستان کے مسلمان اس خبیث فتنہ کے شکار رہو رہے تھے۔ اور واقعہ کچھ بھی نہ تھا۔ عالمگیر کے عہد میں کابل کا صوبہ دار امیر خاں تھا۔ اس کے پاس ایران سے یہی "ممود وا ممود" جس کا اصلی نام محمد حسین تھا، آیا اور سید ہونے کا مدعی ہوا۔ امیر خاں کی بیوی جو لاولد تھی اس نے ایک لڑکی پال رکھی تھی اسی سے اس کا نکاح ہوگیا۔ امیری سے گزرنے لگی۔ امیر خاں جب مر گیا تو محمد حسین جو امیر خاں کے خوشبو خانہ کا داروغہ بھی تھا۔ عطر و گلاب کا تحفہ لے کر دلی چلا۔ لاہور میں عالمگیر کی وفات اور خانہ جنگی کی خبر ملی۔ امراء کے ہاتھ اسی عطر و گلاب کو بیچ کر اس نے ساٹھ ستر ہزار روپے کھرے کئے اور اسی نے "ودجی" یار سے سازش کر کے مکر و فریب کا یہ طلسم کھڑا کیا تھا[1]۔

مسلمانوں کی یہ زود اعتقادیاں جو غلط تصوف کے رواج کا نتیجہ تھیں۔ حتیٰ کہ بادشاہ تک ان ہی اوہام میں مبتلا تھا۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے

---

[1] میں نے اس مردود "ممود وا ممود" کے حالات میں ذرا زیادہ بسط سے قصداً کام لیا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اس زمانہ میں بھی بعض لوگ اپنے مریدوں اور عزیزوں کو جو عجیب و غریب خطابات تقسیم فرماتے ہیں یا نبوت و مسیحیت مہدویت وغیرہ کے معجون سے "بروزی" "مثالی" اور خدا جانے کس کس قسم کی نبوتیں تراش رہے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہندوستان ان تماشوں کو پہلے بھی دیکھ چکا ہے۔ ۱۲

Marfat.com

کہ ایک صاحب بصیرت روح کے لیے کس درجہ سوہان روح بنی ہوئی ہوگی اور بات کچھ اسی پر ختم نہیں ہوگئی تھی۔ یہ تو ایک فرقہ تھا اور بھی اسی قسم کے مختلف فرقے ناموں سے تصوف و عرفان کے بلند آہنگ دعووں کے ساتھ پیدا ہو رہے تھے اور مختلف شعبدوں، کرشموں سے عوام کو اپنی طرف مائل کر کے گمراہ کر رہے تھے۔ شاہ صاحب خود اپنا ذاتی تجربہ بیان فرماتے ہیں:۔

نجوم کے شعبدے اور کہانت کے کرشمے

ما تجربہ کردہ ایم کہ ماہر در فن نجوم چوں دانست الحال کدام دقیقہ است از وقائق روز ازیں جا ذہن او منتقل می شود بطالع وہمہ بیوت ومواضع کواکب درخاطرحل صورت می بندد گویا صفحہ تسویتہ البیوت مقابل او ایستادہ است وہم چنیں ماہر در فن رمل گاہے دردل خود معین می کند کہ فلاں انگشت را لحیان قرار دادہ ام و فلاں انگشت را فلاں

میں نے خود تجربہ کیا ہے کہ نجوم کے فن میں جن لوگوں کو مہارت ہوتی ہے۔ جب انھیں معلوم ہوجاتا ہے کہ اس وقت دن کے دقیقوں میں سے کون دقیقہ ہے تو مطالع کے ہر ہر بیت و مقامات کواکب کی طرف اس کا ذہن منتقل ہوجاتا ہے اور یہی حال ان لوگوں کا ہے جو فن رمل میں ماہر ہوتے ہیں اپنے دل میں یہ خیال جماتے ہیں کہ فلاں انگلی کو میں نے لحیان قرار دیا ہے اور فلاں انگلی کو فلاں شکل اوران سب سے ذہن میں ایک

Marfat.com

شکل در ذہن صورت می بندد ازیں اشکال کدام متولد می شود تا اینکہ زائچہ پیش او حاضر می شود۔

صورت قائم کرکے سوچتے ہیں کہ ان میں ظاہری شکل و صورت میں بچہ کس کے مناسب ہوگا۔ اس طرح زائچہ سامنے ہوجاتا ہے۔

اور یہ نجوم کا حال ہے۔ شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ کہانت جس کی بہت سی قسمیں ہیں۔ جن میں کبھی جن اور ارواح کو حاضر کیا جاتا ہے (یعنی موجودہ زمانہ کا اسپر دلیو چزم) نیز توجہ کو کسی نقطہ پر مرکوز کرکے معمول کو متاثر کرنا جسے اب مسمریزم کہتے ہیں شاہ صاحب لکھتے ہیں:-

ہمت بستن بر کارے و بشکل ہیبت بر آمدن و دل بر دل کسے داشتن و طالب را مسخر کردن ہمہ از فنون نیرنج است۔

(وصیت نامہ ص۴۵)

کسی کام کے متعلق ہمت کو قوی کرنا اور ڈراونی شکل میں لوگوں کے سامنے اپنے کو نمایاں کرنا کسی کے دل پر دل رکھنا اور طالب کو مسخر کرنا یہ ساری باتیں علم نیرنگ سے تعلق رکھتی ہیں۔

لیکن غلط تصوف نے عوام کو باور کرایا تھا کہ یہ ساری باتیں قرب الٰہی کے دلائل ہیں۔

اس زمانہ کا "ہیپناٹزم" جس میں اپنے اوپر وجد کی حالت طاری کرکے غیبی باتیں بتائی جاتی ہیں۔ کچھ لوگ اس راہ سے بھی شکار پھنسا

Marfat.com

رہے تھے۔ حضرت شاہ صاحب ہی کا بیان ہے:۔

ہم چنیں وجد و شوق و قلق	اسی طرح وجد و شوق و بے چینی اور
سرایت ایں حالت در حاضر آں	جو لوگ موجود ہوں ان میں اس
	حال کا ساری و طاری ہو جانا

حالانکہ اس حال کو بھی مقبولیت حق سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ بقول حضرت

منشا۔ آں حدت قوت بہیمہ	اس کا منشا بہیمی قوت کی شدت
است۔	اور تیزی ہے۔

اور یہ تو زندہ پیروں کی کرامات شمار ہوتے تھے۔ وہی تخیلات نے گزشتہ روحوں کے متعلق عجیب و غریب خیالات پیدا کردیئے تھے۔ فاتحہ جو عموماً اس لئے کیا جاتا ہے کہ بزرگوں کی روح کو کچھ قرآن پڑھ کر اور غربا د مساکین کو کھلا کر اس کا ثواب بخشا جائے۔ لیکن سر زمین ہند میں اس فاتحہ نے بتدریج ایصال ثواب کے مقصد کو چھوڑتے ہوئے قریب قریب وہی شکل اختیار کرلی تھی جو ہندوؤں میں چڑھاوے کی ہے۔ یعنی مختلف قسم کے پھل پھول پکوان وغیرہ دیوتاؤں اور دیویوں پر اس لئے چڑھاتے جاتے ہیں کہ ان دیوتاؤں کی روحیں چڑھانے والوں کے اس تحفہ سے خود متمتع اور لذت گیر ہوتی ہیں۔ جاہل مسلمانوں میں اس فاتحہ کا بھی قریب قریب یہی مطلب ہو گیا تھا اور عوام ہی کیا بعض خواص تک کا یہ خیال تھا کہ جو کھانا کسی بزرگ کے نام فاتحہ

Marfat.com

دیا جاتا ہے۔ اس پر اس بزرگ کی روح خود حاضر ہوتی ہے اور اس سے لذت گیر ہوتی ہے۔ مولوی غلام حسین طباطبائی جنھوں نے سیر المتاخرین جیسی کتاب لکھی ہے اور جو ان کے علم وفضل کی کھلی دلیل ہے خود اپنے متعلق ایک موقعہ پر اسی کتاب میں لکھتے ہیں، کہ:۔

بعضے مردم کہ دستر خوان حضرت شاہ مرداں می نمائند وراں نشانے از غیب می شود ۔ چنانچہ در ہند معمولے دمکرر مردم ہوشیار بچشم خود نشانہا را دیدۂ سرمہ اعتقاد ہ بصیرت در دیدہ دلہا کشیدہ اند و ایں کرامت از اں جناب بنظر احقر ہم الحمد للہ مکرر در آمدہ۔ صفحہ ۵۰۴ ج ۲	بعض لوگ جو حضرت شاہ مرداں (یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہٗ) کے دستر خوان کی تقریب کرتے ہیں اور اس دستر خوان پر غیب سے آپ ہی آپ ایک نشان نمایاں ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ہندوستان میں اس کا رواج ہے اور بڑے اچھے ہوش گوش والوں نے بار بار اپنی آنکھوں سے ان نشانوں کو دیکھا اور اپنی آنکھوں میں

اعتقاد و بصیرت کا سرمہ لگایا۔ بلکہ (دستر خوان والی کرامت حضرت کی) اس کا معائنہ تو الحمد للہ متعدد بار اس احقر کو بھی ہوا ہے۔

جس کے معنے بجز اس کے اور کیا ہو سکتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے نام سے جو فاتحہ دی جاتی تھی۔ اس کے متعلق لوگوں کا خیال تھا کہ فاتحہ کے اس کھانے پر خود حضرت تشریف فرما ہوتے ہیں۔ اور اسی لئے "قبولیت" کی علامت اس پر بنا دیتے ہیں۔ بتایا جاتے۔ کہ

Marfat.com

کہاں فاتحہ کا وہ مقصد کہ بزرگوں کی روح کو اس کا ثواب بخشا جاتا ہے اور کہاں یہ اعتقاد کہ اس کھانے پران بزرگوں کی روح خود حاضر ہوتی ہے۔ یہ نشانات کس طرح بنتے تھے۔ اس سے تو خدا ہی واقف ہے۔ لیکن طبا طبائی صاحب ہی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص نے جوان کے نزدیک خارجی العقیدہ تھا شیعوں کے علی الرغم ان غیبی نشانوں کی خبر سن کر دعویٰ کیا کہ ہم بھی یزید وغیرہ کے نام کا فاتحہ دیتے ہیں اور اسی قسم کے دسترخوان کا انتظام کرتے ہیں چونکہ ان کی روحوں سے مجھے اخلاص ہے اس لئے وہ بھی ضرور آکر دسترخوان پر نشان بنائیں گے۔ یہ ارادہ کرکے اس نے دسترخوان کا انتظام کیا اور ایک عورت کو حکم دیا کہ کمرہ میں دسترخوان کو بند کرکے باہر اس کی کنجی لے کر بیٹھ جائے۔ اور تھوڑی دیر بعد دروازہ کھولے اور جب نشانات دسترخوان پر نمایاں ہوں تو مجھے خبر دے تاکہ دوسروں کو بھی اس کا تماشہ دکھایا جائے۔ اب طباطبائی صاحب لکھتے ہیں کہ

زن در باطن شیعہ بود مذہب خود مخفی داشت بعد از ساعتے حسب الامر در را کشود دید کہ سگے سیاہ گرگین وراں جائے کا بر سر دسترخوان نشستہ از ہر گونہ طعام اندک اندک چشیدہ دمی چشد

وہ عورت اندر سے شیعہ مذہب اور تقیہ کئے ہوئے تھی تھوڑی دیر بعد اس نے جب دروازہ کھولا۔ تو کیا دیکھتی ہے کہ ایک کالا بھیڑئے جیسا کتا وہاں دسترخوان پر ہر قسم کے کھانے کو تھوڑا تھوڑا چکھ

از شدت شعف خود داری نتوانست	پچکا اور چکھ رہا ہے۔ عورت کو
بے اختیار رود ید و بشارت رسانید	اپنے مذہب سے جو محبت تھی اس
کہ نشان چہ معنی دارد خود تشریف	نے اپنی خود داری پر اس کو باقی
آوردہ نوش جان می نمایند	نہ رکھا اور بے اختیار ہو کر دوڑی امیر
	کو اس نے بشارت پہنچائی کہ نشان

کا کیا پوچھتے ہیں وہ تو خود ہی تشریف لا کر نوش جان فرما رہے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ حرکت "زن در باطن شیعہ بود" ہی کی تھی۔ پس اسی واقعہ سے ان نشانوں کے بنانے والوں کا سراغ مل سکتا ہے آج بھی ہندوؤں میں جب مردے گنگا میں بہانے کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔ تو ان کے بہنے کے بعد دوسرے دن عموماً پنڈتا یہ اعلان کرتے ہیں کہ جس گھاٹ سے مردہ بہایا گیا اس کے کنارے کی ریت پر فلاں جانور کے پاؤں کے نشانات دیکھے گئے اور اسی سے اندازہ کیا جاتا ہے کہ مرنے والے نے اسی جانور کے جون میں جنم لیا جس کے نشانات نظر آتے ہیں مجھ سے بعض معتبر برہنوں نے بیان کیا کہ یہ کارستانی خود ان پنڈتوں کی ہوتی ہے کہ جو گنگا کے کنارے مردوں کے بہانے کی رسم انجام دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس کے سوا اور ہو بھی کیا سکتا ہے یا ممکن ہے کہ رات کو ہر قسم کے جانور چلتے ہیں ان ہی کو مردے کے قدم کا نشان فرض کر لیا جاتا ہے یا وہم کی خلاقی ہو۔ بہرحال طباطبائی صاحب نے "کتے" کا جو واقعہ نقل کیا ہے اور یہ کہ ہر قسم کے کھانوں کو "اندک اندک" آسے

Marfat.com

چکھتے پا یا گیا اس سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ صاحب فا
کے متعلق لوگوں کا عام خیال یہی تھا کہ تھوڑا تھوڑا ہر کھانے سے
مردہ کی روح چکھتی ہے۔ گو بحمد اللہ اب بہت کم لوگ فاتحہ کے متعلق
یہ خیال رکھتے ہیں اور عموماً اب یہی سمجھا جاتا ہے۔ کہ مقصود بزرگوں
کی روح کو ثواب پہنچانا ہے۔ لیکن بعض لوگ اب بھی ایسے ہیں جنہوں
نے مجھ سے خود کہا ہے کہ "کھانے کی روح کو بزرگوں کی روح آ کر
کھاجاتی ہے اور اس کے مادی وجود کو ہم لوگ کھاتے ہیں۔ اسی بنیاد
پر ہم اس کھانے کو بزرگوں کا اُلش خیال کرتے ہیں"۔ الغرض غلط "تصوف"
اور جھوٹے "تمشیخ" کی راہوں سے اعتقادی وعملی تباہیوں کا سیلاب مختلف
شکلوں میں ملک کے مختلف گوشوں میں مسلمانوں کی خالص اسلامی و دینی
زندگی کے "ایوان" کو دھمکیاں دے رہا تھا۔

ام الفتن یعنی خانہ جنگی

اور سچ پوچھئے تو باہر کے فتنوں کے جگانے میں دراصل جو حقیقی اسباب کام
کر رہے تھے۔ ان کا باہر سے نہیں بلکہ بالکلیہ تعلق ہمارے "اندر" ہی
سے تھا۔ کچھ آج نہیں بلکہ جب کبھی جہاں کہیں یہ صورت پیش آئی ہے
تحلیل و تتبع کے بعد یہی ثابت ہوا کہ جو کچھ ہوا۔

ما ظلمنا ھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون — نہیں ظلم کیا ہم نے بلکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔ کہ ازلی
قانون ہی کے تحت ہوا۔ خصوصاً امت محمدیہ صلی اللہ علی صاحبہا صلوٰۃ

Marfat.com

وسلاً نا کے متعلق تو صحیح حدیثوں میں آچکا تھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ الٰہی میں درخواست پیش کی :-

لا تسلط علیھم عدوًا من انفسھم — (میری امت پر) ان ہی میں سے ان پر کوئی دشمن نہ مسلط کیا جائے۔

تو "الحکیم الغنی" کی طرف سے آپ کو جواب ملا۔

"میں ان پر ان کے سوا کسی (بیرونی دشمن) کو مسلط نہیں کروں گا۔

لا اسلط علیھم عدوا سوی انفسھم فیستباح بینھم من ولوا جتمع علیھم من باقطارھا حتی یکون بعضھم یھلک بعضھا۔ — بلکہ وہی اندرونی دشمن ان کے قلمرو میں تباہی پھیلائے گا۔ اور خارجی دشمن مسلمانوں پر مسلط نہیں ہو سکتے اگرچہ زمین کے کناروں سے سمٹ کر کیوں نہ وہ آجائیں بلکہ مسلمان ہی باہم بعض بعض کو ہلاک کریں گے۔

صحاح کی مختلف کتابوں مثلاً ابوداؤد ترمذی میں الفاظ کی کچھ کمی بیشی کے ساتھ یہ حدیث موجود ہے اور اسلام کی تاریخ مشاہد ہے۔ جو مصیبت مسلمانوں پر جس شکل میں بھی آئی دراصل اس کی ابتدا، گھر والوں سے ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے ا۔

اخشی علیکم الدنیا تنافسوا فیھا (بخاری) — میں تم پر دنیا سے ڈرتا ہوں کہ اس کے معاملہ میں باہم نفسانیت

Marfat.com

میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جب فارس کے اموالِ غنیمت آئے۔ آپ نے ان کو مسجد نبوی کے چبوتروں پر ڈلوا دیا۔ صبح ہوتی تو جو کچھ آیا تھا اس پر سے چادر ہٹالی گئی۔ راوی کا بیان ہے :۔

فنظر عمر الی شی لـم نر عینا ہ مثلہ من الجوھر واللو لؤ والذھب والفضۃ فبکی	عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسی چیزیں دیکھیں جنھیں ان کی آنکھوں نے نہیں دیکھا تھا یعنی جواہرات موتی اور سونے چاندی وغیرہ پس عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رو پڑے۔

عبدالرحمٰن بن عوف حاضر تھے۔ بولے :۔

ھذا من مواقف الشکر فما یبکیک۔	یہ تو شکر کی جگہ ہے پھر آپ کو کس خیال نے رلایا۔

فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں فرمایا :۔

اجل ولکن اللہ لم یعط قوما ھذا الا القی بینہم العداوۃ والبغضاء۔ (کتاب الخراج لابی یوسف)	ہاں! لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو یہ چیز نہیں دی۔ مگر اسی کے ساتھ ان میں باہم عداوت و بغض و کینہ پیدا ہو گیا۔

مغل حکومت بھی عہد عالمگیری کے بعد فتنوں کے جس طوفان میں گھر گئی تھی۔ جس کا ایک اجمالی نقشہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا جانتے

Marfat.com

والے جانتے ہیں کہ باہر سے جتنے سیلاب آئے ان کا سرچشمہ کبھی اندر ہی تھا جس کا افسانہ طویل ہے اور عام طور سے تاریخ کی کتابوں میں مسطور ہے میرا اشارہ اس اندرونی فتنہ کی طرف ہے جس کی تعبیر عام کتابوں میں "ساداتِ بارہ[1]" کے فتنہ سے کی جاتی ہے۔

سادات بارہ کا فتنہ

عالمگیر کے لڑکے بہادر شاہ کے انتقال کے بعد معزالدین جہاندار شاہ اور فرخ سیر میں جنگ ہوئی اس معرکہ میں فرخ سیر کی کامیابی چونکہ بالکلیہ بارہ کے سیدوں میں سے دو بھائی حسین علی خاں اور حسن علی خاں کی رہین منت تھی اسی بنیاد

---

[1] کہا جاتا ہے کہ سید ابوالفرح واسطی اکبر کے عہد سے پہلے عراق کے مشہور شہر واسطہ سے ہندوستان تشریف لائے۔ ابتداءً میں پٹیالہ (پنجاب) کے گردونواح میں آپ کی اولاد آباد ہوئی جن گاؤں میں ان کی اولاد آباد ہوئی تھی ان کے نام چیت، بالا زا تہجن پور اور جگت نیر تھے۔ پھر سادات کا یہ خاندان آگے بڑھا دو آبہ میں آباد ہوا ضلع مظفر نگر میں جانسٹھ ابھی ایک مشہور قصبہ ہے اس میں اس خاندان کے کچھ لوگ آباد ہوئے اور وہی سادات بارہ کے نام سے مشہور ہیں یہ بارہ کیوں کہلاتے ہیں؟ مورخین اس کی توجیہ میں مختلف ہیں لیکن ابوالفرح واسطی کی جو اولاد جگ نیر میں آباد ہوئی تھی اور بعد کو وہ جاجنیری سادات کے نام سے مشہور ہوئی ان کا ایک سلسلہ بہار ضلع مونگیر میں پایا جاتا ہے اور چونکہ بارہ گاؤں میں یہ آباد ہیں اس لئے سادات بارہ گانواں کہلاتے ہیں۔ خاکسار مناظر احسن گیلانی کا تعلق بھی ان ہی جاجنیری سادات سے ہے بارہ کی وجہ یہاں بھی ممکن ہے بارہ گاؤں سے ہو۔ ۱۲

Marfat.com

پر فرخ سیر کے عہد میں حکومت پر ان ہی دو بھائیوں کا اقتدار قائم ہوگیا۔ اور ایسا اقتدار کہ بادشاہ "بیچارہ" شاہ شطرنج "ہوکررہ گیا۔ قدرتاً فرخ سیر کے لئے یہ صورت ناقابلِ برداشت بنتی چلی جارہی تھی۔ سید بھائیوں اور فرخ سیر میں اَن بَن ہوگئی اور اسی مخالفت اور معاندت نے بالآخران نتائج کو پیدا کیا جن کا خمیازہ آج ہندوستان کے مسلمان بھگت رہے ہیں۔ طباطبائی جو ہم مشربی کی وجہ سے بجائے فرخ سیر کے سید بھائیوں کے سخت ترین طرفداروں میں ہیں۔ ان کو لکھنا پڑا کہ یہی فسادات سادات

بمردر تمام مملکت ہندوستان را فروگرفتہ اقتدار سلاطین تیموریہ بالمرہ برباد فنا رفت۔

آہستہ آہستہ ہندوستان کی ساری مملکت کا اس نے احاطہ کرلیا اور تیموری سلاطین کا اقتدار قطعی طور سے فنا کی آندھی کے نذر ہوگیا۔

اس فتنہ کی اصل جڑ شیعہ سنّی اختلاف تھا

اگرچہ بظاہر یہ مخالفت بادشاہ اور ان سید برادران کے درمیان تھی لیکن جو واقعات کے عالم ہیں وہ جانتے ہیں کہ سادات بارہ" کے اقتدار نے دراصل اسی فتنہ کی آگ کو ہوا دے کر تیز کردیا جس کی ابتداء ہمایوں کے عہد سے اس ملک میں شروع ہوئی تھی ـــــــ سب جانتے ہیں کہ یہاں اسلام کا داخلہ (غزنی حملوں کے بعد) ترکستانی مسلمانوں کے ذریعہ سے ہوا۔

اور یہ عجب اتفاق ہے کہ غوریوں سے لودیوں تک جتنے خانوادے

Marfat.com

دلی کے تخت پر قابض ہوئے سب کے سب سنّی حنفی مسلمان تھے۔ جب تک یہ دور رہا ہندوستانی مسلمان اس وقت تک بڑے خوش قسمت رہے۔

ہندوستان میں شیعیت کے قدم

لیکن مغلی عہد میں ہمایوں کو شیر شاہی حکومت کے مقابلہ میں جب ایرانی حکومت کی امداد سے کامیابی حاصل ہوئی تو اس ملک میں تورانیوں کے ساتھ ایرانیوں کا اقتدار بھی بڑھنے لگا۔ ہمایوں اور ہمایوں کے بعد جتنے مغل بادشاہ تھے وہ بطور منت شناسی کے ایران سے آنے والوں کو بڑی قدر و عزت کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لینے لگے اور اسی زمانہ سے بڑے بڑے عہدوں پر حتٰی کہ صوبہ داریوں اور گورنریوں پر بھی ایرانی حکام کا تقرر ہونے لگا۔ عالمگیر کے عہد تک مغل حکومت شباب کے دور میں تھی جو زہر اندر داخل ہو گیا تھا اس کے نتائج محسوس نہیں ہوتے تھے۔ لیکن عالمگیر کے بعد عناصر کے اعتدال میں ضعف پیدا ہوا اور ان دو متضاد عناصر کے اندرونی تصادم نے رنگ لانا شروع کیا۔ سادات بارہ اگرچہ وطناً ایرانی نہ تھے لیکن ان کا مسلک وہی تھا جو ایرانیوں کا تھا۔ قدرتی طور پر ان کے زمانہ اقتدار میں ایرانی امراء کو تورانی یا دوسرے لفظوں میں "سنی امراء پر برتری حاصل ہونے لگی اور اتنی برتری کہ بعض بڑے بڑے تورانی امیر تو حکومت اور حکومت کے تعلقات سے دست کش ہو کر گھر بیٹھ گئے۔ جن میں حضرت آصف جاہ اول بانی حکومت آصفیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:-

Marfat.com

کہ بنا بر گرمی بازار امرار جدیدو کساد بازاری امرار قدیم از نوکری استعفا دادہ بہ دارالخلافہ شاہ جہان آباد آمدہ ولباس درویشانہ پوشیدہ خانہ نشین شد۔
(صـــ ۱۲)

نئے امیروں کی گرم بازاری اور پرانے قدیم امرار کی کساد بازاری کو دیکھ کر حضرت آصف جاہ اوّل مغلی حکومت کی ملازمت سے مستعفی ہوکر شاہجہاں آباد پہنچے اور درویشانہ لباس اختیار کرکے خانہ نشین ہو گئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ سارے فتنوں کی بنیاد اگر سچ پوچھئے تو ہندوستان میں بھی وہی مسئلہ رہا جس سے ہر جگہ حتّٰی کہ پہلی صدی ہجری میں فتنوں کی ابتدا ہوئی۔ یعنی وہی شیعیت و سنیت کا جھگڑا۔ ابتدا تاریخ اسلام سے جس کسی کے دل میں دنیا طلبی کی انگیٹھی سلگی اس نے دین کے اسی مسئلہ کی آڑ لے کر اپنے حرص و ہوا کی جہنم روشن کی اور آج تک یہ چال ہے کہ جس واقعہ پر اس اختلاف کی بنیاد قائم ہے۔ حالانکہ اس پر تیرہ سو سال گزر چکے لیکن جب کسی کا جی چاہتا ہے۔ اس کو تروتازہ کرکے اپنے مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنا لیتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ اسی وقت پیش آرہا ہے۔ اور فریقین کو دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت کو ابھی طے کرنا ہے۔

اسلامی عقائد کے متعلق ایک عام غلط فہمی

کتنی عجیب بات ہے کہ قرآنی تعلیمات کے بے شمار بیّنات و محکمات مثلاً یہ کہ کسی مومن کے لئے قطعًا یہ جائز نہیں ہے

Marfat.com

کہ وہ اپنے کو کسی حال میں اکیلا و تنہا خیال کرے۔ اس پر یہ اعتقاد حتمی طور پر واجب ہے کہ ہر حالت میں ایک لا محدود قوت کو انتہائی رحم و کرم کے ساتھ اپنے قریب یقین کرے محسوس کرے کہ یہ قوت اس کے ظاہر و باطن، اول و آخر کو محیط ہے۔ بغیر کسی دغدغہ کے اس واقعہ پر بھروسہ کرے کہ اس کی ایمانی صفت کی وجہ سے یہی لا محدود طاقت ہر لمحہ اور ہر حال میں اس کی طرف سے مدافعت پر آمادہ ہے۔ جب مومن مخلوقات کی ربوبیت پر قدم جماتا ہے۔ تو اس کو باور کرنا چاہیے اور قطعًا بغیر کسی شرک و شبہ کے باور کرنا چاہیے کہ غیبی قوتیں یعنی ملائکۃ اللہ اس پر نازل ہو رہے ہیں اور دنیا و آخرت میں اس کی امداد و اعانت ان کے فرائض میں سے ہے علیٰ ہذا۔ مثلاً ہر مومن کا فرض ہے کہ اپنے ماں باپ، اموال و تجارت گھر در الغرض ہر چیز سے زیادہ اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت رکھے۔ ظاہر ہے کہ یہ اور ایسی بیسیوں باتیں ہیں جو قرآن کے نصوص صریحہ سے بغیر کسی تاویل کے ماخوذ ہیں۔ اسی طرح حمد و شکر توکل و تفویض، توبہ استغفار، انابت و اطاعت وغیرہ وغیرہ ان کے قرآنی حقائق ہونے میں کون شک کر سکتا ہے۔ بلا شبہ یہ ساری چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ ان ہی چیزوں کا نام عقائد ہے۔ لیکن بجائے ان کے ایسی باتیں کہ خدا کے صفات زائد بر ذات ہیں یا عین ذات، صفات حقیقی سات ہیں یا آٹھ پھر ہر صفت کی نوعیت کیا ہے۔ خصوصًا کلام کی قسمیں اور اس کے

Marfat.com

مباحث از قبیل یہ مسئلہ کو دنیا ئے اسلام کے کس علاقہ کے کن باشندوں کو اور ان باشندوں میں کس قبیلہ کو اس قبیلہ میں سے کس بطن کو اس بطن سے کس فخذ کو اس فخذ سے کس گھرانے والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی اور خلافت کا صرف استحقاق نہیں بلکہ پہلا استحقاق حاصل ہے۔ان مسائل کو عقائد کی کتابوں میں مجبوراً اس لیے شریک کرنا پڑا۔ کہ مختلف لوگوں نے مختلف زمانوں میں ان ہی مسائل کو اپنے فساد وزیغ کا ذریعہ بنایا۔اگر بنی امیہ خلافت کے مباحث کا سب وشتم کے ساتھ برسرِ منبر فیصلہ کرنے کی ابتدا نہ کرتے تو جو واقعہ ہو چکا تھا اور جن لوگوں کا اس سے تعلق تھا جب وہ گزر چکے تھے۔ پھر ان کو کوئی خواہ مخواہ کیوں چھیڑتا۔لیکن چھیڑنے والوں نے ان ہی چیزوں کو زیادہ اجاگر کر کے اسلام کی طرف منسوب کرنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کتابوں میں آخر ان ہی مباحث کی طرف زیادہ توجہ کرنی پڑی اور قرآن کے سینکڑوں بینات و محکمات نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔اور ایسے اوجھل کہ بجائے اعتقادیات میں شریک کرنے کے سمجھا جاتا ہے کہ اچھے مسلمان ہونے یا دوسرے لفظوں میں صوفی مسلمان ہونے کے لیے ان کی مشق و مزاولت ایک پیشہ کی حیثیت رکھتی ہے اور بس ——— حالانکہ ان میں ہر مسئلہ قرآن کا تھا۔جس کا انکار آدمی کو اسلام کے دائرہ سے خارج کر دیتا ہے۔ یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے کہ عقائد کی کتابوں میں جن چیزوں کو عقائد

کے ذیل میں علماء نے شریک فرمایا ہے میں ان کو اعتقادیات قرار دینے سے انکار کر رہا ہوں۔ بلکہ مجھے کہنا یہ ہے کہ مختلف زمانوں میں مختلف اغراض سے لوگوں نے بعض خاص چیزوں پر جو زور دے دیا تو اس کا آج یہ نتیجہ ہے کہ بہت سے اعتقادی امور ان کتابوں میں شریک نہ ہو سکے جو اسی لئے لکھی گئی ہیں کہ مسلمان کا اس کے ہر مسئلہ پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔ لوگوں کو غلط فہمی یہ ہو گئی کہ جو کچھ ان کتابوں میں نہیں گویا وہ اعتقادیات سے تعلق ہی نہیں رکھتا حالانکہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ واقعہ نہیں ہے۔ کم از کم قرآن کی ہر تعلیم کی حیثیت تو یہی ہے کہ اس کا انکار کفر ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ توکل کے سلسلہ کی چیز ہو یا تسلیم و رضا و صبر و شکر کے باب کی ہو۔

شہزادہ فرخ سیر کا بیدردانہ قتل

میں اپنے مقصد سے بہت زیادہ دور ہٹتا چلا جا رہا ہوں۔ کہہ یہ رہا تھا کہ بالآخر سادات بارہ کے زمانہ میں پھر اسی پرانے مسئلے نے ہندوستان میں سر اٹھایا اور بالآخر اس کا انجام اس پر ہوا کہ ان ہی بادشاہ گیر سید بھائیوں کے ہاتھ فرخ سیر مقتول ہوا۔ اور انتہائی بے دردی و شقاوت قلبی میں اس کی گردن کھینچ دی گئی۔ حضرت آصف جاہ اول کے استاد مرزا عبدالقادر بیدلؔ عظیم آبادی نے تاریخ لکھی:-

دیدی کہ چہ بادشاہ گرامی کردند	صد جور و جفا از رہ خامی کردند
تاریخ چو از خرد بجستم فرمود	سادات بوے نمک حرامی کردند ۱۱۳۱

Marfat.com

مغل بادشاہ کا ارباب حکومت کے ہاتھ سے مارا جانا غالبًا یہ پہلا واقعہ تھا۔ جو دلی میں پیش آیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس وقت جوان ہو چکے تھے۔

شاہ عبدالرحیم کا ایک عجیب خواب

"انفاس العارفین" میں آپ نے فرخ سیر اور سید بھائیوں کے اس تنازعہ کا ذکر فرمایا ہے اور ایک خاص بات یہ لکھی ہے کہ آپ کے والد شاہ عبدالرحیم کی خدمت میں اس جھگڑے کے قصے جب پیش ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا:۔

درواقعہ دیدم کہ گویا مسند فرخ سیر را مردم می خواہند کہ برہم زنند	میں نے (کشفی) واقعے میں دیکھا کہ فرخ سیر کی مسند کو لوگ الٹ دینا چاہتے ہیں۔

اس کے بعد شاہ ولی اللہ نے جو واقعہ نقل فرمایا ہے" عقلی دنیا" اس کے ماننے کے لئے شاید تیار نہ ہو۔ لیکن جیسا کہ ابدالی اور مرہٹہ کی جنگ کا غیب میں کسی اور سے تعلق تھا۔ فرخ سیر کا ایک زمانہ تک سید بھائیوں کے حملہ سے محفوظ رہنا اس میں جس کا ہاتھ کام کر رہا تھا۔ وہ شاہ ولی اللہ کی زبانی سنئے۔ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے ان لوگوں سے جو بادشاہ کی مسند الٹنا چاہتے تھے فرمایا کہ

برائے من ایں را ہم چنیں بگذارید۔ (ص ۶۲)	میری خاطر اس بادشاہ (فرخ سیر) کو اسی حال میں چھوڑ دو (یعنی اس

Marfat.com

پر ظلم و زیادتی نہ کرو)

شاہ ولی اللہ کا بیان ہے کہ جب تک ان کے والد زندہ رہے فرخ سیر پر آنچ نہ آنے پائی۔ لیکن جونہی ان کا انتقال ہوا۔ کل

بعد پنجاہ سوز از وفات حضرت ایشاں اسیر شد۔	پچاس دن آپ کی وفات کے بعد فرخ سیر قید ہو گیا۔

اور جیسا کہ میں نے عرض کیا اور تاریخوں میں اس کی تفصیل لکھی ہوئی ہے کہ فرخ سیر کا ان بھائیوں کے ہاتھ سے قتل ہونا تھا۔ کہ ملک میں ایک ایسا زلزلہ برپا ہوا کہ پھر نہ تھما شاہ ولی اللہ اپنی چشم دید شہادت یہ درج فرماتے ہیں:۔

ہرج و مرج عظیم دست داد	سخت کشت و خون کی گرم بازاری ہوئی

خصوصاً تورانی امراء اپنے ہم مذہب بادشاہ کے اس دردناک مظلومانہ قتل سے سخت برہم ہوئے۔ جیسا کہ میں نے لکھا تھا۔ حضرت آصف جاہ رحمۃ اللہ علیہ نے ترک دنیا کر کے اسی "جنون ترک منصبہا" کو اختیار فرما لیا تھا۔ جو شاہ ولی اللہ کا مسلک تھا۔ لیکن اس واقعہ نے ان کی رگ حمیت میں جوش پیدا کر دیا اور لباس فقیری اتار میدان میں اتر آئے سادات بارہے نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح ان کو رام کر لیا جائے لیکن دلی چھوڑ کر وہ مالوہ اور دکن کے جنگلوں میں جوش انتقام میں بھرے ہوئے شیر زیاں کی طرح دکارتے پھرتے تھے۔ مظلوم بادشاہ کی تڑپتی ہوئی لاش ان کو چین لینے نہیں دیتی تھی۔ مشہور ہے کہ حسین علی خاں نے ایک خط بڑی منت سماجت کا ان کو مالوہ لکھا۔ جواب میں صرف یہ شعر لکھ کر حضرت آصف جاہ نے

Marfat.com

بھیج دیا ہے

من بے وفا نیم بوفا می خورم قسم
من چو شما نیم بشما می خورم قسم

رفیع الدرجات اور رفیع الدولہ کی تخت نشینی اور چند ہی روز میں انکے انتقال کے بعد محمد شاہ کا دور دورہ

بہرحال فرخ سیر کو ختم کرکے ان بھائیوں نے پہلے رفیع الدرجات پھر رفیع الدولہ کو دلی کے تخت پر اپنے نوکر ہونے کی حیثیت سے تخت نشین کیا۔ چونکہ دونوں مدقوق تھے تین چار مہینے کے اندر اندر دونوں کا خاتمہ ہوگیا۔ تب سید برادران نے محمد شاہ بادشاہ کو اپنا نوکر بنا کر مغل تخت پر بٹھایا۔ اور اسی کو حسین علی خاں اپنے ساتھ لے کر تورانیوں کے سردار آصف جاہ کو ختم کرنے کے لئے ایک فوج لے کر دکن کی طرف روانہ ہوا۔ جہاں آصف جاہ نے قبضہ جما لیا تھا۔ مگر چند ہی منزل دلی سے آگے بڑھے تھے کہ آخر جس شاہین بلند آشیانہ کے شکار کے لئے نکلے تھے اس کی دعا ہائے نیم شبی کہیئے یا دعا کے ساتھ اس کی دوا کے بھی شکار ہوگئے۔ حضرت آصف جاہ کے چچا زاد بھائی محمد امین خاں کے اشارہ سے میر حیدر کاشغری نے حسین علی خاں کا کام تمام کردیا۔ سفر میں جب حسین علی خاں کی بارگاہ لوٹی گئی تو طباطبائی کا بیان ہے کہ اس وقت خزانہ میں ایک کروڑ روپیہ تھا۔ اس بازو کا ٹوٹنا تھا کہ دوسرا بازو بھی ایرانیوں کا بظاہر ٹوٹ گیا۔ یعنی دوسرے

Marfat.com

بھائی حسن علی خاں الملقب بہ قطب الملک نے محمد شاہ کے ہاتھ گرفتار ہو کر قید خانہ میں آخری سانسیں پوری کیں۔ تورانی امیروں کی مغل دربار میں یہ بڑی کامیابی تھی۔ محمد شاہ جو شاہی کرنے کے لئے نوکر تھا اب اس کی جان میں جان آئی۔ کچھ دن تو محمد شاہ واقعی حضرت آصف جاہ کو وزیر اعظم بنا کر محمد شاہ بنے رہے۔ لیکن یاروں نے اس غریب کو بجائے تورانیوں کے پھر ایرانیوں کے زیر اثر ڈال دیا۔ بادشاہ نے مذہب کو نہیں بدلا لیکن مشرب بدل دیا۔ ابر سیاہ ان کا نقیب قرار پایا۔ عام حکم تھا کہ ادھر ہمالیہ کے دامن سے گھٹا اٹھے، بادل گرجے کہ میرا خیمہ، خرگاہ صحرا روانہ ہو۔ ہر طرف سے

می دید صبح کلمہ بستہ سحاب — الصبوح الصبوح یا اصحاب

ژالہ بارید بر رخ لالہ — المدام المدام یا احباب۔

کا شور تھا۔ اسی لئے بچارا آخر میں رنگیلے کے نام سے بدنام ہو گیا۔ آصف جاہ دربار کے اس رنگ کو دیکھ کر پھر دکن کی پہاڑیوں اور جنگلوں کی طرف روانہ ہو گئے[لہ]۔

لہ کہا جاتا ہے۔ کہ داڑھی رکھنے والے اس تورانی امیر پر ضیغ الغدار ایرانی امراء فقرے چست کرتے تھے۔ قلعہ میں جب داخل ہوتے تو بڈھا بندر کا مشہور لطیفہ اس نیک دل وفادار بزرگ کی شان میں استعمال کیا جاتا۔ سنا گیا ہے کہ جھلا کر ایک دن حضرت آصف جاہ نے فرمایا کہ مجھے جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہہ لو۔ (باقی صفحہ ۱۶۰ پر)

Marfat.com

حریف بظاہر بادشاہ سے ملے ہوئے تھے۔ لیکن ایرانیوں کو جو زخم تورانیوں سے پہنچا تھا۔ اس کی آگ اندر اندر بھڑکتی رہتی تھی۔ آخر وہ آگ بھڑکی اور طے کر لیا گیا۔ کہ اب اس تورانی امیر اور اس کے ساتھیوں ہم لڑاؤں کا ہمیشہ کے لیئے خاتمہ کر دیا جائے۔ تاریخ میں واقعات کو بکھیر کر بیان کیا گیا ہے۔ لیکن "تاڑنے والے تاڑ جاتے ہیں کہ اندرونی کارروائی کیا ہوئی۔ محمد شاہ کا عہد! بذات خود وہ جو کچھ بھی تھا لیکن اگر شاہ عبدالعزیز کی یہ روایت صحیح ہے اور صحیح نہ ہونے کی وجہ ہی کیا ہو سکتی ہے کہ ان کی چشم دید گواہی کے قریب ہے:۔

در عہد محمد شاہ بادشاہ بست و دو بزرگ صاحب ارشاد از ہر خانوادہ در دہلی بودند داین چنیں اتفاق کم می شود۔	محمد شاہ کے زمانہ میں بائیس بزرگ صاحب ارشاد و سلسلہ اور طریقہ کے دلی میں تھے۔ ایسا اتفاق کم ہوتا ہے۔

(ملفوظات عزیزیہ ص ۱۰۶)

ظاہر ہے کہ محض رسمی یا خاندانی پیرزادوں کے متعلق یہ بیان نہیں ہے بلکہ شاہ صاحب کے خیال میں بھی جو واقعی ارشاد و ہدایت کے سزاوار

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۹) لیکن میری آنکھیں اس دن کو دیکھ رہی ہیں جب لال قلعہ کی دیواروں پر بندر اچھلتے پھریں گے اور یہی فرمانے کے بعد دربار سے علیحدگی کا انہوں نے مصمم ارادہ فرما لیا۔ ۱۲۔

Marfat.com

تھے۔ ان کی محض دلی میں اتنی تعداد تھی ——— یقیناً اس قسم کا اتفاق کم ہوا کرتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ با ایں ہمہ رندی وخراباتی محمد شاہ میں ایک دوسری ٹنک بھی ضرور تھی۔ کہ بہر حال حکومت کی قدر دانیوں اور جوہر شناسیوں سے اسی قسم کے اجتماعات کو بہت کچھ تعلق ہے۔

خصوصاً حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تو اسی رنگیلے نے وہ رنگین سلوک کیا ہے کہ اگر مسلمان اس غریب کو محض اس کی اسی خدمت کی بنیاد پہ بخش دیں تو وہ اس کا مستحق قرار پا سکتا ہے۔ اس سے میرا یہ مطلب ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ جن مقاصد اور خیالات کو لے کر حجاز تشریف لے گئے اور حرمین کے جن "فیوض" سے مالا مال ہو کر وہ پھر ہندوستان واپس ہوئے اور کچھ طے کر کے واپس ہوئے۔ جیسا کہ ان کے اس وداعی بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ جو رخصت ہوتے ہوئے مدینہ منورہ میں اپنے استاد حدیث سے آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔

ہرچہ خوانده بودم فراموش کردم الا علم دین (یعنی حدیث) (ملفوظات عزیزیہ ص۹۳)	جو کچھ میں نے پڑھا تھا۔ سب کچھ بھلا دیا۔ بجز علم دین یعنی حدیث کے۔

اور اسی بنیاد پر جیسا کہ سب جانتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب ہی کی بدولت آج ہندوستان میں "علم حدیث" کا بحمد اللہ مینارہ اتنا بلند ہے کہ بلا مبالغہ اب اسلامی ممالک میں کوئی ملک اس حیثیت سے

Marfat.com

اس کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ کسی معمولی آدمی کی نہیں بلکہ الازہر کے ہم وطن مشہور نا قدو بصیر عالم رشید رضا مرحوم مصری کی شہادت ہے۔ اور ان کو مجبورًا واقعات کی بنا پر یہ اعتراف کرنا پڑا ہے کہ:۔

ولولا عنایۃ اخواننا علماء الھند بعلوم الحدیث فی ھذا العصر لقضی علیھا بالزوال
(مقدمہ مفتاح کنوز السنہ ص۲)

اگر ہمارے بھائی ہندوستان کے علماء کی توجہ اس زمانہ میں علوم حدیث کی طرف مبذول نہ ہوتی تو اس علم کے زوال اور فنا کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔

اور ظاہر ہے کہ یہ ساری برتری براہ راست بلا شرکت غیرے حضرت ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی رہین منت ہے۔ آج ہندوستان میں جس طبقہ میں بھی جو کچھ حدیث کا چرچا پایا جاتا ہے "ہمہ آوردۂ اوست" شاہ عبدالعزیز صاحب اسی بنیاد پر کبھی کبھی فرماتے:۔

علم حدیث پدر من از مدینہ آوردہ چار دو ماہ در حرمین بودہ سند حاصل کردہ
(ملفوظات ص۹۳)

میرے والد ہی مدینہ منورہ سے علم حدیث لائے چودہ ماہ حرمین شریفین میں رہ کر آپ نے سند حاصل فرما لی تھی۔

لیکن دنیا کو شاید یہ معلوم نہیں کہ شاہ صاحب نے مدینہ سے واپسی کے بعد جب درس حدیث کا افتتاح فرمایا تو اس وقت پرانی دلی میں جہاں اب ان بزرگواروں کے مزارات ہیں۔ وہاں اپنے والد کے پرانے

Marfat.com

مکان میں پڑھانے کی جو مختصر سی جگہ تھی اسی سے کام شروع کر دیا۔ لیکن چند ہی دنوں میں اطراف واکناف سے طلبہ کھنچ کھنچ کر جب پہنچنے لگے تو ظاہر ہے کہ شاہ عبدالرحیم کی درس گاہ "مسند الوقت کے دارالعلوم بننے کا کام کیسے انجام دے سکتی تھی۔ اور یہ سعادت محمد شاہ بدنام کے نام قدرت نے لکھی تھی کہ اس نے:۔

محمد شاہ نے شاہ ولی اللہ کے درس حدیث کے لئے عالی شان مکان دیا

"مولینا کو بلا کر شہر میں ایک عالی شان مکان دے کر آپ کو اندرون شہر رکھا قدیم جگہ غیر آباد ہو گئی"

(دار الحکومت دہلی ص۲۸۶ ج ۲ مؤلفہ مولوی بشیر صاحب)

دلی کے پرانے کھنڈروں کا یہ سب سے بڑا ماہر دوسری جگہ اسی محمد شاہی عطیہ کا ذکر ان لفظوں میں کرتا ہے:۔

"یہ مدرسہ کسی زمانہ میں نہایت عالی شان اور خوبصورت تھا۔ اور بڑا دارالعلوم سمجھا جاتا تھا"

دارالعلوم کی پختگی اور استحکام کا اندازہ تو اسی سے ہو سکتا ہے کہ غدر تک وہ اپنی اصلی حالت پر قائم تھا۔ اگر اس کے ساتھ یہ واقعہ پیش نہ آتا کہ:۔

ولی اللہی دارالعلوم کی عمارت غدر میں برباد ہوئی

"غدر میں مکانات لوٹ لئے گئے

کرڑی، تختے تک لوگ اٹھا لے گئے" تو آج بھی وہ شاید باقی تھا۔ رہی اس کی وسعت اور کشادگی، کاش! مکان موجود ہوتا تو صحیح رائے قائم ہو سکتی تھی۔ لیکن مولوی بشیر الدین صاحب کتاب مذکور کا یہ بیان کہ :۔

"اب متفرق لوگوں کے مکانات اس جگہ بن گئے ہیں۔ مگر محلہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے مدرسہ کے نام سے آج بھی پکارا جاتا ہے۔"

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑی جگہ تھی اسی لئے متفرق لوگوں کے مکانات اس میں بن سکے بلکہ جو محلہ "مدرسہ شاہ عبدالعزیز" کے نام سے مشہور ہے اگر اس کی کل آبادی اسی مدرسہ کی زمین پر قائم ہوئی ہے تو اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ مکان بجائے خود ایک محلہ کی گنجائش اپنے اندر رکھتا تھا اور یوں بھی تو سمجھنا چاہیئے کہ جس مکان میں شاہ ولی اللہ اور ان کے بعد شاہ عبدالعزیزؒ اور آخر میں شاہ اسحاقؒ تک کے مشہور عظیم ترین حلقہ کے طلبہ بھی اسی میں پڑھتے رہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ محمد شاہ کا دیا ہوا یہ مکان، مکان نہیں بلکہ غالباً کوئی بڑی ڈیوڑھی یا حویلی ہو گی۔ جس میں اتنی گنجائش پیدا ہو سکی۔

مغلی عہد کی حویلیوں اور ڈیوڑھیوں کا اندازہ موجودہ زمانہ کے ہندوستانیوں کو نہیں ہو سکتا۔ تھوڑے بہت اس کے نشانات اب بھی حیدرآباد میں پائے جاتے ہیں۔ کہ ایک ایک امیر کی بعض ڈیوڑھیاں اس وقت بھی بحمد اللہ شاید ایک ایک مربع میل سے کم زمین میں نہ ہوں گی۔ بہرحال مولوی

Marfat.com

بشیر الدین، صاحب کتاب مذکور ہی نے لکھا ہے کہ:-

"شاہ ولی اللہ کے بعد ان کے چاروں صاحبزادوں نے
وہی مشغلہ (درس وتدریس) کا جاری رکھا اور اس مدرسے نے
تعلیم دینیات میں وہ نام پایا کہ ہندوستان میں شہرہ ہو گیا۔
جب شاہ صاحب کے صاحبزادوں میں کوئی نہ رہا تو مولانا
محمد اسحاق (مہاجر مکی)، نے مدرسہ کی خدمت اپنے ذمّہ لی۔"

جو لوگ حضرت شاہ عبد العزیز اور بالخصوص شاہ اسحاق صاحب کے حلقہ درس کی وسعت سے واقف ہیں اور جانتے ہیں کہ ایک زمانہ ہندوستان پر وہ بھی گزرا ہے کہ جس طرح آج ہر صوبہ اور تقریباً ہر صوبہ کے ہر ضلع اور ہر ضلع کے ہر تعلقہ (سب ڈویژن) میں دیوبند کا کوئی نہ کوئی طالب علم ضرور پایا جاتا ہے ٹھیک اسی طرح حضرت شاہ اسحاق صاحب کی درس گاہ کی بھی اپنے زمانہ میں یہی نوعیت تھی۔ وہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس مدرسہ کی وسعت کیا ہو گی۔ اس کا پتہ تو نہ چلا کہ اس مدرسہ میں طلبہ کے قیام کا بھی بندوبست تھا یا نہیں۔ ظاہر تو یہی ہے کہ اس زمانہ میں جب مسلمانوں نے ہر طالب العلم کے لئے قیام و طعام (لاجنگ بورڈنگ) کے مسئلہ کو فری (اور مفت) کر رکھا تھا تو اسی دستور کے مطابق طلبہ مساجد اور ان مقامات میں رہتے ہوں گے۔ جس کا نام اس زمانہ میں جاگیر تھا۔ تاہم شاہ عبد العزیز صاحب کے ملفوظات میں ایک جگہ اپنے اسی مدرسہ کی مسجد کا حال بیان فرماتے ہوئے جو یہ فقرہ پایا جاتا ہے کہ:-

Marfat.com

دراں ہنگام بزرگانِ بسیار و اولیا، بسیار از یاران والد ماجد معتکف مسجد بودند۔ (ص ۱۰۹)

اس زمانہ میں بہت سے بزرگ اور بہت سے اولیاء اللہ والد ماجد کے دوستوں میں سے مسجد میں معتکف تھے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مدرسہ کی خانقاہی حثیت بھی تھی۔ رمضان کے مہینہ میں بھی جو عموماً عربی تعلیم کی عطلت کا زمانہ ہے "بزرگان بسیار و اولیا بسیار" اس مدرسہ کی مسجد میں معتکف ہوتے تھے تو عام واردین و صادرین کا اسی سے اندازہ ہوسکتا ہے۔

چونکہ محمد شاہ کی ایک اسلامی خدمت کا اظہار مقصود تھا اس لئے قصداً میں نے ذرا طول بیانی سے کام لیا۔ اور اس سے گونہ شاہ صاحب کے مدرسہ کی حالت پر بھی روشنی پڑ گئی۔ نیز اسی مدرسہ کے کچھ حالات آخر مضمون میں بھی انشاء اللہ آئیں گے۔ اسی سلسلہ میں میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ جب خود محمد شاہ نے حضرت شاہ صاحب کو بلوا کر یہ مدرسہ حوالہ کیا تھا تو عقل کا تقاضا ہے کہ حکومت نے ان طلبہ کے لئے بھی ضروری وظائف منظور کئے ہوں گے جو اس مدرسہ میں دور دور سے آتے تھے۔ کیونکہ بادشاہ تو بادشاہ عام امراء کے خزانوں سے بہ مد وظائف طلبہ میں کافی رقموں کے دینے کا عام دستور تھا۔

حافظ رحمت خاں والی بریلی اور نجیب الدولہ کی خدمتِ علم دین

حافظ الملک رحمت خاں والیٔ بریلی کے متعلق ان کی سوانحعمری میں لکھا ہے کہ ماہوار سینکڑوں

طالب علموں کو ان کی سرکار سے امداد ملتی تھی۔ نجیب الدولہ کی علم دوستی کا حال تو خود شاہ عبد العزیز صاحب نے یہ بیان کیا ہے کہ

نزد نجیب الدولہ نہ صد عالم بود ادنیٰ پنج روپیہ و اعلیٰ پانصد روپیہ	نجیب الدولہ کے پاس نو سو عالم رہتے تھے۔ جن میں ادنیٰ درجہ کے علماء کو پانچ روپیہ اور اعلیٰ کو پانچ سو روپیہ ملتے تھے

ص ۱۸

میرا اندازہ ہے کہ یہ پانچ اور پانچ سو روپیہ ماہوار نہیں بلکہ "یومیہ" تھا۔ اور حیدرآباد دکن میں بحمد اللہ ان کی نشانیاں اب تک باقی ہیں —— اور جس زمانہ میں مسلمانوں کی دولت کا یہ حال تھا کہ زیادہ دن پہلے نہیں۔ بلکہ انگریزوں کے تسلط سے کچھ ہی پہلے دلی کا حال بیان کرتے ہوئے شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

کہ بخانہ قمر الدین خاں عورات غسل اخیر از گلاب می کردند و بخانہ دیگر نواب سہ صد روپیہ گل و پان برائے عورات می رفت۔	قمر الدین خاں کے گھر میں عورتیں آخری غسل گلاب سے کرتی تھیں اور ایک دوسرے نواب کے ہاں تین سو روپیہ روز کا صرف پھول پان عورتوں میں جاتا تھا۔

اور وہی" سید برادران" جن کا حال ابھی گزرا ان میں کے بڑے بھائی حسین علی خاں جب اورنگ آباد دکن کے صوبہ دار تھے تو میر غلام علی آزاد بلگرامی کا بیان ہے:-

مردم اورنگ آباد بالاتفاق بیان	اورنگ آباد کے لوگ بالاتفاق بیان

Marfat.com

می کنند در عہد امیر الامرا اکثر مردم در خانۂ خود طعام نمی پختند طباخان سرکار امیر الامرا حصہ خود می فروختند وقاب پلاؤ مکلف بچندپل می دادند۔ (مآثر الکرام جلد اول ص۱۷۰)

کرتے ہیں کہ امیر الامرا (حسین علی خان) کے زمانہ میں اکثروں کے یہاں کھانا نہیں پکتا تھا۔ بلکہ امیر الامرا کی سرکار کے باورچی اپنے حصہ کا کھانا بیچ دیتے تھے پلاؤ کا ایک مکلف قاب چند پیسوں میں دیتے تھے۔

خیرات بہت طویل ہوتی جاتی ہے۔ لیکن "ناقصص القصص" بھی چونکہ عبادت ہے اور اس سے بھی زیادہ "لعلھم یتفکرون" (پہلوں کے حالات سن کر شاید پچھلوں میں چونک پیدا ہو) اس لئے اس معترضہ جملہ کے بیان کرنے میں مضائقہ محسوس نہ ہوا۔ اب اصل مدعا کی طرف آتا ہوں۔ تو قصہ یہ ہو رہا تھا کہ حجاز سے سندِ حدیث لے کر جب شاہ صاحب دلی واپس ہوئے اور طلبہ کے عام رجحان کو دیکھ کر محمد شاہ نے آپ کو یہ حویلی کہیے یا اس زمانہ کی زبان میں دار العلوم (کالج) قرار دیجیے۔ حوالہ کیا۔ تو شاہ صاحب اپنے منصوبوں کو دل میں لے کر اس کے مطابق سرگرم عمل ہوئے ہی تھے کہ اچانک ہندوستان خصوصاً دلی کی زمین پر نادر شاہ درانی کی مشہور مصیبت کا آسمان ٹوٹ پڑا۔

حجاز سے واپسی پر شاہ صاحب کے اصل کام کا آغاز اور دلی پر

شاہ صاحب ۱۱۴۶ھ میں حجاز سے دلی پہنچے تھے اور ۱۱۵۰ھ میں نادر گردی کی دلی شکار ہوئی

خونی نادر کی یلغار اور اس کے اسباب و اثرات

مورخین کا اس حملہ کے اسباب میں اختلاف ہے۔ میاں بشیر مرحوم نے تو آصف جاہ مرحوم کو نادر کا داعی قرار دیا ہے۔ لیکن سچ یہ ہے، اور واقعات اس کے مویّد ہیں کہ ایرانیوں کی قوت کو سادات کی تباہی سے جو کمزوری ہوئی تھی اسی کی تلافی کے لئے غریب تورانیوں پر نادر شاہ اکسا کر بلایا گیا تھا[له]۔ اور بالفرض یہ سبب نہ بھی ہو۔ جب بھی واقعہ یہ ضرور پیش آیا۔ کہ ہمایوں نے ایرانی جراثیم کے لئے جو سوراخ پیدا کردیا تھا۔ نادر گردی نے اس سوراخ کو وسیع سے وسیع تر کردیا۔ یعنی اب تک ہندوستانی حکومت اپنے جذبہ منت شناسی کا اعتراف ایرانیوں کو مناصب و خدمات دے کر کر رہی تھی۔ لیکن نادر شاہی اور قزلباشی افواج کے عسکری اور سیاسی تفوق نے ہندوستانی دماغوں میں مرعوبیت کی اسی کیفیت کو پیدا کردیا جس کا مشاہدہ آج مغربی حکومت کی مرعوبیت اور اس کے نتائج کی شکل میں ہم کر رہے ہیں۔

له عام تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ آصف جاہ بہادر نادر سے دوسرے دن مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ بادشاہ محمد شاہ کو آپ نے یہی مشورہ دیا تھا۔ لیکن برہان الملک یعنی نشاپان اودھ کے مورث نے ان کے منشاء کے خلاف تنہا لڑائی چھیڑ دی اور خود اپنے کو نادر کے ہاتھ گرفتار کرا کے نادر کو دلی لے گیا۔ اور کروڑ ہا کروڑ روپیہ تختِ طاؤس کے ساتھ جو گیا سو گیا۔ لاکھوں انسانوں کا خون بھی بہا۔ ۱۲

سیاسی شکست کا لازمہ دماغی غلامی

ہمارا ظاہر و باطن و اندر باہر صرف محکومیت اور تعبد کی تجلی گاہ بنا ہوا ہے مبالغہ نہیں بلکہ واقعہ ہے کہ ہمارا بال بال یورپ کی غلامی کے سحر سے مسحور ہے۔ سروں کے بال اور مونچھ ڈاڑھی کی تراش و خراش میں بھی ہماری آنکھیں اپنے مغربی آقاؤں کے چہروں کو تاکتی رہتی ہیں۔ اب ہم خود کچھ نہیں دیکھتے بلکہ جو یورپ دکھاتا ہے وہی دیکھتے ہیں۔ جو کچھ وہ سمجھاتا ہے وہی سوچتے ہیں۔ جو وہ سمجھاتا ہے وہی سمجھتے ہیں۔ جو وہ کھلاتا ہے وہی کھاتے ہیں جو کچھ وہ پلاتا ہے وہی پیتے ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ ہم بس کتنے ہیں جو استنجا اور قضاء حاجات کی شکلوں میں بھی آج یورپ کی رہنمائی کا اپنے کو دست نگر بنائے ہوئے ہیں۔ یہ کوئی تاریخی واقعہ نہیں ہے بلکہ وہ تماشا ہے جو حکومت کی سحر طرازیاں ہمیں اس وقت ملک کے ہر صوبہ اور ہر علاقہ بلکہ دور دست ریاستوں تک میں دکھلا رہی ہیں۔

نادری حملہ سے ہندوستانی مسلمانوں کی مرعوبیت کا حال شاہ ولی اللہ کی زبانی

نادر سے ہندوستانیوں نے شکست کھائی تھی اور ایسی شکست کھائی تھی کہ جس کی نظیر کم از کم ہندی مسلمانوں کی آنکھوں نے اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی۔ حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ سے جامع ملفوظات نے ایک موقع پر یہ نقل کیا ہے کہ شاہ صاحب نے ایک دن

تذکرہ قتل نادرشاہی و عزم جوہر   نادرشاہی قتل اور پرانی دلی کے

Marfat.com

شدن شرفا کہنہ و جواب والد ماجد و قصہ امام علیہ السلام

شریفوں کے اس ارادہ کا ذکر فرمایا کہ وہ "جوہر" کا قطعی طور پر ارادہ کر چکے تھے۔ پھر والد نے جو جواب ان کو دیا اور امام علیہ السلام کے قصہ کو بیان فرمایا۔

اس "جوہر" کی رسم سے شاید عام لوگ واقف نہ ہوں لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ ہندوستان کی ایک قدیم رسم تھی۔ جب دشمن کا غلبہ اور تسلط اس حد کو پہنچ جاتا تھا کہ نجات و خلاصی کی راہ مسدود ہو جاتی تھی۔ تو پاسِ ناموس و عزت کے لئے آگ کا الاؤ جوڑ کر عورتیں، مرد، بچے سب اس میں کود جاتے تھے۔

شاہ صاحب کی اس شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ "نادر گردی" کی دہشت اس حد کو پہنچ چکی تھی کہ پرانی دلی کے شرفا آگ میں پھاندنے کی تیاریاں کر چکے تھے۔ لیکن جیسا کہ آگے کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ اس موقعہ پر شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے جب مسلمانوں کو واقعہ کربلا اور حسین علیہ السلام کے مصائب یاد دلائے اور بتایا کہ وہاں بھی تو مال و جان کے ساتھ ساتھ اہل بیت کی عزت و ناموس خطرہ کی آخری شکل میں گھر چکی تھی لیکن حضرت امام نے "جوہر" کا فیصلہ نہیں فرمایا۔ بلکہ صبر و رضا کی راہ اختیار کی تو اس ارادہ سے لوگ باز آئے۔

بہر حال اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دلی اور دلی کے ساتھ ہندوستانیوں کی ایرانیوں سے مرعوبیت کا کیا حال ہوا ہوگا۔ یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ اس "مرعوبیت"

Marfat.com

نے ہندوستانیوں کے اندر صرف ایرانی اعتقادات اور دینی مسلک کے میلان کے راستہ کو صاف کیا بلکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا "محکومیت" ہر قسم کے انفعالات و تاثرات کو اپنے ساتھ لاتی ہے۔ ہمایوں کے بعد ہندوستانی مسلمان یوں بھی ایرانی شاعری "ایرانی مفکرین اور ایرانی ارباب علم و دانش سے بہت کچھ متاثر ہو چکے تھے۔ مغل دربار زیادہ تر ایرانی شعراء، حکماء اور فلاسفہ سے معمور تھا۔ جس کی تفصیل عام تذکروں اور تاریخ کی کتابوں میں پڑھی جا سکتی ہے۔ ورنہ مغل حکومت سے پہلے اگرچہ "ولایت" یعنی "بیرون ہند" سے ہر قسم کے لوگوں کا اس ملک میں تانتا بندھا ہوا تھا۔ اور ان میں اکثر تھوڑی کد و کاوش کے بعد اپنی صلاحیتوں کی بنیاد پر کسی نہ کسی عہدہ اور مرتبہ تک پہنچ ہی جاتے تھے۔ لیکن اس میں ان "ولایتی ممالک" میں سے کسی خاص ملک کی تخصیص نہ تھی۔ ترکستان، خراسان، ایران، عرب بلکہ روم وغیرہ تک کے لوگ آتے رہتے تھے اور اگر کچھ غلبہ حاصل تھا تو خراسانی اور تورانی ممالک کے اہل علم و فضل کو تھا اور چونکہ ان علاقوں میں زیادہ تر تصوف فقہ و اصول فقہ کا چرچا تھا اسی لئے مغل عہد سے پہلے ہندوستان میں ان ہی علوم کا زیادہ چرچا پھیلا ہوا تھا۔ فلسفہ، منطق کی طرف لوگوں کا کم میلان تھا۔ لیکن ہمایوں کے بعد ہم بتدریج ہندوستان کے علمی مذاق میں ایک جدید تغیر محسوس کرتے ہیں۔ یعنی آہستہ آہستہ فلسفہ اور منطق کو اہمیت حاصل ہوتی جاتی ہے۔ اور اس کے بعد ان دونوں "علموں" کے ساتھ ہمارا ملک جس شدت سے چمٹ گیا اس کا حال کس کو معلوم نہیں۔

Marfat.com

ہندوستان کے علماء پر منطق و فلسفہ کے تسلط کی تاریخ

اس تغیر کی تاریخ یہ ہے۔ کہ جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد میں ایران میں خاص دل و دماغ کے کچھ لوگ پیدا ہو گئے تھے۔ جن میں عجیب و غریب شخصیت میر باقر داماد نامی ایک ملا کی تھی۔

میر باقر داماد کا کچھ تعارف

یہ استر آباد کا رہنے والا تھا۔ مشہد میں تعلیم حاصل کی تھی اور اصفہان میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ شاہ عباس صفوی اس کا بڑا قدردان تھا۔ اور اسی کی قدردانیوں نے اس کو شہرت و عزت کے اس مقام پر پہنچایا تھا لیکن یہ صحیح نہیں ہے جو ہمارے مدرسوں میں مشہور ہے کہ "باقر داماد" بادشاہ کا داماد تھا۔ اسی لئے داماد کے لقب سے مشہور ہوا۔ بلکہ داماد دراصل ان کے والد کا لقب تھا جن کا نام سید محمد تھا۔ سید محمد کی شادی اس زمانہ کے ایک بڑے فقیہ شیخ علی بن عبدالعالی کی لڑکی سے ہو گئی تھی۔ اسی لئے لوگ سید محمد کو سید محمد داماد کہنے لگے۔ سید محمد کے بعد یہی لقب دامادی کا ان کے بیٹے میر باقر کو وراثت میں ملا۔ بہرحال باقر داماد جیسا کہ میں نے عرض کیا ایک خاص قسم کا آدمی تھا۔ جہاں تک میرا خیال ہے اس کو فلسفہ سے زیادہ ادب میں مہارت حاصل تھی۔ وہ فطرتاً شاعر تھا اور اگرچہ عام طور پر لوگوں کو معلوم نہیں۔ لیکن فارسی زبان میں وہ شاعری بھی کرتا تھا۔ اشراق تخلص تھا مگر بیچارے کے لئے دشواری یہ ہو گئی تھی کہ پیدا ہو گئے تھے ملا گھرانے میں جس کے لئے شعر و شاعری کے مشاغل کسی طرح مناسب نہ تھے۔ آخر ان کی فطرت نے

Marfat.com

ایک دوسری راہ بتائی۔ دینیات اور مذہبیات سے تو اس شخص کو کبھی دلچسپی نہ ہوئی۔ اگرچہ برائے نام بعض مختصر رسالے دینی موضوع پر بھی لکھے ہیں لیکن اپنے دماغ کو فلسفہ الٰہیات کی طرف پھیر دیا اور اس زمانہ کی ایرانی ادبیات میں الٰہیات کا جو سرمایہ تھا۔ خصوصًا متاخرین کے لفظی جھگڑوں نے بات کا بتنگڑ بنا کر اوہام کی جو بھول بھلیاں تیار کر دی تھیں۔ میر باقر نے ان ہی چیزوں کو لے کر ایک خاص قسم کے ادیبانہ رنگ میں جس میں لغت کے نامانوس غریب الفاظ عربی زبان کے ایسے مصادر جن کا عام بول چال میں کم استعمال ہوتا ہے مثلاً باب اخشیشان، اجلواذ، احرنجام، تشعرار وغیرہ کے وزن پر زبردستی الفاظ کو تراش کر لانا، نون تاکید اور باب تفعیل کی تشدید سے کلام میں زور پیدا کرنا، ایسی چیزوں کی جمع بنانا جن کی طرف بآسانی ذہن منتقل نہ ہو سکے مثلاً عام طور سے منطقی اور کلامی طبقوں میں " لانسلم " (ہم یہ نہیں مانتے) یا لم لا یکون کذا (آخر ایسا کیوں نہیں ہو سکتا) وغیرہ الفاظ کا استعمال بکثرت کیا جاتا ہے۔ خصوصًا ارباب جدل و مناظرہ کی زبانوں پر تو گویا یہ الفاظ بطور سخن تکیہ کے چڑھتے رہتے ہیں۔ میر باقر نے ان لوگوں کا نام ہی " لانسلمیون " اور " لم لایکونیون " رکھ دیا۔ ظاہر ہے کہ اس جمع کو دیکھ کر بآسانی کس کا دماغ ان کے مفردات کی طرف منتقل ہو سکتا ہے۔ بہر حال اس زمانہ کے شروح و حواشی خصوصًا دوانی اور صدر معاصر نے شرح تجرید کے حاشیوں میں قدیمہ، جدیدہ، اجد وغیرہ کے ناموں سے بے معنی مباحث کا جو طوفان پیدا کیا تھا اور اس پر مرزا جان اخوند یوسف، آقا حسین خونساری وغیرہ نے جو کوہ

Marfat.com

کندن کاہ برادرن" کی خدمتیں انجام دی تھیں۔ میر باقر نے ان ہی سب کو سامنے رکھ کر اپنے جدید انشاء اور ادب کا ان کو تختۂ مشق بنایا۔ گویا ایک قسم کے منطقی اور الٰہی ادب کی اس نے ایجاد کی۔ اسی کے ساتھ میر داماد نے اپنی کتابیں جن میں تقریباً ایک ہی قسم کے مضامین ہیں ان کے نام بھی عجیب و غریب قسم کے رکھے۔ جن کے سننے کے ساتھ ہی آدمی پر ایک رعب سا چھا جاتا ہے مثلاً الافق المبین، الصراط المستقیم، ایماضات، تقدیسات، قلبیات اور بن وقبیل اور اور بھی چند کتابیں ہیں۔

غرض میرے نزدیک تو میر باقر پر بجائے فلسفہ اور منطق کے فی الحقیقت ادب و شعر ہی غالب تھا۔ اس کا اندازہ علاوہ ان تدبیروں کے اس سے بھی ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں نظامی گنجوی کی پانچ نظم کی کتابوں کا شمار فارسی شاعری کے جواہر پاروں میں تھا۔ اور "جواہر خمسہ نظامی" کے نام سے یہ مجموعہ عام طور پر مشہور ہے۔ میر باقر نے بھی اپنی پانچ کتابوں کو "جواہر خمسہ" کے نام سے ملقب کیا۔

میر باقر کے ایک شاگرد صدرا شیرازی

میر باقر کے بعد ان کے شاگردوں میں ایک اور صاحب قلم (بلکہ "صاحب قلم" سے زیادہ "صاحب سیاہی و روشنائی" کا خطاب ان کو دیا جائے تو زیادہ موزوں ہوگا) پیدا ہوئے یعنی ملا صدرالدین شیرازی جن کی کتاب شرح ہدایت الحکمۃ صدرا کے نام سے مدرسوں میں آج بھی مشہور ہے۔ یہ شخص بلا کا لکھنے والا تھا۔ ہزارہا صفحات کی بیسیوں کتابیں مثلاً تعلیقات

Marfat.com

شفا یا حواشی شرح حکمت الاشراق، شواہد ربوبیت" وغیرہ کے علاوہ ایک بسیط کتاب اسی لفظی فلسفہ کے متعلق چار ضخیم جلدوں میں اس شخص نے تیار کی۔ جس کا نام "اسفار اربعہ"[1] ہے اس کے زمانہ تک لایعنی مباحث کا جو ذخیرہ جمع ہو چکا تھا سب کو تلاش کرکے اس نے اپنی کتاب میں جمع کیا اور اس کے ساتھ بعض مسائل میں اپنے خاص نظریات بھی قائم کئے۔ استادوں سے ان کا رنگ اس اعتبار سے جدا ہے کہ ثقیل و غریب لفظوں کے طمطراق سے ان کی کتابیں خالی ہیں صرف اسفار کے عنوانوں میں میر باقر کی کچھ جھلک پائی جاتی ہے مثلاً "لمعہ اشراقیہ" "حکمۃ عرشیہ وغیرہ۔

بہرحال جس وقت ہندوستان میں عہد شاہجہانی و عالمگیری گزر رہا تھا۔ ایران کی زمین ان لفظی فلسفیوں کی علمی جلالت شان کے غلغلوں سے گونج رہی تھی اور ہندوستان تو یہی ہندوستان جس نے ہمایوں کی راہ سے اپنا رشتہ ایران سے جوڑ لیا تھا۔ اس میں ان غلغلوں کی صدائے بازگشت آکر

---

[1] حکومت آصفیہ کے دارالترجمہ نے فلسفہ کی اس ضخیم کتاب کا اردو میں ترجمہ کرا دیا ہے جس کی پہلی جلد کا ترجمہ خاکسار نے اور باقی جلدوں میں سے ایک حصہ کا مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اور دوسرے حصہ کا مولوی میرک شاہ کشمیری نے کیا ہے۔ دنیا نے کسی زبان میں فلسفہ کی اتنی بڑی کتاب شاید ہی موجود ہوگی۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فلسفہ چونکہ نام ہی وسوسہ کا ہے مشرقی ہو یا مغربی لیکن اگر علم اس کا نام ہے تو صدر شیرازی کا یہ ایسا کام ہے جس میں ڈھونڈنے والے فلسفہ کے ہر مکتب خیال والوں کے خیالات تلاش کرکے نکال سکتے ہیں۔

Marfat.com

ٹکراتی تھی۔ اب تک کسی میدان میں اسلامی ہند نے چونکہ شکست کی رسوائی نہیں اٹھائی تھی اس لئے ایران کی ان آوازوں سے اتنا تو متاثر نہیں ہوا جتنی کوئی محکوم مفتوح متاثر ہو سکتی ہے۔ لیکن میل ملاپ اور احسان مندی کے جذبات نے ہندوستان کو اتنا منفعل ضرور کر دیا کہ جو ملک اب تک صرف تصوف و فقہ کی جولاں گاہ تھا اب ان علوم سے ہٹ کر آہستہ آہستہ اس کا میلان ایرانیوں کے ان لفظی گورکھ دھندوں کی طرف فلسفہ اور منطق یا عقلیات کے پرشوکت ناموں سے بڑھنے لگا۔ زیادہ دن نہیں گزرنے پائے کہ بالآخر پرانے ذوق پر یہ جدید شوق غالب آگیا اور ایسا غالب آیا کہ عالمگیر کے عہد کے ایک مشہور عالم جو عالمگیری فوج میں ایک بڑی مذہبی خدمت یعنی فریضۂ احتساب پر ملازم تھے۔ جس کا براہ راست تعلق فقہ اور فقہی مسائل کی تفصیلات ہی سے ہے۔ فقہ اور اس کے جزئیات سے جو پورے طور پر واقف نہ ہو۔ صحیح طور پر اس فریضہ کا انجام پانا اس سے مشکل ہے۔ میری مراد مرزا زاہد سے ہے جو اس وقت تک عربی مدارس میں اپنے "زواہد ثلثہ" کی بدولت خاصی شہرت رکھتے ہیں۔ اور منطق و فلسفہ میں حضرت شاہ ولی اللہ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم کے استاد ہیں ان ہی میر زاہد صاحب کے متعلق جو آگرہ میں صدر محتسب عساکر عالمگیر تھے۔ مولانا شاہ عبدالعزیز راوی ہیں کہ

میرزا زاہد ہروی اور علم فقہ میں اُن کی کمزوری

ایک امیر زادہ سے شرح وقایہ پڑھتا — لیکن فقہ میں میر زاہد کو اپنے اوپر چونکہ اعتماد نہ تھا۔ اس لئے جب تک

Marfat.com

امیرے شرح وقایہ می خواند بے حضور جد بزرگوار سبق نمی فرمود (ملفوظات ص۵۲)

دادا (حضرت شاہ عبدالرحیم) نہ آجاتے ۔ میر صاحب سبق نہیں پڑھاتے تھے۔

شرح وقایہ پڑھانے میں تو محتسب صاحب کا یہ حال تھا۔ لیکن اسی کے مقابلہ میں معقولات سے آپ کے تعلق کی جو نوعیت تھی شاہ عبدالعزیز ہی نے ان کا یہ دلچسپ فقرہ نقل کیا ہے کہ مرزا جان اور اخوند یوسف جن کے دوانی کے حواشی پر حواشی ہیں۔ ان دونوں کے متعلق مرزا زاہدؒ کہا کرتے :۔

معقولات میں مرزا صاحب کا غلو

تقریر مرزا جان جانِ من است و تقریر اخوند جان جانان من است ص۴۳

مرزا جان کی تقریر تو میری جان ہے ۔ اور اخوند کی تقریر میری جان جاناں ہے۔

ل؎ مگر باوجود اتنی معقولیت کے اس زمانہ کے معقولی کا یہ حال تھا کہ شاہ عبدالرحیم صاحب کی میرزا ہد نے رمضان میں ایک دن دعوت کی اس عرصہ میں ایک کبابی نے کبابوں سے بھرا ہوا خوانچہ مرزا کے پاس لاکر رکھا کہ "نیاز آوردہ ام"۔ مرزا نے کہا "اسے عزیز! پیر تو نہ ام! استاد تو نہ ام نیاز چہ معنی؟ آخر رد و کد کے بعد معلوم ہوا کہ اس کی دکان کو مرزا کے سپاہی غلط جگہ پر ہونے کی وجہ سے اٹھانا چاہتے ہیں اسی کی رشوت میں لایا ہے۔ آخر دام دے کر لینا طے ہوا۔ لیکن ڈھائی روپے کے کباب آٹھ آنہ میں دے رہا تھا۔ مرزا کو معلوم ہوا سخت برہم ہوتے اور پورے دام ادا کیے۔ ۱۲۔ انفاس ص۴۳

Marfat.com

اور یہ اس زمانہ میں کچھ بیچارے میرزا زاہد ہی کا حال نہ تھا۔ تقریباً علماء کے اکثر افراد پر یہی کیفیت طاری تھی تاہم "حملہ نادری" سے پہلے ہندوستان کے علماء ایرانی فضلاً میں خالی نہیں ہوتے تھے۔ ان کے اعتراف فضل وجہارت کے ساتھ اپنی کمتری کا احساس ان میں نمایاں نہ ہوا تھا ۔اسی لئے بجائے تقلید جامد کے ان کے انفعالی تاثرات بظاہر مقابلہ کے رنگ میں ظاہر ہوتے تھے ۔میر باقر نے اپنی کتاب "الافق المبین" کا نام قرآن سے انتحال کیا تھا۔ ٹھیک اسی کے توڑ پر شاہجہاں کے عہد میں جونپور کے مشہور فلسفی ادیب ملا محمود جون پوری نے بالکل اسی طمطراقی طرز پر تو نہیں جو ملا باقر کی خصوصیت ہے۔ لیکن اچھے خاصے بلند انشائی رنگ میں فلسفہ کی ایک کتاب تصنیف کی اور انھوں نے بھی قرآن مجید ہی سے اس کا نام "الشمس البازغہ" اقتباس کیا۔اسی طرح اورنگ زیب کے عہد میں ملا محب اللہ بہاری نے اپنی مشہور دونوں درسی کتابوں یعنی مسلّم وسلّم کے نام میں بھی ایک اوپیانہ پہلو ملحوظ رکھا اور دونوں کتابوں میں ڈھلے ڈھلائے ترشے ترشائے فقرے جہاں تک میرا خیال ہے میر باقر ہی سے شعوری یا غیر شعوری اثر پذیری کی بنیاد پر داخل کیے گئے ہیں۔ مگر اب تک دونوں ممالک کے فضلاء گویا ایک حد تک "رقیبانہ" تعلقات رکھتے تھے مگر سچ ہے کہ غیر محسوس طور پر ایران کے تفوق کو وہ اپنے طرزِ عمل سے گونا تسلیم کرتے جاتے تھے۔

نادری حملہ کے بعد یہاں کے

لیکن "نادری حملہ" نے تو اس نامحسوس کو محسوس اور غیر شعوری انفعال کو

علماء ایرانی علوم و نظریات سے بری طرح متاثر ہوئے

شعوری بنا دیا بلکہ جیسا کہ تمام مفتوح ہزیمت خوردہ اقوام کا قاعدہ ہے انھوں نے اپنے اس انفعال و تأثر کو سرمایہ صد افتخار اور موجب ہزار نازش و امتیاز قرار دے دیا جس کا اندازہ ہندی علماء کی ان کتابوں سے ہو سکتا ہے جو "حملۂ نادری" کے بعد ہندوستان میں لکھی گئیں۔ میر باقر کا نام اسی کے بعد "خیر اللحقہ بالمہرہ" سید الاذکیا "اور خدا جانے کیا کیا ہو گیا۔

اس بحث میں ذرا زیادہ بسط سے میں نے قصداً کام لیا ہے۔ کیونکہ آئندہ جیسا کہ معلوم ہوگا حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے قلم نے جہاں اور کام انجام دیئے ہیں ایران کی اس ذہنی مرعوبیت کے رد عمل میں بھی اس نے کامیاب کوشش کی ہے۔ حضرت کی اس خدمت کا صحیح اندازہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک اس عہد کی اس ذہنی و علمی کیفیت کا کم از کم اجمالاً حال لوگوں کو معلوم نہ ہو جس کا میں نے اس وقت ذکر کیا۔ اب میں پھر اصل مبحث کی طرف توجہ کرتا ہوں کہ نادر ہندوستان سے لے جانے کو تو جو کچھ بھی لے گیا لیکن اسی کے ساتھ ایک مصیبت بھی چھوڑ گیا۔ یعنی ایران کے دینی رجحانات اور ذہنی اور دماغی میلانات میں قدرتاً مفتوح ہندوستانیوں میں جو پہلے سے بھی بہت کچھ متاثر تھے۔ اور بھی شدت پیدا ہو گئی بلکہ نادر شاہ اگر یوں ہی مار پیٹ اور تاخت و تاراج کر کے نکل بھاگتا تو شاید عداوت و بغض کی وجہ سے کوئی دوسری کیفیت پیدا

Marfat.com

ہوتی۔ لیکن ہوا یہ کہ:۔

نادر شاہ کا بے پناہ رعب

ساری خواری و ذلت اور بربادی و تباہی کے باوجود سہمے ہوئے بادشاہ محمد شاہ نے نادر شاہ کی باضابطہ ہفتوں مہمانی کی۔ دربار کے بڑے بڑے امراء نادر شاہ کی خدمت پر مقرر ہوتے۔ عمدۃ الملک جیسا امیر و کبیر بیچارہ نادر کو قہوہ پلانے پر مامور ہوا تھا اور یہی حال دوسرے امیروں کا ہوا تھا "بہرحال محمد شاہ ضیافت نادر شاہ بکمال تکلف قرار داد" اور بات اسی پر ختم نہ ہوئی بلکہ اسی کے ساتھ نادر شاہ نے

نادر شاہ کے لڑکے کے نکاح میں شاہجہاں کی پوتی

شاہجہاں بادشاہ کی پوتیوں میں سے ایک لڑکی نادر کے چھوٹے لڑکے نصر اللہ مرزا کے نکاح میں دیدی۔ جو اس کے ساتھ ایران سے ہندوستان آیا تھا۔

دخترے از احفادہ شاہجہاں پادشاہ درحبالۂ نکاح پسر کوچک خود نصر اللہ مرزا کہ ہمراہ داشت درآورد۔ سیر ص ۴۸۹

ہندوستانی امراء بلکہ خود شاہی خاندان والوں سے صدیوں کے ناز و تنعم نے حمیت و غیرت کی حرارت یوں بھی بجھا دی تھی اب یہ عزیزداری کا رشتہ جوش انتقام کو فرو کرنے کے لئے ان کے بزدل قلوب کے لئے بہانہ مل گیا اور یوں ہندلی کے رذیلہ پر جذبۂ رواداری اور وسعت چشمی کی چادر اڑھا دی گئی۔ نادر نے جو کچھ کیا دھرا تھا سب بھلا دیا گیا۔ "آقا خوش آمدید" کے ساتھ ہر ایرانی کا ہندوستان میں خیر مقدم ہونے لگا۔ ان کی کتابیں شوق سے پڑھی جانے

لگیں۔ ان کے علماء کی باتیں دلچسپی سے لوگ سننے لگے اور اس کے جو نتائج ہو سکتے ہیں وہ ظاہر ہے۔

نادر شاہ ہی کے طفیل ہندوستان میں روہیلہ پٹھانوں کا سیلاب

لیکن معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہوجاتا ہے ظاہر ہے کہ نادر کابل وقندھار کے راستہ سے ہندوستان میں داخل ہوا تھا۔ راستہ میں ان علاقوں کے باشندوں نے مزاحمت کی۔ لیکن باوجود اپنی مشہور جلادت وشجاعت کے قزلباشوں کی ضرب کی تاب نہ لا سکے، ہر جگہ ان کے پاؤں اکھڑتے چلے گئے اور نہ صرف کابل وقندھار بلکہ سرحد کے آفریدی ومہمندی ومسعودی اور دوسرے جاں باز جان فروش قبائل بھی نادر کے ہلّے کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ایسا عجیب وغریب واقعہ کیسے پیش آیا۔ تاریخ کا یہ اہم سوال ہے اور ہماری بحث سے خارج ہے تاہم بعض اشارات تورانی وایرانی تنازعات کے قصہ میں مل سکتے ہیں غور کرنے والے شاید ان کی مدد سے صحیح نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں۔

بہرکیف یہ واقعہ تھا کہ ہر جگہ کابل وقندھار وسرحد کے پٹھانوں کو بھی نادر کے مقابلہ میں زک اٹھانی پڑی اور ہر جگہ "خونی نادر" نے ان پر عافیت تنگ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ منہزمت خوردہ پراگندہ قوم اپنے علاقوں سے بھاگ کر ہندوستان میں پناہ ڈھونڈنے لگی اور

جمعے ازاں قوم پراگندہ بہ ہندوستان در آمدہ۔ در ہر جا سکنیٰ داکثر در

اس پراگندہ پریشان قوم کا ایک حصہ ہندوستان پہنچا۔ اور ہر جگہ انھوں

سرکارات ملازم شدہ داخل شدہ گشتند۔ (سیر صفحہ ۹۳)

نے سکونت اختیار کی اور ملک کی مختلف سرکاروں (علاقوں) میں انھوں نے ملازمت اختیار کرلی۔

اور مختلف سرداروں کی ماتحتی میں جتھے بنا بنا کر انھوں نے چند دنوں میں اپنے مختلف مرکز قائم کرلئے۔ خصوصًا

محمد خاں معروف بہ روہیلہ مورد التفات اعتماد الدولہ گردیدہ بعضے جاگیرات و خالصہ را بطور ملکیت قابض و متصرف بہ توجہات وزیر گشت۔

محمد خاں جو روہیلہ کے نام سے مشہور ہے وہ اعتماد الدولہ (امین خاں) کی نظر التفات سے سرفراز اور اسی وزیر کی توجہ سے بعض جاگیروں و خالصہ وغیرہ پر بطور مالک ہونے کے قابض ہو گیا۔

چوں صاحب جرأت و شخص صاحب ارادہ و شعور بود ہمیں افغانان و روہیلہ ہائے گریختہ قندھار و اطرافش را با خود رفیق ساختہ بنام روہیلہ اشتہار و از اجتماع آنہا اقتدار یافت۔ ملک بسیارے را مثل آنولہ و سنبھل و مراد آباد و بداؤن و بریلی وغیرہ متصرف

چونکہ محمد خاں جرأت و ہمت والا آدمی تھا اور ارادہ و عزم اور تمیز و شعور کا بہرہ رکھتا تھا اس نے قندھار اور اس کے گرد و نواح کے بھاگے ہوئے روہیلوں کو اپنے ساتھ کرلیا۔ روہیلہ کے نام سے اس کی شہرت ہوئی اور ان لوگوں کے جمع ہو جانے سے اس شخص کو اچھی خاصی قوت حاصل

Marfat.com

گشتت - ص ۴۸۰

ہوگئی ملک کا ایک بڑا علاقہ مثلاً آنولہ، سنبھل، مراد آباد، بدایوں، بریلی وغیرہ کو اپنے تصرف میں لے آیا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سے پہلے اس علاقے کے باشندے ہندوستان میں نہیں پائے جاتے تھے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اپنے ملک کی بے سروسامانی کے ساتھ روہیلوں کی ایک بڑی تعداد یکایک جو ہندوستان کے بالائی علاقوں اور خصوصاً دہلی میں پھیل گئی۔ تو اس کا سبب یہی نادر اور اس کی عجیب وغریب لشکر کشی تھی۔ اب ہوا یہ کہ ایک طرف نادر کی وجہ سے ایرانی اور ایرانی مذہب و ذہنیت رکھنے والوں کو ملک میں تفوق حاصل ہوا اور ان ہی کے ساتھ ایک اور جدید عنصر بالکل ان کے مدمقابل یعنی روہیلوں کا بھی اقتدار بتدریج جڑ پکڑنے لگا۔ تیسرا عنصر تورانیوں کا تو پہلے ہی سے موجود تھا کہ حکومت ہی تورانیوں کی قائم کی ہوئی تھی ——— جیسا کہ میں نے عرض کیا آخر زمانہ میں اورنگ زیب کے بعد تورانی اور ایرانی سوال میں کافی شدت پیدا ہوتی چلی جاتی تھی۔ جس کی بظاہر تعبیر تورانی و ایرانی سے کی جاتی تھی۔ لیکن در اصل یہ مقابلہ سنیوں اور شیعوں میں تھا سنیوں کا نام تورانی رکھا گیا تھا اور شیعوں کو کبھی ایرانی اور کبھی "سادات" کے نام سے خصوصاً "سیر المتاخرین" کے مصنف جو خود شیعی ہیں یاد کرتے ہیں۔ ایک موقعہ پر طباطبائی نے ان تورانی بیچاروں کے متعلق جن میں سب سے زیادہ بدنام آصف جاہ بہادر کا خاندان تھا۔ ان کے خاص چچازاد بھائی اعتماد الدولہ کے متعلق طباطبائی لکھتے ہیں:-

Marfat.com

اعتماد الدولہ تورانیاں کہ عداوت سادات را سرمایہ سعادت خود دانستہ (۸۷۴)	اعتماد الدولہ وغیرہ تورانی جو سادات کی دشمنی کو اپنی سعادت کی پونجی خیال کرتے ہیں۔

الغرض یہ دو متقابل عناصر تو ہندوستان میں پہلے ہی سے موجود تھے اور گو طباطبائی دونوں فرقوں کی باہمی عداوتوں کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔ لیکن سچی بات یہ ہے تورانی جن لوگوں کا نام رکھا گیا تھا یہ عموماً ترکستان یعنی بخارا، سمرقند، تاشقند، خیوہ، کاشغر وغیرہ کے لوگ تھے۔ اور جن لوگوں کو ان ممالک کے حالات کا خصوصاً جس زمانہ سے ہم بحث کر رہے ہیں علم ہے وہ جانتے ہیں کہ اس وقت اس ملک کے مسلمان بہ نسبت فقہاء اور علماء کے زیادہ تر حضرات صوفیہ کرام کے زیر اثر تھے۔ اور تصوف کی لوگ جو کچھ بھی خرابیاں بیان کریں لیکن اتنا تو ہر شخص کو ماننا پڑے گا کہ صوفیانہ مسلک رکھنے والے نفوس بجائے تنگ چشم ہونے کے وسیع المشرب ضرور ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ اسی بنیاد پر "الصوفی لا مذہب لہٗ" کا مقولہ مشہور و معروف ہو گیا ہے۔ بلکہ بعضوں کا تو خیال ہے کہ صوفیوں اور شیعوں میں بجائے تخالف اور تصادم کے توافق کے جہات زیادہ ہیں۔ اور اسی لئے سمجھا جاتا ہے کہ تصوف کا بہت کچھ میلان تشیع کی طرف رہا ہے۔ جس کی ایک مثال شاید خود حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی بھی ہو سکتی ہے۔ کہ مسئلہ خلافت کے متعلق کہاں تو آپ کی رائے یہ ہے کہ عام اشاعرہ جو

Marfat.com

تقریر می کنند کہ خلافت ایشاں بہ نص نیست مطلقاً یا بہ نص جلی نیست بلکہ امر اجتہادی ست کہ اہل عصر بنا بر اجتہاد بر آں اتفاق نمودند۔

یہ کہتے ہیں کہ (حضرت خلفاء) کی خلافت مطلقاً کسی نص سے ثابت ہی نہیں ہے یا نص صریح واضح سے ثابت نہیں ہے۔ بلکہ ایک اجتہادی بات ہے۔ اس زمانہ کے لوگ اپنے اجتہاد اور غور و فکر سے ان لوگوں کی خلافت پر متفق ہو گئے۔

تو اشاعرہ کا یہ خیال شاہ صاحب کے نزدیک درست نہیں ہے بلکہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازاں علم شریف نصاً و اشارۃً خبر دادند تا آنکہ تکلیف عباد باستخلاف ایں بزرگواراں عملاً و اعتقاداً متحقق شد و پردہ از روئے کار بر انداختہ گشت۔

بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شریف علم کی نص اور اشارہ ہر طریقہ سے خبر دی ہے حتیٰ کہ اسی بنیاد پر اللہ کے بندے اس بات کے مکلف ہوئے کہ ان بزرگوں کو خلیفہ مقرر کریں اور عملاً و اعتقاداً یہی بات واجب ہوئی۔

یہ اس ازالۃ الخفاء کے مصنف علام کی رائے ہے جس کو پڑھ کر وہی نہیں جو خاندان ولی اللہی کے حلقہ بگوشوں میں ہیں بلکہ وہ بھی جن کے متعلق مشہور کیا گیا ہے کہ بجائے عقیدت و نیاز کے ہمیشہ نسلاً بعد نسلٍ اپنے کو وہ علم کے اس سلسلہ اور خانوادہ کے حریف مقابل سمجھا کئے میری

Marfat.com

مراد مولانا فضل حق خیرآبادی سے ہے۔ ان کے بڑے مداح شاگرد مولانا محسن بہاری رحمۃ اللہ خود اپنی براہِ راست سنی ہوئی شہادت ادا کرتے ہیں کہ جب الور میں مولانا فضلِ حق سے وہ پڑھا کرتے تھے تو اسی زمانہ میں

وقعت فی یدہ نسخۃ من کتاب ازالۃ الخفا فکان اولع بھا ویکثرا لنظر فیھا اوان فراغۃ من درسہ وسائر مایشغلہ من شانہ فلما وقف علی شیء کثیر منھا قال بحضر من الناس وکنت فیھم الذی صنف ھذا الکتاب لبحر زخار لا یری لہ ساحل (الیانع ص۹۲ مطبوعہ علی رجال البخاری)

مولانا فضل حق کے ہاتھ ازالۃ الخفا کا ایک نسخہ کہیں سے لگا مولانا اس کے مطالعہ کے حریص تھے۔ اور جب درس وتدریس یا دوسرے مشاغل سے فرصت ملتی تو بکثرت اسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف رہتے جب مولانا اس کتاب کے بڑے حصہ کو پڑھ کر فارغ ہوئے تب آپ نے سب کے سامنے جن میں میں بھی شریک تھا یہ فرمایا کہ جس شخص نے یہ کتاب تصنیف کی ہے وہ تو ایک دریائے ناپیدا کنار ہے جس کے ساحل کا پتہ نہیں چلتا۔

گرامی۔ ازالۃ الخفاء کے مصنف نے فیوض الحرمین میں جو یہ لکھا ہے کہ

ان طبیعتی وفکرتی اذا ترکنا وانفسنا فضلتا علیًّا کرم اللہ وجھہ واحبتّا

میری طبیعت اور میری فکر کو جب اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتے تو دونوں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فضیلت

Marfat.com

اشد محبۃ۔ | دیں اور دونوں کو حضرت سے شدید محبت ہے۔

"تو کیا آپ کی طبیعت و فطرت کا یہ رنگ اسی تصوف کا نتیجہ نہیں ہے جس کے آپ "کابراعن کابر" وارث تھے۔ وہ تو غنیمت ہوا کہ دربارِ رسالت سے جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں "الوصاۃ تفضیل الشیخین" یعنی شیخین (حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو فضیلت دینے کی وصیت ہوئی اس لئے فرماتے ہیں کہ یہ تفضیل شیخین کا اعتقاد

شیئ طلب منی التعبد بہ	ایک ایسی چیز یہ ہے کہ میری ذاتی
خلاف المشتھی و میفات	خواہش کے خلاف مجھے اس کے
ھذہ المناقضات منی	ماننے اور عبادت خدا سمجھ کر ماننے

لہ شاہ صاحب کی طبیعت کا یہ میلان اسی قسم کا تھا۔ جیسا کہ عموماً لوگوں کو اپنے روحانی بزرگوں کے اعزہ و اقارب خصوصاً ان کی اولاد کی طرف ہوتا ہے جو صرف "طبیعت" ہی کا اقتضا ہوتا ہے اور امور دین میں طبیعت کے اس اقتضا کو کوئی دخل نہیں بلکہ یہاں اصل چیز کتاب و سنت کے دلائل ہیں۔ تو چونکہ دلائل کا فیصلہ تفضیل شیخین کے حق میں تھا جیسا کہ خود شاہ صاحب نے ہی ازالۃ الخفا اور قرۃ العین میں پورے شرح و بسط کے ساتھ اس کو ثابت فرمایا ہے اس لئے شاہ صاحب نے اپنی ذاتی چاہت اور طبعی میلان کے خلاف اسی کو اختیار فرمایا پھر روحانی مکاشفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی آپ کو تفضیل شیخین ہی کی وصیت ہوئی۔ ۱۲

Marfat.com

لولا ان شدۃ الجامعیۃ هی التی اوقعتنی فی ذالک (فیوض الحرمین ص ۶۵)

کا حکم دیا گیا ہے افسوس مجھ میں یہ کس قسم کی تناقص اور متضاد باتیں ہیں لیکن مجھ میں شدید جامعیت کا جو رنگ پایا جاتا ہے اسی نے اس حال تک مجھے پہنچایا ہے۔

خیر یہ توضیح کا ایک جملہ معترضہ تھا۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمایوں کے بعد مغل دربار میں تورانیوں اور ایرانیوں یا دوسرے لفظوں میں سنیوں اور شیعوں دونوں کی آمد ہو رہی تھی۔ دونوں طبقوں کے امراء حکومت کی مشین میں داخل ہو ہو کر اپنی اپنی فراخور قابلیت کے لحاظ سے پرزے بنتے چلے جاتے تھے۔ اور گو ان دونوں میں رقابتیں ضرور رہتی تھیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ محض سنی ہونے یا شیعہ ہونے کی وجہ سے اس اختلاف نے کبھی کسی سخت خطرناک فساد کی شکل اختیار نہیں کی۔

جہاں تک واقعات سے معلوم ہوتا ہے۔ اولاً تو باہم مذہبی مناقشوں کا کوئی ایک دوسرے کو موقعہ ہی نہیں دیتا تھا۔ بلکہ حتی الوسع ہر ایک دوسروں کے جذبات کا عموماً خیال کرتا تھا اور گاہے ماہے اگر کوئی ناخوش گوار گفتگو اس سلسلہ میں ہو بھی جاتی تو اسے غیر معمولی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ اور بات وہیں رفع دفع ہو جاتی تھی اور خواہ مخواہ اس کو جماعتی جھگڑا بنانے کی کوشش نہیں کی جاتی تھی۔ باقی پچھلے دنوں میں "سادات بارہ" کا جو قضیۂ نامرضیہ پیش آیا اس میں شک نہیں کہ یاروں نے اس میں ایک حد تک شیعہ سنی کے اختلاف کا رنگ ضرور

Marfat.com

بھرا اور خوب بھرا ۔ امیرالامراء حسین علی خاں کے قتل پر مرثیے لکھے گئے اور بڑے درد ناک مرثیے لکھے گئے ۔ گویا اس واقعہ کو کربلا ثانی ٹھہرایا گیا میر عبدالجلیل بلگرامی کا مرثیہ تو اسی مشہور مصرعہ سے شروع ہوتا ہے ؎

آثار کربلاست عیاں از زمین ہند

اس باب میں اتنے غلو اور مبالغے سے کام لیا گیا کہ جب جانسٹھ کی جنگ میں حسین علی خاں کے ایک عزیز سیف الدین خاں لڑتے ہوئے کام آئے ۔ تو طبا طبائی جیسے روشن خیال بزرگ نے بھی اس کے واقعات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جن دنوں یہ واقعات پیش آئے ۔

از معتمدان مسموع افتاد کہ دراں ایام علی التواتر سرخی شفق صبح وشام بمرتبہ ازدیاد داشت اوداشت کہ گویا دامن فلک جفا کار آلودۂ خونِ مظلوماں ودیدہ لیل ونہار برماتم آں ابرار خوں فشاں ست	معتبر لوگوں سے یہ بات سنی گئی کہ ان دنوں میں مسلسل صبح وشام نے شفق کی سرخی اتنی زیادہ تیز ہو جاتی تھی کہ گویا فلک کا دامن مظلوموں کے خون سے آلودہ ہو رہا ہے اور دن رات کی آنکھیں ان عزیزوں کے ماتم میں خونفشاں ہیں ۔
صفحہ ۴۷۸ ج ۱	

لیکن جو اصل واقعات سے واقف ہیں اور اجمالاً میں بھی کچھ پہلے ذکر کر چکا ہوں ۔ کیا اُن کے دیکھنے والے ایک لمحہ کے لئے بھی " سادات بارہ" کے جھگڑوں کو واقعی کسی مذہبی سوال کا نتیجہ قرار دے سکتے ہیں ـــ ؟

تاریخ اسلام میں یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اس سے پہلے بھی مختلف مواقع پر جاہ و اقتدار کے متوالوں نے اپنے اپنے ہم خیالوں میں ہمدردی کا نشہ پیدا کرنے کے لیے اپنی اپنی خواہشوں پر مذہب کا نقاب چڑھایا تھا۔ (القصۃ بطولہا)

بہرحال میں یہ کہہ رہا تھا کہ نادر شاہی تلوار کی شرر باریوں اور برق افشانیوں نے روہیلوں کی ایک بڑی تعداد کو جب اپنے اپنے علاقوں سے منتشر اور پراگندہ کرکر کے ہندوستان کی طرف دھکیل دیا تو ایرانی و تورانی عناصر کے ساتھ اب ملک اور دربار دونوں میں ایک جدید موثر عناصر کا اضافہ ہو گیا۔ اور بات اسی پر ختم نہیں ہو گئی بلکہ نادر شاہ کی واپسی اور راستہ میں اچانک اُس کے قتل کی وجہ سے جب شاہ ابدالی کو کابل و قندھار کے علاقوں میں تسلّط حاصل ہوا اور مختلف اسباب و وجوہ کی بنیاد پر ایک دفعہ نہیں بلکہ مسلسل تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ صرف روہیلوں کے جرگوں کو ساتھ لے کر شاہ ابدالی نے ہندوستان پر سات حملے کئے جن میں آخری حملہ وہی تھا جو "پانی پت کی مرہٹہ جنگ" کے نام سے مشہور ہے۔ جس کا اجمالاً ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔ اس طرح نادر شاہ کے ستائے ہوئے خانہ برباد روہیلوں کے لئے شاہِ ابدالی نے زمین تیار کر دی کہ وہ ہندوستان کی اس حکومت میں جس پر عالم سکرات طاری تھا۔ اور ہر طرف طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا اپنے لئے مواقع فراہم کریں۔ علی محمد روہیلہ تو پہلے ہی سے ایک مرکز تیار کر چکا تھا۔ اور وہی

علاقہ جو آج روہیل کھنڈ کے نام سے موسوم ہے۔ اُن کے تسلط کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔ ان کے نفوذ اور اثر کا اندازہ اسی سے کیا جا سکتا ہے کہ یہ علاقہ اُن ہی کے نام سے مشہور ہو گیا اور اب تک اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ خصوصًا "مرہٹی فتنہ" کے استیصال کے بعد شاہ ابدالی رحمۃ اللہ علیہ نے سلطنت دہلی کا جو نظم قائم کیا۔ یعنی بادشاہ شاہ عالم (جو اس وقت شاہزادہ عالی گہر کے نام سے مشہور تھے) یہ تو بادشاہ رہیں گے اور امیر الامرائی کی خدمت نجیب الدولہ روہیلہ کو اور وزارت کا چارج نواب وزیر اودھ کے سپرد ہوا۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ روہیلوں کا ملک پر ایسا اقتدار قائم ہو چکا تھا۔ جن سے قطع نظر ناممکن تھا اور جیسا کہ میں نے عرض کیا۔ اب ملک میں تین عنصر پیدا ہو گئے تھے۔ یعنی ایرانی، تورانی، روہیلے۔ اسی لئے شاہ ابدالی نے بادشاہی تو تورانیوں میں رکھی کہ وہی اب تک اس کے خاندانی طور پر مستحق تھے۔ وزارت ایرانیوں کو کہیے یا شیعوں کو دی گئی اور امیر الامرائی کا عہدہ ایک روہیلہ امیر نجیب الدولہ کے سپرد ہوا۔

روہیلوں کا حکومت دہلی کے ایسے جلیل منصب پر اقتدار حاصل ہونے کا لازمی نتیجہ تھا کہ روہیلے جو اب تک اپنا ماویٰ و ملجا زیادہ تر روہیل کھنڈ کو بنائے ہوئے تھے۔ اب دلی میں بھی اقتدار و قوت کے مظہرین بن کر اپنے وجود کو محسوس کرانے لگے۔ علامہ محسن البہاری اپنی "الیانع" میں لکھتے ہیں:۔

لما استولی احمد الابدالی المعروف بالدرانی احد الملوک جبال الافاغنة علی دہلی وکثرت سکہا جماعات من قومہ و اکثر حصی من شعرات غنم کلب۔

جب احمد شاہ ابدالی جو درانی کے لقب سے مشہور ہیں اور افغانی کوہستانوں کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ ہیں ان کا تسلط دہلی پر ہو گیا اور دلی کی گلیوں میں بکثرت ان کی قوم کے لوگ بھر گئے۔ اور یہ لوگ قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ تعداد میں تھے۔

اسی کا ذکر تھا کہ بریلی میں حافظ الملک رحمت خاں، نجیب آباد میں نجیب الدولہ اور ان کے سوا اور بھی دوسرے دوسرے مقامات میں روہیلوں کی چھوٹی بڑی ریاستیں قائم ہو گئیں حتیٰ کہ اس وقت تک رام پور، ٹونک، بھوپال ان ہی روہیلوں کی یادگاریں نیم آزاد ریاستوں کی

لہ انگریزوں کے تسلط کے بعد سنبھل کے ایک پٹھان امیر خان نے اسی "اکثر حصی من شعرات غنم کلب" کے لوگوں کو جمع کر کے جن میں مختلف امراء کے تحلیل یافتہ فوج کے سپاہی بھی شریک ہو گئے تھے۔ مختلف علاقوں خصوصاً راجپوتانہ، مالوہ کی ریاستوں پر چھاپہ مارنا شروع کیا۔ آخر امیر خاں سے انگریزوں نے ایک معاہدہ کر لیا اور راجپوتانہ مالوہ کی ریاستوں سے اضلاع کاٹ کاٹ کر ایک ریاست بنا دی گئی جن کا مرکز حکومت ٹونک ہے۔ جاورہ کی ریاست بھی امیر خاں ہی کے ایک رفیق عبدالغفور خاں کو حاصل ہوئی۔ ۱۲۔

Marfat.com

صورت میں موجود ہیں۔ بہرحال نادر شاہ نے دشمن بن کر اور شاہ ابدالی نے دوست بن کر ان روہیلوں کو ہندوستان خصوصًا بالائی علاقوں میں بھر دیا۔ ظاہر ہے کہ روہیلے عمومًا صرف سنی مسلمان ہی نہیں، بلکہ پکے حنفی بھی ہوتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ یہ اپنے اندر چند مخصوص قومی خصوصیات رکھتے تھے۔ جن کی وجہ سے یہ ان دونوں قدیم عناصر تورانی و ایرانی سے الگ نظر آتے تھے۔ اور مختلف وجوہ و اسباب نے ایک حد تک ان کو ایک الگ عنصر کی حیثیت سے ملک میں قائم کر دیا۔ خصوصًا ان کے مزاج میں فطرتًا جو ایک قسم کی سختی اور کرختگی پائی جاتی ہے جو نہ ایرانیوں میں تھی اور نہ تورانیوں میں، اور اسی کے ساتھ باوجود سنی مسلمان ہونے کے تورانیوں اور ان میں ایک نمایاں فرق یہ تھا جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ تورانی زیادہ تر صوفی مشرب اور حضرات صوفیائے کرام و اولیائے عظام کے زیر اثر تھے[1]۔ ان کے برخلاف روہیلے مسلمانوں پر بجائے صوفیوں اور ارباب باطن کے زیادہ تر

---

[1] اس وقت کتاب تو میرے سامنے نہیں ہے۔ لیکن نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی مدظلہ العالی نے ظہیر الدین بابر پر جو مقالہ لکھا ہے۔ اس میں بابر کے باپ کا ایک واقعہ درج ہے کہ حضرت عبید اللہ احرار کی مجلس میں ایک دن حاضر ہوا۔ اور نوکیلی ہڈی پر اتفاق سے بیٹھ گیا۔ گھنٹوں یہ ہڈی چبھتی رہی لیکن ادبًا اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں۔ ۱۲

Marfat.com

تنگ نظر ظاہر بینا" جزئیاتی فقہا" کا پنجہ سختی سے جما ہوا تھا۔ پشتہا پشت سے وہ اپنے اُن ہی مذہبی پیشواؤں کے زیر اثر جنھیں یہ ملّا کہتے ہیں زندگی گزار رہے تھے۔ صاحب الیانع الجنی لکھتے ہیں :۔

وکانوا اشد قوم عصبیۃً لما ینتحلونه من آراء فقہاء سمرہم اللہ تعالٰے واشد الناس جمودا علیہا۔	جن فقہا رحمہم اللہ کی آراء کی پیروی کو ان لوگوں نے اپنا مشرب اور مسلک قرار دیا تھا ان کے معاملہ میں اپنے اندر سخت تعصب رکھتے ہیں اور اس پر جمے رہتے ہیں ردیلے سخت ترین قوموں میں ہیں۔

یہ تو بیچارے کسی شاعر نے شاعری کی ہے۔ کہ اس کے معشوق کی محفل میں ——— "بات پڑیاں زبان کٹتی ہے"

لیکن اس قوم کا یہ واقعہ ہے کہ کیدانی جیسی معمولی کتاب کی ایک فقہی روایت یعنی "چاہیے کہ تشہد میں اہل حدیث کے مانند شہادت کی انگلی نمازی نہ اٹھائے" اس مسئلہ نے صدیوں بلکہ سنتے ہیں کہ اب تک یہ اہمیت حاصل کرلی ہے کہ اگر اتفاقاً نماز میں کسی کی انگلی اُٹھ گئی۔ اسی وقت اس کی انگلی تراش دی جاتی تھی۔ علامہ رشید رضا مصری نے مغنی کے مقدمہ میں اپنا یہ بیان درج کیا ہے کہ :۔

سمعته باذنی من بعض طلاب الافغانیین فی	میں نے اپنے کان سے بعض افغانی طلبہ سے لاہور کی جامع مسجد میں جو

Marfat.com

مسجد لاھور الجامع | ہندوستان میں واقع ہے یہ سُنا ہے
فی ھند وقد سالتھم | میں نے دراصل اُن سے دریافت
عن صحۃ ما نقل | کیا تھا کہ دانگلی تراشنے کا قصہ کیا
عن بعض بلادھم فی | صحیح ہے ؟ اُس کے جواب میں ہاں کہا
ذالک فقالوا نعم وعللوہ | اور اس کی توجیہہ یہ کی کہ رسول اللہ
بانہ عقاب علی مخالفۃ | صلی علیہ وسلم کی مخالفت اور ترک
الرسول وترک سنۃ | سنت کی یہ سزا دی جاتی ہے۔

تمباکو جیسی غیر منصوص چیز کی حرمت و حلت پر جو جھگڑا یہاں کے ملاؤں میں چھڑا سنا جاتا ہے کہ پچھلے چند سالوں تک یہ قصہ ختم نہیں ہوا تھا ۔۔۔ بیچارے کوٹہ ملا نے تمباکو کی حلت کا فتویٰ دے دیا تھا۔ پھر کیا تھا مختلف جرگوں کے "مجاہد" دینی حمیت و غیرت کے نشہ میں چور اپنے ملاؤں کے زیر کمان باضابطہ مسلح ہو ہو کر کوٹہ ملا پر چڑھ دوڑے۔ راستہ میں اس "دینی جہاد" کی مہم پر جو رجز پڑھا جاتا تھا۔ میرے ایک دوست نے ہم سے بیان کیا تھا کہ وہ یہ تھا۔

کوٹہ ملا کاپردی جو ساک شدہ ہم کاپردی

(یعنی) کوٹہ ملا کافر ہے اور جو اس کے ساتھ ہے وہ بھی کافر ہے!

میرے ایک اور سرحدی ہم سبق کہتے ہیں۔ کہ تمباکو کی حرمت کے جو لوگ قائل تھے اُن کا تشدد اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ جس کھیت میں تمباکو بویا جائے اس کھیت کے اطراف سے بیلوں پر غلہ لاد کر جو کوئی گزرے گا۔

Marfat.com

اس کا غالبہ بھی حرام ہوجاتا ہے۔ بہرحال اس قوم کے اسی فطری "بطش شدید" اور "ملاکیشی" کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان اور مغلی حکومت جس میں ایرانی و تورانی اب تک گونہ رواداری اور باہمی مدارات کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے۔ اس میں روہیلوں کی شدید ملایانہ ذہنیت نے بتدریج تلخی اور تندی کا اضافہ کرنا شروع کر دیا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ واقعی طور پر سرحدی پٹھان یا روہیلے نہ کبھی خارجی تھے نہ کبھی ہوتے اور نہ اب تک ہیں۔ لیکن ان کی "صوفیانہ سنیت" نہیں بلکہ شدید ملایانہ "سنیت" کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگ جو آج تک شیعوں میں اپنی مشہور کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" کی وجہ سے بدنام اور حد سے زیادہ بدنام ہیں۔ جس دن سے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ سنا گیا ہے کہ ایران میں بھی اس کے جواب دینے کی بارہا کوشش کی گئی۔ لکھنؤ کے مجتہد مولوی سید محمد صاحب کے متعلق معتبر لوگوں سے معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے بہت سی جلدوں میں اس کا جواب لکھا ہے اور بھی بہت سے چوٹی کے مجتہدوں نے اس کے جواب لکھنے کی کوشش کی اور آج تک یہ کوششیں ہو رہی ہیں —— بہرکیف شاہ صاحب کا سنیت کی حمایت میں جو شہرہ ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ لیکن خود شاہ عبدالعزیز صاحب اپنا ذاتی واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روہیلہ پٹھان جن کا نام حافظ آفتاب تھا اور شاہ صاحب کے وہ شاگرد تھے، "وہ ہمیشہ حاضر درس می شد" فرماتے ہیں کہ

Marfat.com

روزے ذکر حضرت امیر علیہ السلام بود چنانچہ عادت ماسنیان است کہ ہر صحابی کہ اند بجان و دل مناقب و فضائل او بیان می کنم، ہم چنیں کردم۔

ایک دن حضرت امیر علیہ السلام کا تذکرہ تھا۔ پھر جیسا کہ سنی لوگوں کی عادت ہے کہ جو صحابی بھی ہوں دل وجان سے ان کے فضائل اور مناقب کو بیان کرتے ہیں حسب دستور اس تذکرہ میں بھی میں نے یہی کیا۔

لیکن شاہ صاحب کے اس روزانہ حاضر باش روہیلہ تلمیذ رشید کا حال سنئے کہ محض اس لئے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے ساتھ اس وقت شاہ صاحب نے دوسرے اصحاب وخلفاء کے مناقب ومحامد کا چونکہ ذکر نہیں فرمایا تھا اسی لئے باوجود سنی ہونے کے اور کسی کو نہیں بلکہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بے تحاشہ اس نے "شیعہ" ہونے کا فتویٰ صادر کردیا۔ خود شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

بندہ را شیعہ فہمیدہ — بندہ کو اس نے شیعہ سمجھ لیا۔

اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اس کی "ملائی سنیت" نے شاہ صاحب کی جانب سے ایسی شدید نفرت اس کے دل میں پیدا کردی کہ

آمدنِ درس موقوف کرد — کہ درس میں آنا بھی اس نے بند کردیا۔

یہ فتویٰ تو تحفہ "اثنا عشریہ" کے مصنف پر اس روہیلہ پٹھان نے لگایا "ازالۃ الخفاء" اور "قرۃ العینین" وغیرہ کتابوں کے مصنف حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے "ناوک تعصب" سے محفوظ نہ رہ سکے شاہ عبدالعزیز

Marfat.com

صاحب ہی کی روایت ہے فرماتے ہیں:۔

ہم چنیں شخصے از والد ماجد مسئلہ تکفیر شیعی پرسید آنحضرت اختلاف حنفیہ کہ دریں باب ست بیان کردند۔	یوں ہی ایک شخص نے والد ماجد سے شیعوں کے کافر قرار دینے کے متعلق فتویٰ پوچھا۔ حنفی فقہاء کا اس باب میں جو اختلاف ہے (والد ماجد نے) اس کو بیان فرمایا

"ملاکیش" غریب روہیلہ پہلی دفعہ تو یہ سن کر چپ ہو رہا۔ اور پھر دُہرا کر ذرا اصرار سے اپنے منشار کو ظاہر کرتے ہوئے۔

چوں مکرر پرسید ہماں شنید	جب اس نے دوبارہ وہی بات پوچھی تو جواب میں پھر وہی سُنا۔

دوسری دفعہ اس کا یہ سننا تھا کہ آگ بگولا ہو گیا۔ جن کو وہ قطعی کافر سمجھتا تھا۔ ان کے کفر کے متعلق اختلاف کا سننا اور دوبارہ پوچھنے کے بعد بھی سننا ناقابل برداشت ہو گیا۔ گیا تھا خود حضرت سے فتویٰ پوچھنے۔ لیکن الٹ کر خود مفتی بن بیٹھا۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:۔

شنیدم می گفت ایں شیعی ست	میں نے سُنا وہ کہتا تھا کہ یہ (یعنی شاہ ولی اللہ) شیعی ہے۔

اور یہ حالت تو ہمارے سرحدی اور افغانی بھائیوں کی "سنیت" کی تھی۔ باقی رہی اُن کی "حنفیت" سو اس کا کچھ اندازہ "رفع سبابہ" اور "تبناک" کے مذکورۂ بالا مسائل ہی سے ہو سکتا ہے۔ الیانع الجنی "کے مؤلف

Marfat.com

تحریر نے حضرت شاہ ولی اللہ کے زمانہ کے ان حنفی روہیلوں کی "حنفیت صلبہ" یا سنگین ملّایانہ حنفیت کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے :۔

فکانوا اذا قرع صماخهم	اُن کا حال یہ تھا کہ جب اُن کے
ما ینا بذ مقلدهم	کان میں کوئی ایسی بات پہنچتی۔ جو
الذی استطابها عن ا	ان کے اس تقلیدی امر کے خلاف
کان احدهم یکاد یبطو	ہوتی جسے کل وہ اچھا سمجھتے تھے تو ان
بالذی خرجت منه	میں جو کوئی ہو۔ قریب ہوتا۔ کہ
القولة واستلاء علیه	اُس شخص پر چڑھ بیٹھے جس کے
غیظاً قد انتفخت	منہ سے ایسی مخالف بات نکلی ہوتی
اوداجه واحمرت وجنتاه	غصہ سے اس کے مقابلہ میں بھر جاتا
کانهما ضرام العرفج ۔ص۸۳	اُس کی گردن کی رگیں پھول جاتیں
	اُس کے رخسارے سرخ ہو جاتے

اور ایسا معلوم ہوتا کہ جھاؤ کی لکڑی کے انگارے ہیں۔

ہندوستان میں رہ پڑنے کے بعد اگرچہ اب ان کی پچھلی نسلوں میں نسبتاً وہ کرختگی اور تصلب تو باقی نہیں رہا ہے جس میں کچھ تو اس ملک کی آب و ہوا کا اثر ہے۔ نیز اس کے سوا اور اسباب بھی ہیں جن کا کچھ ذکر شاید آئندہ آئے۔ ورنہ جو اب تک ان ہی پتھریلے کوہستانوں میں رہتے ہیں۔ ان کی دینی سختی کا حال جیسا کہ سید رشید رضا مصری نے لکھا ہے وہی ہے۔ وہ لکھتے ہیں :۔

ومن ذلك ان بعض الحنفية من الافغانيين سمع رجلاً يقرء الفاتحة وهو بجانبه في الصف فضربه بمجموع يده على صدره ضربة وقع بها على ظهره كاد يموت، فبلغني ان بعضهم كسر سابة مصلٍ لرفعه اياه في التشهد۔

(ص ۱۶ مقدمہ مغنی)

ان کی سختیوں کی داستانوں میں ایک قصہ یہ ہے جو بعض افغانی حنفیوں کے متعلق سنا جاتا ہے کہ اس نے جماعت میں اپنے برابر والے کو دیکھا کہ وہ سورۃ فاتحہ (امام کے پیچھے) پڑھ رہا ہے۔ تو اس افغانی نے اس بیچارے فاتحہ پڑھنے والے کے سینے پر اس زور سے دو ہتڑ مارا کہ وہ بیچارہ پیٹھ کے بل زمین پر گر پڑا اور قریب تھا کہ مر جائے اور مجھے یہ خبر بھی ملی ہے کہ ایسے ہی ایک شخص نے تشہد کی انگلی نماز میں اٹھائی تو بعض افغانوں نے اس کی انگلی توڑ دی۔

بہرحال فتنوں والی تاریک راتوں کی جس "خونی موج کے آغوش" اور اسلامی ہند کے شدید طوفانی عہد کے ذکر کو میں نے ناصیۂ مضمون پر ثبت کیا ہے۔ غالباً اہل نظر کے سامنے اگرچہ جیسا کہ چاہیے میں کوئی تفصیلی بیان نہ پیش کر سکا۔ لیکن ایک محلاتی مقالہ میں اس تصویر کے جتنے خط و خال کو نمایاں کیا جا سکتا تھا۔ اپنے محدود معلومات اور کوتاہ رسائی کی حد تک ممکنہ کوشش کی گئی ہے۔ کیونکہ بغیر اس کے یہ بھی

Marfat.com

بات یہی ہے کہ اس "مُدّرتا بندہ" کی حقیقی قدر و قیمت قطعاً نہیں پہچانی جا سکتی۔ جس نے ابتلاء و امتحان کی اُن ہی خونی موجوں میں پرورش پائی اور طوفان کے اُن ہی ہنگاموں میں انتہائی دانائی و فرزانگی کے ساتھ وہی جس کی محبت میں وہ ہر چیز کی محبت سے دست بردار ہو چکا تھا۔ اسی کی ملّت مقدسہ اور اُمّت مرحومہ کی کشتی کو اپنی وسعت و طاقت کی حد تک منجدھار سے نکالنے میں قطعاً کامیاب ہوا۔ و صلّی اللہ تعالیٰ علی نبینا و نبیّہٖ و رسولنا و رسولہٖ و جزاہ اللہ و من امتہٖ خیر الجزاء

یہاں تک کہ تاریخی مباحث کا مقصد اور حاصل

میرا مطلب یہ ہے کہ گزشتہ بالا اوراق کے پڑھنے والے اب صحیح طور پر اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ جس زمانہ میں پیدا ہوئے۔ اور جن دنوں میں وہ سرزمینِ ہند میں زندگی گزار رہے تھے اس وقت ہر چہار طرف سے اسلام نرغہ میں گھرا چلا جاتا تھا۔ شمال مغربی علاقوں میں سکھوں کی آتشیں قوت سر اٹھا رہی تھی۔ جنوبی ہند سے مرہٹوں کا سیلاب ٹھاٹھیں مارتا ہوا ملک کے "اعزہ" کو "اذلہ" بنانے میں بے دردی سے سرگرم تھا دونوں قوتوں میں باہم جو کچھ بھی اختلاف ہو لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثر و نشانات اُن کے نام لیوں اور وابستوں حلقہ بگوشوں کا بالکلیہ قلع قمع کرنے پر دونوں ادھار کھائے بیٹھے تھے

Marfat.com

دوسری طرف خلیج بنگال کے ساحلی علاقوں سے مغربی قوتیں بتدریج اپنا پنجہ ملک پر جمانے ہوئے آگے بڑھ رہی تھیں۔ اور یہ تو بیرونی فتنے تھے اندر ایرانیوں اور تورانیوں، پھر اُن کے ساتھ روہیلوں کے باہمی تصادم اور مختلف اغراض و مقاصد کی کش مکش سے "اسلامی حکومت ہند" کی قبا تار تار ہو رہی تھی۔ اُن سیاسی مفاسد کے ساتھ ساتھ صوفیا کے غلط تصوف اور فقہا کے غلط تفقہ، حد سے گزری ہوئی عصبیت اور جاہلی حمیت نے اُمت کے شیرازوں میں الگ انتشار پیدا کر رکھا تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ ایرانی علما، اور شعرار و ادبا، کا جو دباؤ مختلف وجوہ سے ہندوستانی علماً ارباب فکر و نظر اور تعلیم و تدریس و تصنیف و تالیف کے نظام پر پڑ رہا تھا۔ اس کی وجہ سے آہستہ آہستہ یہاں کے اہل علم کا تعلق قرآن و حدیث تحقیقی فقہ و اصول فقہ اور عقائد و کلام سے ہٹ کر بے معنی لاطائل ذہنی اور لفظی مباحث کے گورکھ دھندوں میں اُلجھ اُلجھ کر "خسرالدنیا والآخرہ" کی صورت پیدا کر رہا تھا کہ ان لاحاصل مساعی کا کوئی نتیجہ نہ اُن کو دنیا میں مل سکتا تھا نہ آخرت میں، خصوصًا ایک ایسے زمانہ میں جب "مغل دربار" اور مغل دربار کے امرار جو ان لفظی نکتہ نوازیوں اور دماغی عیاشیوں کے قدر دان تھے اور ان سے گونہ محظوظ بھی ہوتے تھے۔ خود ان غریبوں کا اقتدار ہی اندر اندر کھوکھلا ہوتا چلا رہا تھا اُن کے تختے خود ہی اُلٹ رہے تھے پھر وہ بیچارے دوسروں کی قدر دانی کیا کرتے۔ اور ملک میں جو نئی قوتیں ابھر رہی تھیں۔ ان کے سامنے ان ایرانی نژاد لفظی کج بحثیوں کی

Marfat.com

کوئی اہمیت نہیں تھی۔

غالباً ان حالات کو سب دیکھ رہے تھے۔ کیونکہ سبھوں کے سامنے گزر رہا تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا جو کچھ انجام ہونے والا تھا وہ مشکل ہی سے کسی کو سوجھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اپنے عقل وحواس کو معطل کرکے ہر ایک اسی دھارے پر بہا چلا جار ہا تھا۔ جدھر زمانہ کے تھپیڑے انھیں بہائے لئے جا رہے تھے۔ لیکن حیرت نہ کرنی چاہئے خصوصًا اسلامی تاریخ مطالعہ کرنے والوں کو ششدر نہ ہونا چاہیئے کہ پہلی دفعہ نہیں بلکہ تیرہ سو سال سے اسلامی حدود کے جس علاقہ میں اس قسم کے واقعات پیدا ہوتے ہیں۔ تو کائنات کی وہی آخری قوت جس کے پیغام کا نام اسلام ہے اور جس پر خدا نے اپنی پیام بری کے سلسلوں کو ہمیشہ کے لئے مختتم فرمایا ہے۔ اسی کا کوئی معجزہ ضرور ایسے وقت میں ظاہر ہوا ہے اور ان منصوبوں کو خاک میں ملا دیا ہے۔ جو دشمن اپنے دلوں میں سوچا کرتے تھے اور جن کا خیال کر کر کے ایمان والے سہمے جاتے تھے۔ یہی واقعہ ہندوستان میں بھی پیش آیا۔

فتنوں کے اس دور میں شاہ ولی اللہ کی آمد

ایک ایسے باپ سے جو مشربًا صوفی اور تعلیمًا مشہور معقولی ومنطقی عالم میرزاہد[1] ہروی صاحب "زواہد ثلثہ" کے رشید

---

[1] تقریبًا دو ڈھائی سو سال سے اس ہراتی ہندی عالم کی تین کتابیں ہندوستان بخارا کابل وغیرہ کے مدارس میں داخل نصاب ہیں۔ ان کتابوں کو اتنی اہمیت حاصل تھی

(باقی ۳۰۵ پر)

شاگردوں میں تھے اور کیسے رشید شاگرد کہ شاہ ولی اللہ نے خود اپنے والد کی زبانی نقل کیا ہے۔ کہ ایشاں با من التفات بسیار می کردند بحدی کہ اگر می گفتم امروز مطالعہ نہ کردہ ام می گفتند یک سطر یا دو سطر خوانید کہ ناغہ نشود: (انفاس ص۳۲)

مرزا زاہد کی توجہ میری طرف اس حد تک مبذول تھی کہ میں کہتا کہ آج میں نے مطالعہ نہیں کیا اس لئے نہیں پڑھوں گا تو مرزا کہتے کہ ایک یا دو سطر ہی پڑھ لو۔ تاکہ ناغہ تو نہ ہو۔

(بقیہ ص۲۰۴) کہ عالم ہی نہیں سمجھا جاتا تھا جب تک کہ مرزا زاہد کی کتابوں میں سے کسی ایک پر یا سب پر کوئی حاشیہ نہ رکھتا ہو۔ مبالغہ نہیں ہے کہ ان تین کتابوں کے حواشی کی تعداد ہزاروں تک پہنچی ہوئی ہو گی۔ ہندوستان دراصل مرزا زاہد کے والد قاضی اسلم ہرات سے عہد جہانگیر میں آئے۔ بادشاہ نے قاضی القضاۃ کے عہدہ پر قاضی اسلم کا تقرر کر دیا تھا قاضی اسلم ملا فاضل کے اور وہ مرزا جان شیرازی مشہور منطقی عالم کے شاگرد تھے۔ بہرحال ان ہی قاضی اسلم کے صاحبزادے کا نام مرزا زاہد ہے معلوم نہیں کہ عام مدارس میں بجائے مرزا زاہد کے میر زاہد کیسے مشہور ہو گیا غالباً یہ تصیحفی غلطی ہے۔ یا لوگوں نے اس غلطی پر دوسری غلطی یہ کی کہ "قال السید الزاہد" اور "قال السید السند" وغیرہ لکھنا شروع کیا۔ مرزا زاہد بچپن ہی سے بڑے ذہین تھے کل تیرہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے عالمگیر کے زمانہ میں مختلف خدمتوں پر بحال ہوئے۔ شاہ عبدالرحیم جس زمانہ میں ان سے پڑھتے تھے۔ آگرہ میں فوج کے محتسب تھے۔ علاوہ زواہد ثلثہ کے میر زاہد کا ایک حاشیہ شرح تجرید پر بھی ہے اور اشراقیوں کی کتاب "ہیاکل النور" پر بھی ایک شرح لکھی ہے شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے "از مشرب صافی صوفیہ غیر بہرہ تمام داشتہ اند۔

Marfat.com

مرزا زاہد کی سب سے بڑی معرکتہ الآرا تصنیف حواشی امور عامہ شرح مواقف کے متعلق شاہ ولی اللہ کا بیان ہے :۔

ظاہرا تسوید حاشیہ شرح مواقف	حاشیہ شرح مواقف کی مسودہ نگاری
بہ تقریب قراۃ حضرت ایشاں بود	کا کام مرزا نے اسی سلسلہ میں کیا جب والد اُن سے یہ کتاب پڑھتے تھے

بہرحال اسی معقولی فلسفی کے ایک صوفی شاگرد کے صلب مبارک سے حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے بڑے سخت وقت اور کٹھن گھڑی میں ہندی مسلمانوں کو وہ گرامی ہستی عطا فرمائی۔ جس کا نام

حضرت سیدنا الامام مولانا الشاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز ہے

شاہ ولی اللہ کے والد شاہ عبدالرحیم کی شخصیت

اگرچہ واقعہ یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ جو کچھ ہونے والے تھے اور ہندوستان میں جس دینی و علمی موسم کو ان کی مخلصانہ کوششوں نے پیدا کیا۔ اس موسم کی بہار کی ابتدا خود ان کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیمؒ سے ہو چکی تھی۔ پہلی بازی جو شاہ عبدالرحیم نے جیتی وہ اس وقت کی بات ہے جب وہ طالب علم تھے اور فتاویٰ عالمگیری کی تدوین ہو رہی تھی۔ ان کے ایک ساتھی جن کا نام شیخ حامد تھا۔ اُن کو بھی کام کا کچھ حصہ دفتر تدوین سے عطا ہوا تھا۔ براہ محبت و دوستی، شیخ حامد نے شاہ عبدالرحیم صاحب کو شریکِ کار کرکے کچھ یومیہ (تنخواہ) کی امید

Marfat.com

دلائی لیکن جو کسی آنے والے سالِ نکو کی بہار تھا۔ اس نے ملتی ہوئی تنخواہ سے انکار کر دیا۔ اس انکار کی خبر جب شاہ عبدالرحیم کی بیوہ والدہ کو ہوئی تو برہم ہوئیں اور اصرار کر کے حکماً نوکری قبول کرنے پر مجبور کیا تو نوکر ہو گئے مگر جب اس ملازمت کی خبر آپ کے مرشد خلیفہ ابوالقاسم کو ہوئی تو آپ پر برہم ہوتے۔ اور ترک ملازمت پر قدغن شروع کیا۔ شاہ صاحب نے والدہ کے حکم کا عذر پیش کیا۔ لیکن "پیر" نے اپنے حکم کی پیروی کا فیصلہ صادر فرمایا۔ پھسل جانے کا شاید موقعہ تھا۔ لیکن شاہ عبدالرحیم سنبھل گئے، اور مرشد سے عرض کیا کہ آپ ہی دعا فرما دیں کہ نوکری چھوٹ جائے ورنہ یوں چھوڑوں گا تو والدہ کی سخت آزردگی کا اندیشہ ہے۔ حصول ملازمت کے لئے نہیں بلکہ ترک ملازمت کی دعا کرائی گئی اور کی گئی قبول ہوئی۔ عالمگیر کے پاس تدوین فتاویٰ کے ملازموں کی فہرست وقتاً فوقتاً پیش ہوتی رہتی تھی حسب دستور پیشی کا عالمگیر نے حکم دیا۔ اور بلاوجہ شاہ عبدالرحیم کے نام پر قلم پھیر دیا۔ مگر ابھی امتحان کی ایک منزل باقی تھی اور اورنگ زیب نے تنخواہ بند کر کے اس سے بھی بڑا لقمہ پیش کیا۔ فرمان ہوا کہ :-

گر خواستہ باشد۔ ایں قدر زمیں بدہید۔	اگر چاہیں تو اتنی زمین اُن کو دی جائے۔

نوکری چھوٹی، جاگیردار بنائے گئے۔ قدرت جس کا ارادہ کچھ اور تھا اس کی توفیق نے پھر اُن کے بازو تھام لئے۔ شاہ عبدالرحیم صاحب سے "شاہی فرمان" کے بموجب جب استصواب کیا گیا تو باوجود تنگیٔ معاش

اور محض بے وسیلہ ہونے کے خود فرماتے ہیں :۔

قبولؔ نہ کردم و شکرانہ بجا آوردم	میں نے قبول نہیں کیا اور شکر ادا
و حمد خدا تعالیٰ گفتم	کیا۔ اور حق تعالیٰ کی حمد کی۔

لہ شاہ عبدالرحیم کے اس قول سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اور آپ کے خاندان والوں کو جیسا کہ اس زمانہ کا عام دستور تھا۔ حکومت سے کسی قسم کی کوئی جاگیر منصب، وظیفہ، مدد معاش وغیرہ نہیں ملی تھی۔ شاہ ولی اللہ کے متعلق میں نے بہت تلاش کیا۔ بجز اس حویلی کے جو مدرسہ کے لئے محمد شاہ بادشاہ نے آپ کو پیش کی تھی اور کسی حکومتی امداد کا پتہ نہیں چلا۔ شاہ عبدالرحیم تک تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے خاندان میں قدیم سے طبابت کا پیشہ چلا آتا تھا لیکن جیسا کہ شاہ عبدالعزیز کے ملفوظات میں ہے:۔

"حکمت ہم در خاندانِ ما معمول بود۔ چنانچہ جد بزرگوار و عم فقیر دوامی کردند والد ماجد بندہ موقوف ساختہ" صفحہ ۲۲۔

شاہ ولی اللہ کے بعد بھی خاندان میں کوئی جاگیر وغیرہ آئی۔ اس کے متعلق صرف مرحوم امیر شاہ خاں صاحب کی امیر الروایات میں ایک روایت ہے کہ ضلع بلند شہر تحصیل سکندرہ میں حسن پور نامی ایک گاؤں اس خاندان کا تھا۔ امیر شاہ خاں نے اس گاؤں کو خود بھی دیکھا ہے فرماتے تھے۔ کہ اچھا خاصہ بڑا گاؤں ہے۔ ان ہی خاں صاحب کا بیان ہے کہ عموماً مال گزاری وغیرہ وصول کرنے کے لئے مولانا اسمٰعیل شہید جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ مولوی موسیٰ بن مولانا رفیع الدین بھی گئے تھے امیر الروایات میں دوسری جگہ یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ "انگریزی عہد میں شاہ اسحاق و

Marfat.com

نوکری چھوٹی، جاگیر سے محروم ہوئے۔ لیکن اس پر بھی "حمد خدا تعالیٰ گفتم" جس کا یہ مقام ہو۔ اگر اس کا اور اس کی ذرّیت طیّبہ کا قدرت کسی اہم خدمت کے لئے انتخاب کرے۔ تو

لئن شکرتم لازیدنکم — اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں بڑھاتا چلا جاؤں گا۔

کے وثیقہ محکمہ اور وعدہ مؤکدہ والے سے اور کس بات کی توقع کی جا سکتی تھی۔ زیادہ تو نہیں لیکن اتنا حال تو ہمیں بھی معلوم ہے کہ اس امتحان سے

(بقیہ صفحہ گزشتہ) شاہ یعقوب سے حکومت نے یہ جاگیر ضبط کر لی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس دن دونوں بھائی جتنے مسرور دیکھے گئے کبھی اس حال میں لوگوں نے آپ کو نہیں پایا تھا۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ گاؤں غالباً شاہ عبدالعزیز کے زمانہ میں کسی ذریعہ سے اس خاندان میں آیا تھا ورنہ اس سے پیشتر ان حضرات کا معاشی ذریعہ وہی توکل تھا جس پر سلفاً عن خلف عموماً اہل اللہ کا مدار رہا ہے۔ اگرچہ ادھر کچھ دنوں سے مغرب زدوں کے فقروں سے تنگ آکر لوگوں میں اس سے گونہ کراہیت پیدا ہوتی چلی جا رہی ہے تائید میں صحابہ کرام کو پیش کیا جاتا ہے۔ جن کی ظاہر ہے کہ حیثیت مریدوں کی تھی لیکن مشائخ و اکابر صوفیہ جس ذات گرامی کی نمائندگی کرتے ہیں سوال ان کے متعلق ہے کہ نبوّت کے بعد اور فتوحات سے پہلے درمیانی زندگی حضور نے جو گزاری کیا اس کے لئے آپ نے کوئی کسب اختیار فرمایا تھا اصل یہ ہے کہ مشائخ ان فتوحات سے دینی مہمات میں کام لیتے تھے اب اگر کوئی ان کو اپنے لذائذ نفسانی پر صرف خرچ کرتا ہے تو اس کا وہ خود ذمہ دار ہے لیکن محض اس غلط استعمال کی وجہ سے فتوحات مشائخ کے عدم جواز کا فتویٰ

Marfat.com

کامیاب ہونے کے بعد شاہ عبدالرحیم کے مرشد خلیفہ ابوالقاسم جو آگرہ میں رہتے تھے اور شاہ صاحب بھی ان دنوں آگرہ ہی میں تھے خلیفہ صاحب نے شاہ صاحب کو حکم دیا کہ شاہ عظمت اللہ نامی بزرگ کے پاس جاکر حاضری دو۔ جو سلسلۂ طریقۂ چشتیہ کے ایک کہنہ سال معمّر ترین بزرگ اس زمانہ میں آگرہ میں تھے۔ مرشد کے باربار اصرار کے بعد آخر ایک دن شاہ عبدالرحیم، عظمت اللہ شاہ صاحب کے پاس حاضر ہوئے وہ بیمار تھے۔ پلنگ پر لیٹے لیٹے باتیں کرتے رہے سلسلۂ گفتگو میں شاہ عبدالرحیم صاحب نے "اپنا خاندانی تعلق" شیخ عبدالعزیز شکربار[۱] سے ظاہر کیا

(بقیہ صفحہ گزشتہ) صادر کرنا کیا صحیح ہو سکتا ہے۔ کچھ بھی ہو میرے نزدیک تو اس زمانہ کی چندہ بازیوں اور اس کی خواریوں سے پہلے زمانہ کی فتوحات سازیوں کی عزت بہرحال بہتر تھی چندہ گر لیڈروں کی ربس میں جو مولوی یا مشائخ فتوحات سے کاسد ہیں۔ اتستبدلون الذی ھو ادنیٰ بالذی ھو خیر کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ ۱۲ منہ۔

[۱] انفاس میں ہے کہ "ایشاں جدّ اعلیٰ حضرت والد بزرگوار انداز جہت والدہ ایشاں" یعنی یہ شاہ عبدالرحیم کے نانا تھے۔ شیخ عبدالعزیز کے والد کا نام حسن تھا۔ حسن کے والد کا نام طاہر تھا۔ شیخ طاہر اگرچہ اچھہ ملتان کے رہنے والے تھے۔ لیکن شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ "ناحیۂ پورب اقامت گاہ ایشاں شد" پورب سے کیا مراد ہے۔ صاف طور سے معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ شیخ طاہر کی تعلیم اور شادی کا ذکر فرماتے ہوئے شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ تحصیلِ علم ایشاں بہ بلدۂ بہار کہ مجمع علماء بود" میں ہوئی اور "بعد فراغت قاضی بہار صبیہ خود ایشاں را داد"۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ "شیخ طاہر از ملتان بہ طلب علم بایں دیار افتاد و مدّتے در بلدہ بہار سکونت کرد و بیش

(باقی صفحہ پر)

Marfat.com

سگا عظمت اللہ، شاہ صاحب سے یہ سنتے ہی پلنگ سے زمین پر آ گئے اور شاہ عبدالرحیم کو گلے سے لگایا۔ پھر ایک سوال کیا۔ جواب پایا۔ اس کے بعد شاہ عظمت اللہ صاحب نے یہ قصہ کہنا شروع کیا کہ "میرے دادا صاحب کو شیخ عبدالعزیز شکربار نے وصیت فرمائی تھی اور کچھ تبرکات دیئے تھے اور کہا تھا کہ میری اولاد میں سے اگر کوئی تمھارے پاس آکر فلاں سوال کا فلاں جواب دے تو میرے یہ تبرکات اس تک پہنچا دینا یہ تبرکات دادا کے زمانے سے اس وقت تک اسی وصیت کے ساتھ محفوظ چلے آرہے ہیں۔ شاہ عظمت اللہ نے فرمایا کہ چونکہ سوال کا جواب تم نے دے دیا۔ اس لئے وصیت پوری کرنے کا وقت آگیا۔ یہ کہکر شاہ عبدالرحیم کے سر پر انھوں نے عمامہ باندھا اور اپنے طریقہ کی اجازت بھی عطا فرمائی۔ جب چلنے لگے تو کچھ مٹھائی اور نقد روپے بھی ساتھ کر دیئے شاہ عبدالرحیم صاحب وہاں سے ان سب چیزوں کو لئے ہوئے اپنے مرشد خلیفہ ابوالقاسم کے پاس پہنچے اور مٹھائی روپے خلیفہ صاحب کے آگے رکھ دیئے۔ ماجرا بیان کیا" بہ بشاشت

(بقیہ صفحہ گزشتہ) شیخ بدہ حقانی تحصیل علم نمود وہم در بہار شیخ حسن از خلوت عدم بہ جہان سرائے وجود رسید" صفحہ ۱۹۵ جس کے یہی معنی ہوئے کہ شاہ عبدالرحیم کے نانا کے والد بہار ہی میں پیدا ہوتے تھے اور غالباً "قاضی بہار" جس کی لڑکی سے شیخ طاہر کی شادی ہوئی وہ "شیخ بدہ حقانی" ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب ۱۲

آخر میں شیخ عبدالعزیز اپنے مرشد قاضی خان ظفرآبادی کے حکم سے دلی آئے اور موسسِ قوانین ارشاد گشت" ۱۲

قلبی تلقی کردند " اور آخر میں خلیفہ ابو القاسم نے شاہ عبدالرحیم صاحب کو یہ بشارت سنائی :-

اشارت بہ جمعیت ظاہر و عمامہ	سو پیہ تو ظاہر حال کے اطمینان اور
اشارت بہ اجازت و جمعیت باطن	فراغ بالی کی طرف اشارہ ہے اور عمامہ

باطنی اطمینان اور فراغ بالی اور اجازت کا اشارہ ہے۔

اس جمعیت ظاہر کی بشارت کے بعد خود شاہ عبدالرحیم کا بیان ہے کہ معاشی پراگندگی کا سوال ان کی زندگی میں سرے سے کبھی پیدا ہی نہیں ہوا اور نہ " جمعیت باطن کی اس خوش خبری کے بعد انہیں " معاد ی حیات " کے لیے کبھی دشواری اٹھانی پڑی ۔ " فتوحات " کی یہی شکل کہ دل سے نکال دینے کے بعد آنکھوں کے سامنے آئے تب تو واقعی فتوحات ہیں ۔ لیکن جو لوگ بہ ظاہر ان سے آنکھیں چراتے ہیں ۔ لیکن ان کے دلوں میں چوبیس گھنٹے ان ہی فتوحات کے بت براجمان ہیں ۔ یقیناً یہ فتوحات نہیں عقوبات ہیں قرآن کی اس آیت کا ایک مصداق اگر یہ " فتوحات " بھی ہوں ۔ تو کیا تعجب ہے۔

ان کثیرا من الاحبار والرهبان	قطعاً بہت سے احبار (علماء یہود)
لیاکلون اموال الناس	اور رہبان (مشائخ نصاریٰ)
بالباطل ویصدون	لوگوں کے مال باطل راہ سے کھاتے
عن سبیل الله والذین	ہیں اور روکتے ہیں ۔ اللہ کی راہ
یکنزون الذهب والفضة	سے اور جو سونے چاندی کو سینت

ولا ینفقونھا فی سبیل	سینت کر رکھتے ہیں اور اللہ کی
اللہ فبشرھم بعذاب	راہ میں اسے خرچ نہیں کرتے
الیم یوم یحمی علیھا فی	ایسے لوگوں کو دکھ بھرے عذاب
نار جھنم فتکوی بھا	کی بشارت سنا دو جس دن تپایا جائیگا
جباھھم وجنوبھم	چاندی سونے کو جہنم کی آگ پر
وظھورھم ھذا	پھر داغی جائے گی پیشانی
ما کنزتم لانفسکم	اُن کے پہلو اور اُن کی پیٹھ یہ
فذوقوا ما کنتم تکنزون۔	وہی ہے جو تم نے جمع کیا تھا اپنے لئے.
	پس لو چکھو عذاب اس کا جو جمع کیا تم نے

انفاس العارفین اور بعض دوسری کتابوں میں شاہ عبدالرحیم کی جس صاف ستھری زندگی کے پڑھنے سے دل کو راحت ملتی ہے اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ " ولی اللہی حقیقت " دراصل قدرت کے اسی قانون کا مظہر ہے جو کسی شاعر نے کہا ہے :۔

کذٰلک تتناع لینۃ ھو عرقھا

وحسن نبات الارض من کوم البذر

شاہ ولی اللہ کی ولادت سے پہلے شاہ عبدالرحیم کو ان کے کمالات کی بشارت

بلکہ شاہ ولی اللہ نے خود بھی اور دوسروں نے بھی لکھا ہے کہ شاہ ولی اللہ اور ان کے کمالات و مقالات کی بشارت شاہ عبدالرحیم کو پہلے

سے مل چکی تھی۔ ایک واقعہ انفاس العارفین میں درج ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ محض شاہ ولی اللہ کی ولادت کے لئے شاہ عبدالرحیم نے کسی غیبی اشارہ کے ماتحت ہی ساٹھ سال کی عمر میں دوسری شادی کی تھی بعض لوگوں کو اس پر اعتراض بھی ہوا کہ:۔

دریں عمر کدخدائی مناسب نہ بود	اس عمر میں شادی مناسب نہ تھی

شاہ عبدالرحیم نے سن کر فرمایا۔ کہ:۔

مدتے دراز از عمر من باقیست	میری عمر کا بڑا حصہ ابھی باقی ہے
و فرزندان بوجود خواہند آمد	اور انشاءاللہ چند لڑکے ابھی اور پیدا ہوں گے۔

شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ اس کے بعد والد سترہ سال زندہ رہے اور دو لڑکے حضرت کے تولد ہوئے۔ جن میں ایک خود شاہ صاحب ہیں اسی طرح انفاس ہی میں ہے کہ تہجد کی نماز شاہ عبدالرحیم اور شاہ ولی اللہ صاحب کی والدہ پڑھ رہی تھیں۔ نماز کے بعد شاہ عبدالرحیم نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا اور بیوی صاحبہ سے آمین کہنے کے لئے کہا۔ دعا ہو رہی تھی کہ ابھی شاہ ولی اللہ عالم وجود میں نہیں آئے تھے۔ بہرحال عین دعا کی حالت میں

درمیان ایشاناں دو دست دیگر ظاہر شد	ان دونوں کے درمیان میں دو ہاتھ اور ظاہر ہوئے۔

شاہ عبدالرحیم نے فرمایا کہ:۔

Marfat.com

این دو دست فرزند ما اند

یہ دونوں ہاتھ ہمارے لڑکے کے ہیں۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ سات سال کی عمر میں اپنے والدین کے ساتھ نماز تہجد میں ٹھیک اسی شکل کے ساتھ دعا کرنے کا موقعہ میسر آیا "وھذا تاویل رؤیای قد جعلہ ربی حقا" ــــــ شاہ ولی اللہ جس لئے پیدا ہوئے تھے اس کا اشارہ بچپن ہی میں اُن کے والد نے ایک خاص طرز سے فرما دیا تھا۔ خود ہی لکھتے ہیں:۔

این فقیر بہ موافقت احباء و اقرباء روزے بہ تفرج بوستانے رفت چوں باز آمد حضرت ایشان فرمودند اے فلانے دریں شبانہ روز چہ حاصل کردی کہ باتو باقی ماند۔

فقیر اپنے دوست احباب اور بعض عزیزوں کے ساتھ ایک دن ایک باغ کی سیر کو گیا جب واپس ہوا تو حضرت (والد) نے فرمایا۔ اے فلاں رات دن میں تم نے کیا چیز حاصل کی جو تمہارے ساتھ باقی رہے؟۔

"چہ حاصل کردی کہ باتو باقی ماند" والد بزرگوار کے سوال کا یہی تیر تھا جو سعادت مند فرزند کے قلب صالح میں جاکر ترازو ہو گیا۔ اور ایسا ترازو ہوا کہ پھر عمر بھر نہ نکلا۔

خود فرماتے ہیں:۔

بمجرد این کلام دل فقیر از تفرج بوستانہا سرد شد باز شغل این

بس اتنی بات کے سننے کے ساتھ ہی فقیر کا دل باغوں کے سیر سپاٹے سے

Marfat.com

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] آپ کی نسبت اصلی اس فقری میان کے صحیح [illegible]

[illegible] ارشادات میں کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

مجھے براہ راست جن امور کی وصیت کی گئی (جن میں سے ایک کا ذکر پہلے کر چکا ہوں) ان میں ایک چیز یہ بھی تھی کہ:-

التقلید بھذہ المذاھب الاربعۃ لا اخرج منھا والتوفیق ما استطعت	ان چار مذاہب مروجہ کی تقلید سے کبھی باہر قدم نہ رکھوں اور جہاں تک ممکن ہو سب میں تطبیق کی کوشش کروں۔

پھر شاہ صاحب ترک تقلید کے متعلق اپنے نفسی میلان اور طبعی رجحان کا ذکر کرنے کے بعد اپنی مجبوری کو اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ:-

ولکن طلب منی التعبد بہ بخلاف نفسی۔	لیکن میں کیا کروں کہ میرے اقتضائے نفسی کے خلاف ان مذاہب اربعہ

کی پابندی ہی کا مجھ سے مطالبہ ہے اور اس بارے میں مجھے سرِ نیاز جھکا دینے ہی کا حکم ہے۔

آگے چل کر اپنے میلانِ نفس بسوئے عدم تقلید اور وصیت نبوی دربارۂ اختیار تقلید کے اصل راز کے متعلق صرف اتنا فرماتے ہیں کہ:-

وھھنا نکتۃ طویت ذکرھا وقد تفطنت بحمد اللہ بسر ھذہ الجبلۃ وھذہ الوصاۃ (فیوض ص۶۵)	یہاں ایک باریک راز ہے جس کے ذکر کو میں نے بالقصد قلم انداز کر دیا ہے۔ اور خدا کا شکر ہے کہ اپنی فطرت اور آنحضرتؐ کی اس وصیت کے اس راز کو میں نے سمجھ لیا ہے۔

Marfat.com

جب شاہ صاحب نے ہی اس نکتہ کا ذکر نہیں فرمایا ۔ تو میں کیا کہہ سکتا ہوں ۔ لیکن اتنی بات تو سمجھ میں آتی ہی ہے کہ آپ کے اس فطری میلان اور طبعی رجحان کا یہ نتیجہ ہوا کہ آپ کے سامنے دو چیزیں مسلسل آتی رہیں ۔ جن سے آپ کے معاصرین غافل تھے ۔ سب سوئے ہوئے تھے لیکن خدا نے آپ کو بیدار رکھا اسلام اور مسلمانوں کی جو حالت اس ملک میں ہو رہی تھی ۔ اس کے تمام پہلوؤں پر آپ کی نظر پہنچی ۔ دماغ نے مخلصی اور نجات کی راہ ڈھونڈنی شروع کی ۔ یہ ہو سکتا تھا کہ کفر کے اس غلبہ و استیلا ۔ اور ارباب حکومت کی خود غرضیوں اور نااہلیوں کو دیکھ آپ آستین چڑھا لیتے اور ایک آستین چڑھا کر "الجہاد ثم الجہاد" کا نعرہ لگا کر مسلمانوں کی کسی جماعت کو اپنے ساتھ لے کر سیاسی کش مکش میں مبتلا ہو جاتے اور جب دنیا کے نام پر مختلف گوشوں سے مختلف قوتیں اپنے گرد لوگوں کو جمع کر رہی تھیں تو دین کے نام پر نیم مردہ مسلمانوں کو بھی کیوں نہ زندہ کیا جا سکتا تھا ۔ خصوصاً جب ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ شاہ صاحب کا خاندانی تعلق جس قبیلہ اور نسل سے تھا ۔ علم و تصوف کے ساتھ اس خاندان کے لوگ فوجی کاروبار میں بھی یگانہ روزگار تھے بلکہ شاہ عبدالرحیم سے پہلے تو شاہ صاحب کے خاندان میں علم و تصوّف کی محض ثانوی حیثیت تھی ۔ اصلی کام اس خانوادہ کا جہاد ہی تھا ۔

(جملہ معترضہ) شاہ صاحب آپ کے براہ راست جدامجد یعنی شیخ وجیہ الدین کے واقعات تو خود شاہ صاحب

کے جدامجد شاہ وجیہ الدین کی تاریخی شجاعت

نے اپنی مختلف کتابوں میں درج کیے ہیں۔ جن کو سن کر حیرت ہوتی ہے۔ عالمگیر کی فوج جب شاہ شجاع سے نبرد آزما ہوئی۔ اور شجاع نے ہاتھیوں سے حملہ کیا تو شاہ صاحب کے ان دادا ہی نے گھوڑے پر بیٹھ کر ان زرہ پوش ہاتھیوں پر حملے کئے اور ان کی سونڈ کاٹ ڈالی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بھگوڑے ہاتھیوں نے شجاع ہی کی فوج کو کچل کے رکھ دیا۔ ایک اور موقعہ پر مسلسل تین مرد میدان راجپوتوں کو ایک ایک وار سے ختم کیا۔ یہ تینوں راجپوت حقیقی بھائی تھے قتل ہونے کے بعد ان کی ماں شیخ وجیہ الدین سے آکر ملی اور اپنا منہ بولا بیٹا بنایا۔ جسے شاہ وجیہ الدین نے بھی تسلیم کر لیا۔ شاہ عبدالرحیم صاحب فرماتے تھے کہ:۔

من بارہا بخانہ او رفتم او را جدہ می گفتم و وے در شفقت دقیقہ فرو نمی گذاشت بلکہ من جدہ خود را ندیدہ بودم و در صغر نمی دانستم کہ مرا بجز ایں عجوزہ جدہ دیگر بودہ است۔

بارہا میں اس بڈھی کے گھر جاتا تھا اور اس کو میں دادی دادی کہتا تھا وہ بھی مہربانی اور شفقت میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھتی تھی۔ بلکہ اپنی واقعی دادی کو چونکہ میں نے نہیں دیکھا تھا اس لئے بچپن میں اس بڈھی کے سوا میں اپنی دادی کسی اور کو نہیں جانتا تھا۔

ایک مشہور بہادر سید شہاب الدین نے آپ سے ہمعاملگی کی بشاہ

عبدالرحیم کا بیان ہے کہ میرے سامنے والد نے اسے ایک طمانچہ رسید کیا جس سے وہ بیہوش ہو کر گر گیا ــــــ بہرحال شیخ وجیہ الدین کا مدت العمر مشغلہ یہی فوجی خدمت تھی۔ اگرچہ آخر عمر میں نوکری چھوڑ دی تھی لیکن بڑھاپے میں پھر گھوڑا خرید کر جہاد کے لئے دکن روانہ ہوئے اور راہ میں شہادت میسر آئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جسم پر بائیس گہرے زخم تھے۔ سر کٹ جانے کے بعد بھی ایک میل کی زد تک آپ کی بے سر لاش دشمن کا تعاقب کرتی رہی ــــــ تقریباً یہی حال شاہ ولی اللہ نے اپنے پردادا معظم کا لکھا ہے۔ اور مسلسل پشتہا پشت تک ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ خاندان فوجی مہمات میں نام آور اور دیدہ ور رہا ہے۔ شاہ ولی اللہ خود اپنے والد کے متعلق لکھتے ہیں کہ :-

ایشاں باخلاق سلیمہ مرضیہ از شجاعت و فراست و کفایت و غیرت بوجہ اتم متصف بودند۔	حضرت دیگر اخلاق سلیمہ پسندیدہ کے ساتھ شجاعت بہادری اور غیرت وغیرہ صفات سے بوجہ اتم موصوف تھے

اگرچہ شاہ عبدالرحیم صاحب کو فوجی خدمت انجام دینے کا کوئی موقعہ اپنے اسلاف کے مطابق نہ ملا۔ لیکن اس فقرہ سے ان کی شجاعت اور بہادری کا حال بھی معلوم ہوتا ہے[۱]۔ اور خود شاہ ولی اللہ صاحب کے متعلق تو مشہور

---

[۱] سیرت سید احمد شہید کے مقدمہ میں علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہٗ نے شاہ عبدالرحیم صاحب ہی کے تذکرہ میں ارقام فرمایا ہے کہ

"شاہ عبدالرحیم کے مجاہدانہ جذبات کا پتہ ان کے خطوط سے ملتا ہے۔ ان کے مکاتیب

(باقی صا۲۲۱)

ہی ہے کہ "ترجمہ قرآن" کی بنیاد پر دلی کے بعض پرانے خیال کے مولویوں نے جب آپ سے اختلاف کیا اور اختلاف کو اس حد تک پہنچا دیا کہ عوام میں کافی بدظنی و برہمی پیدا ہوتی۔ اسی سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ فتح پوری کی مسجد میں تقریباً سو سوا سو آدمیوں اور بدمعاشوں کو لے کر بعض ملاؤں نے آپ کو گھیر لیا۔ شاہ صاحب کے ساتھ صرف چند رفقاء اور آپ کے ہاتھ میں صرف ایک پتلی لکڑی تھی۔ اسی لکڑی کو لے کر اس خونی مجمع میں جو باضابطہ تلواروں اور دوسرے ہتھیاروں سے مسلح تھا۔

"غیر معمولی جوش کی حالت میں اللہ اکبر کا ایک نعرہ مارا۔ اور اس جماعت کو چیرتے پھاڑتے نکلے چلے گئے۔" (حیات طیبہ)

یوں بھی شاہ صاحب کو سیاسی مسائل اور حکومتی نظامات کے متعلق جو دلچسپی تھی اس کا اندازہ ان کی مختلف کتابوں مثلاً ازالۃ الخفا، اور حجۃ اللہ وغیرہ کے سیاسی مباحث سے ہوتا ہے۔ سیاسیات میں اُن کی رائے کتنی عمیق اور دوررس ہے۔ افسوس ہے کہ اس کے لیے مستقل مضمون کی ضرورت ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں۔ شاہ صاحب کی عام متداول کتابوں میں اس کا کافی مواد موجود ہے۔ کوئی چاہے تو ان کو موجودہ اصطلاحات اور تعبیروں کے قالب میں ڈھال کر بیان کرسکتا ہے۔ ممکن ہے کہ اگر فرصت

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کا ایک نسخہ جامع عثمانیہ حیدر آباد کے کتب خانہ میں میری نظر سے گزرا ہے اس میں ان کا خط نظام الملک آصف جاہ اوّل کے نام ہے جس میں انھوں نے نواب مرحوم کو مرہٹوں سے جہاد کی ترغیب دی ہے۔ ۱۲ منہ

Marfat.com

ہمدست ہوئی تو شاید اس کام کو میں ہی کبھی انجام دوں۔ بالفعل صرف ان کی طرف اشارہ کرکے میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ باوجود ایسے ماحول اور اسباب کے شاہ صاحب نے سنانی اور سیفی مجاہدہ کی راہ کیوں اختیار نہیں[1] کی۔ یہ تو قطعاً غلط ہے کہ وہ اس مسئلہ کے متعلق جس پر ماضٍ الیٰ یوم القیمۃ ربعنی جہاد کا قانون قیامت تک کے لئے" محمدی کی مہر نبوت کندہ ہے۔ اس قانون کو شاہ صاحب خدا نخواستہ کسی خاص زمانہ تک محدود سمجھتے تھے۔ بلکہ اپنے اجداد کے حالات کو درج فرماتے ہوئے جہاں اپنے جدّ امجد کی بہادری کے واقعات لکھنے لگے ہیں۔ تو اس سے پہلے آپ نے یہ بھی ارقام فرمایا ہے:۔

کہ چندے ازیں باب دریں کتاب می نویسم کہ تنبیہے باشد اہل ایں	چند واقعات میں اسی لئے اس کتاب میں درج کرتا ہوں تاکہ اس خاندان کے لئے وہ بیداری کا پیغام اور سبب ہوں۔

اور کون کہہ سکتا ہے کہ دوسری ہی پشت میں حضرت شاہ صاحب کے گھرانے سے جو وہ مردِ غازی مولانا اسمٰعیل شہید اٹھے۔ اور ایک مدت تک بجائے قلم کے تلوار کو کمر سے لگا کے رہے تا آیں کہ اسی راہ میں بالآخر جان

---

[1] حضرت شاہ صاحب نے تفہیمات الٰہیہ میں ایک جگہ "جہاد بالسیف" کے بارہ میں بھی اپنی قابلیت کو خود ہی بیان فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو تفہیمات صفحہ ج ۱۔ اور وہیں سے یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ آپ نے یہ راہ کیوں اختیار نہیں کی۔ ۱۲

عزیز بھی نذر کی۔ یہ شاہ صاحب کی کسی اندرونی تربیت کا نتیجہ نہ تھا جس کا رواج اُن کے خاندان میں چلا آرہا تھا۔

باوجود ان تمام باتوں کے پھر میں صحیح طور پر نہیں کہہ سکتا کہ شاہ صاحب نے آخر یہ راہ خود کیوں اختیار نہیں فرمائی۔ مجھے اب تک ان کے کلام میں کوئی چیز صراحۃً نہیں ملی ہے۔ آئندہ اگر کوئی چیز ہاتھ آئی تو انشاءاللہ پیش کی جائے گی۔ بالفعل ان کے مسلک کے متعلق اس باب میں جن وجوہ تک پہنچ سکا ہوں۔ انھیں درج کرتا ہوں۔ فیوض الحرمین میں شاہ صاحب نے "تحقیق شریف" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے۔ اگرچہ کچھ طویل ہے۔ لیکن جب تک پورا مضمون نقل نہ کیا جائے مطلب سمجھ میں نہیں آسکتا۔ میرے نزدیک شاہ صاحب نے اس مضمون میں خدمت دین کا جذبہ رکھنے والوں کے لئے خاص ایسے وقت کے واسطے جب کہ کسی وجہ سے اعلاً کلمۃ الحق کے لئے "جہاد بالسیف" کا امکان نہ ہو کام کا پورا پروگرام پیش کردیا ہے — ارقام فرماتے ہیں:۔

خلافت ظاہرہ للامۃ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
خلافت باطنہ المرحومۃ	زندگی۔ اُمتِ مرحومہ کے لئے
اسوۃ حسنۃ برسولہ	اسوہ اور نمونہ ہے۔ پھر اس نمونہ
صلی اللہ علیہ وسلم	کی تقسیم یوں کرتے ہیں، ظاہری
لاصحاب الخلافۃ الظاہرۃ	خلافت والے یعنی جو شرعی حدود
اعنی المعتنین باقامۃ	اور جہاد کے ساز و سامان کی تیاری

Marfat.com

الحدود والمداخل او ردوات الجهاد
وسد الثغور واجازة الوفود
وجباية الصدقات والخراج
وتفريقها على مستحقها.
وفصل الاقضية والنظر
فى اليتامى والاوقاف المسلمين
وطرقهم ومساجد لهم
واشباه هذه الامور
فمن كان مشتغلا
بهذه الامور نسميه
بالخليفة الظاهرة
لهم اسوة حسنة
برسول الله صلى الله
عليه وسلم فيما سن
فى هذا الباب بالتفصيل
المذكور فى كتب
الحديث ———
وللاصحاب الخلافة
الباطنية اعنى المعتنين

اور سرحدی علاقوں کی ناکہ بندی
وحفاظت اور وفود کو اکرام وانعام
دینے کی خدمت اور صدقات محصول
مال گزاری وغیرہ کی وصولی پر ارباب
استحقاق پر ان کے تقسیم
مقدمات کے فیصلے، یتیموں کی
نگرانی، مسلمانوں کے اوقاف کے
انتظام، نیز راستوں، سڑکوں
اور مساجد وغیرہ کی تعمیر
اور کسی قسم کے اور کاموں کے
لئے مقرر ہیں۔ غرض مسلمانوں میں
جو ان خدمات اور مشاغل میں مصروف
ہیں انھیں کو میں خلافت ظاہری والوں
کے نام سے موسوم کرتا ہوں۔ ان
لوگوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی سیرت میں بہتر نمونے
ہیں۔ جنھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے ان امور کے متعلق جاری فرمایا
اور حدیث کی کتابوں میں جن کی

Marfat.com

بتعلیم الشرائع والقرآن والسنن والآمرین بالمعروف والناھین عن المنکر والذین یحصل بکلامہم نصرۃ الدین امابالمجادلۃ کالمتکلمین او بالموعظۃ لخطباء الاسلام اوبصحبتہم کمشائخ الصوفیۃ والذین یقیمون الصلوۃ والحج والذین یدلون علی طریق اکتساب الاحسان والمرغبون فی النسک والزھد والقائمون بھذا الامر ھم الذین نسمیہم بالخلفاء الباطنین لھم اسوۃ حسنۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما سنّہ من ھذا الباب

تفصیل مذکور ہے ۔ اور جو لوگ باطنی خلافت والے ہیں یعنی جو اس کام پر مقرر ہیں کہ شرائع اور قوانین اسلامی قرآن اور سنن و آثار کی تعلیم دیں اور معروف یعنی اچھی باتوں کا لوگوں کو حکم دیں بری اور منکر باتوں سے روکیں ۔ اسی طرح وُہ لوگ جن کے کلام سے دین کی تائید ہوتی ہے ۔ خواہ مناظرہ اور مباحثہ کی راہ سے جیساکہ متکلمین اسلام کا حال یا وعظ و پند کے طریقہ سے جیساکہ اسلام کے مقررین اور خطباء جس خدمت کو انجام دیتے ہیں یا وہ لوگ جو اپنی صحبت اور توجہ وہمت سے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرتے ہیں جیساکہ مشائخ صوفیہ کا حال ہے ۔ اسی طرح جو نمازیں قائم کراتے، حج کراتے ہیں اور جو احسان (دوام حضور) کے

Marfat.com

بالتفصیل المذکور فی کتب الحدیث۔ حصول کی راہ لوگوں کو بتاتے ہیں اور زہد وتقویٰ کی طرف لوگوں کو راغب کرتے ہیں۔ بہرحال جو لوگ ان دینی خدمات کو انجام دیتے ہیں۔ ان ہی لوگوں کو ہم خلفا۔ باطنی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ان لوگوں کے لئے بھی بہترین نمونے ہیں یعنی اس باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طریقہ عمل اختیار فرمایا اور حدیث کی کتابوں میں جس کی پوری تفصیل موجود ہے"۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے خلافت کی دونوں صورتوں اور ان کے لوازم وآثار سے بحث کی ہے۔ جس کے درج کرنے کی سردست ضرورت نہیں ہے۔

شاہ صاحب کی مذکورہ بالا عبارت ہی سے یہ بات معلوم ہوجاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت و نمائندگی اور "خلافت" کا انحصار محض سیاسی اقتدار کے مظاہر کی حد تک محدود نہیں ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی جو نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کو "خلافت" کا ایک حصہ ملا ہے۔ جیسے سیاسی اقتدار رکھنے والوں اور حکومتی خدمات انجام دینے والوں کو بھی اس کا ایک ہی شعبہ ملتا ہے ——— ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے نزدیک قدرت نے جس کسی کو جس قسم کی خلافت اور نیابت نبوت کے مظہر بننے کا موقعہ عطا فرمایا ہے وہ اسی اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونوں کو

Marfat.com

اپنے سامنے رکھ کر اپنے کاروبار کی تنظیم کرے اور اسی شعبہ کے اسوۂ نبوی کو شمع راہ بناکر اپنے فرائض خلافت کو انجام دے ــــــ گویا یوں سمجھنا چاہیے کہ اسلام نے مثلاً امراء کو بھی مخاطب کیا ہے اور غرباء کو بھی، تندرستوں کو بھی اور بیماروں کو بھی، احرار کو بھی اور عباد و اماء کو بھی، ظاہر ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان سب کے فرائض بالکل یکساں ہیں بلکہ امراء جنھیں قدرت نے مال و دولت عطا کی ہے اُن ہی کے ساتھ ان احکام کا تعلق ہے جو مالیات سے متعلق ہیں اور جو صحت کی دولت سے سرفراز ہیں۔ ان ہی تک وہ احکام محدود رہیں گے۔ جن کی ادائیگی صحت کے ساتھ مشروط ہے پس اسی طرح گو قرآن نے ہر قسم کے احکام کی تبلیغ کی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جامع زندگی سے تقریباً ہر حکم کے متعلق تشریح کے نمونے پیش فرمائے ہیں لیکن اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ قرآن کے ہر حکم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر نمونہ کی اتباع پر ہر مسلمان مساوی طور پہ مجبور کیا گیا ہے بلکہ جو خوش بخت خلافت ظاہرہ کے اسباب و ادوات سے سرفراز ہیں وہ اس بات میں مکلف ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز حکومت اور طریقہ سیاست کو اختیار کریں اور اس کو دنیا میں سربلند کرنے کے لئے تدابیر عمل میں لائیں ــــــ علیٰ ہذا جس کسی کو خلافت باطنہ کا جو حصہ عطا ہوا ہے وہ اسی پہلو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ "تفہیمات الٰہیہ" میں شاہ صاحب نے اپنے جس طویل خطاب

Marfat.com

سے مسلمانوں کو خطاب فرمایا ہے۔ جس کا ترجمہ پہلے درج کر چکا ہوں اُس میں آپ نے مسلمانوں کے مختلف طبقات کو الگ الگ کر کے پکارا ہے۔ اور بجائے اس کے کہ ہر مسلمان پر اس عام دعوت کو پیش فرماتے خصوصیت کے ساتھ "ملوک اسلام کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:۔

ایھا الملوک المرضی	بادشاہو! ملاء اعلیٰ کی مرضی اس
عند الملاء الاعلیٰ	زمانہ میں تمہارے متعلق یہ ہے
فی ھٰذا الزمان ان تسلّو	کہ تلواریں سونت لو۔ پھر انھیں
السیوف ثم لا تغمدوھا	نیام میں نہ کرو۔ جب تک اللہ تعالیٰ
حتی یجعل اللہ فرقانًا	مسلمانوں کو مشرکوں سے بالکل جدا
بین المسلمین والمشرکین	نہ فرما دے اور کفار کے سرکش افراد
وحتی یلحق مردۃ الکفار و	نیز فساق کمزوروں میں جاکر شریک
الفساق بضعفا لھم لایستطیعون	نہ ہو جائیں اور خود اپنے لئے ان میں
لانفسھم شیئًا وھو قولہ تعالیٰ	کچھ کرنے کی سکت باقی نہ رہے۔
وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ	یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے
ویکون الدین کلّہٗ للہ۔	اس قول کا کہ جنگ کرو کافروں سے

اس حد تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور "دین" "قانون" صرف اللہ کے لئے مخلص ہو کر رہ جائے۔

الغرض خصوصیت کے ساتھ بجائے عام مسلمانوں کے اس خطاب میں شاہ صاحب نے ملوک یعنی ان ہی لوگوں کو مخاطب کیا ہے جو کسی نہ کسی

Marfat.com

حیثیت سے سیاسی اقتدار اور عسکری قوت کے مالک ہیں پھر آپ نے ان کو صرف اس "سلبی کام" ہی کا مخاطب نہیں بنایا ہے۔ بلکہ اس کے بعد حکومت کے ایجابی احکام کا مکلف بھی ان ہی کو قرار دیتے ہیں۔

فرماتے ہیں:۔

فاذا ظهر الفرقان فرضاء	جب مسلم و کافر میں اس طرح جدائی
الملاء الاعلى ان تنصبوا	پیدا ہوئے تو اس کے بعد ملاء اعلیٰ
فی کل ناحیة وفی کل	کی رضا یہ ہے کہ تم اے بادشاہو!
میسرة ثلثة ایام واربعة	ہر علاقہ اور تین دن یا چار دن کی
ایام امیر عادلا یاخذ	ہر مسافت پر ایک صاحب عدل
للمظلوم حقه من الظالم	امیر کو مقرر کرو۔ جو ظالم سے مظلوم
ویقیم الحدود ویجتهد	کا حق لے سکتا ہو۔ اور شرعی حدود
ان لا یحصل نیهم بغی ولا	قائم کر سکتا ہو۔ اور اس کی کوشش
قتال ولا ارتداد ولا کبیرة	کرے کہ ان کی طرف سے پھر سرکشی
ولیفشوا الاسلام وتظهر	اور فساد پیدا نہ ہو اور ارتداد اور
شعائره و یاخذ بفرائضه	کبیرہ کا ارتکاب نہ کر سکیں اسلام
کل احد ویکون لامیر کل بلد	بالکل فاش اور علانیہ ہو جائے اس
شوکة یقدر بها علی اصلاح	کے شعائر کھلم کھلا ظاہر ہوں اور
بلده ولا یکون له شوکة	اپنے منصبی فرائض کو ہر شخص اختیار
یتمتع سببها ویعصی علی السلطان	کرے۔ چاہیئے کہ ہر شہر کے امیر

وینصب فی کل اقلیم کبیر امیر
یقلدہ القتال فقط یکون
جمعہ اثنا عشر الفا من المجاھدین
لا یخافون فی اللہ لومۃ
لائم یقاتلون کل باغ
وعاد فاذا کان ذالک شرع
الملاء الاعلی ان
یفتش حینئذ من
الانتظامات المنزلیہ
والعقود ونحوہ
حتی لا یکون شیئ الا
موافق الشرع حتے
یامن الناس من کل وجہ
(تفہیمات الہیہ صـ۲۱۶)

کے پاس اتنی قوت وشوکت ہو۔
جس کے ذریعہ سے اپنے شہر کی
اصلاح پر وہ قابو پا سکے۔ مگر اتنی
شوکت وقوت اس کے پاس نہ ہو
کہ اُن سے خود نفع اٹھانے لگے۔
اور بادشاہ وقت سے سرکشی کرنے
لگے چاہیے کہ ہر اقلیم (صوبہ) میں ایک
بڑا امیر بھی مقرر ہو جس کے ذمہ فقط
جنگ کی ذمہ داری عائد کی جائے
چاہیے کہ اس کی فوجی جمعیت ایسے
بارہ ہزار مجاہدوں کی ہو جو اللہ
کی راہ میں کسی ملامت سے خوف زدہ
نہ ہوں اور ہر سرکش باغی سے جنگ
کر سکتے ہوں۔ جب یہ ہو چکے تب چاہیے
کہ منزلی تعلقات (اور معاشری قوانین)
اور عقود و معاملات کی جانچ پڑتال کی جائے اور اسی قسم کی دوسری
باتوں کی (پھر ایسی صورت اختیار کی جائے) کہ کوئی بات ایسی باقی نہ رہ
سکے جو شریعت کے مطابق نہ ہو۔ تاکہ لوگ ہر لحاظ سے امن وعافیت
کی زندگی بسر کرنے لگیں۔"

Marfat.com

اس قسم کے خاص خاص خطابات اور مخصوص دعوات کا ذکر شاہ صاحب کے کلام میں دوسرے مقامات پر بھی ملتا ہے۔ لیکن میں سردست اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ شاہ صاحب کا اس کے بعد جو مسلک منقح ہوتا ہے میں اب اس کی اس سے زیادہ تصریح نہیں کرنا چاہتا اور نہ اب مزید کی ضرورت ہے۔

سیاست اور اسلام کا واقعی تعلق شاہ صاحب کی نظر میں

آج جب دنیا کا ہر طبقہ ایک قسم کے سیاسی بحران میں مبتلا ہے اور انسانیت کے اول و آخر، ظاہر و باطن میں اب بجز "سیاست" کے اور کچھ نہیں رہ گیا ہے جس کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں میں بھی ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جو اسلام کو صرف "سیاست" اور "سیاست" کو صرف "اسلام" قرار دینے پر مُصر ہے۔ گویا ان کے غلاۃ کے نزدیک ہر شخص کے اسلام و ایمان، دینی خدمات کی بھلائی و بُرائی کا سارا دارومدار اسی پر رہ گیا ہے۔ اُن کے خیال میں اب "خیر" بلکہ ایمان بھی صرف اس میں ہے جو موجودہ سیاسی قصوں میں اپنا کچھ نہ کچھ پارٹ ادا کرتا ہو۔ اور جو بیچارے کسی وجہ سے (اگرچہ آج کل کی سیاست کی گندگی ہی کی وجہ سے) ان سیاسی مشاغل سے محروم ہیں یا خواہ دوسرے نقطۂ نظر سے یعنی شاہ ولی اللہ کی اصطلاح میں "خلافت باطنیہ" کی راہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے بہترین نمونے کیوں نہ پیش کرتے ہوں وہ بزدل، ناکارہ اور بعضوں کے نزدیک

Marfat.com

تو مخذول و مردود ہیں۔ بلکہ ان کی موت بھی ان کے خیال میں جاہلیت کی موت ہے اور ان کی زندگی بھی جاہلیت کی زندگی ہے۔

مجھے اس سے بحث نہیں۔ کہ ارباب سیاست کا یہ اجتہاد واقعی اسلامی نصوص و نبوی آثار و سنن اور فقہاء اسلام کے مجتہدات پر کس حد تک منطبق ہے بلکہ کہنا یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ کا نقطۂ نظر جیسا کہ اُن کی مذکورۂ بالا تصریحات سے معلوم ہوتا ہے۔ اس باب میں جو ہے اُس کو دیکھ کر کیا یہ حضرات اپنے اس طرزِ عمل میں کچھ تغیر فرما سکتے ہیں؟

اسی طرح جو لوگ ہندوستان یا بیرون ہند کی بعض بچی کھچی ملوکی اور سیاسی قوتوں کے بالکل استیصال یا "کل نظام" کا مشورہ محض اس لئے دے رہے ہیں کہ ان کے یہاں مغربی نظامات اور عقود و معاملات یا دوسرے لفظوں میں بعض معاشرتی اور معاشی قوانین ایسے مروج ہیں جو شریعت اسلامیہ کے دفعات پر منطبق نہیں ہیں۔ اگرچہ زیادہ تر ان مشوروں کا محرک اس زمانہ میں شریعت کا درد نہیں بلکہ مغربی مکاتب خیال میں سے کسی مکتب خیال کے تاثر و انفعال کا یہ نتیجہ ہے خواہ اس تاثر کا دماغوں کو شعور ہو یا نہ ہو تاہم یہ مان بھی لیا جائے کہ "انقلاب" "بالکل انقلاب" کے ان نقیبوں کی چیخ و پکار کے پیچھے شریعت محمدیہ ہی کا درد اور اسی کے اعلاء کا صادق جذبہ کارفرما ہے لیکن سوال یہ ہے کہ شاہ صاحب نے دعوت کی جو ترتیب پیش کی ہے۔ اور یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے عیسائی بادشاہوں اور مجوسی ملوک

مظاہر کو شروع ہی میں شریعت کے منزلی نظامات اور عقود و معاملات کی پابندی کی دعوت نہیں دی۔ اور نہ ان کے جمہوری یا شخصی نظامات حکومت کی تبدیلی کا ابتداً مطالبہ کیا۔ بلکہ آپ کی اول دعوتِ توحید اور اسلام تھی۔ یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی نقطۂ نظر تھا کہ اگر وہ اسلام کو قبول کریں گے۔ تو ان کی زمین، جائداد، اموال و خراج سے فوری طور پر کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ البتہ بتدریج اُن کے معاشرتی اور معاشی مقاصد کی اصلاح کی جائے گی۔ آخر نجاشی ابی سینیا کا عیسائی بادشاہ جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ مسلمان ہو گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ جو طرزِ عمل اختیار فرمایا تھا۔ کیا اس میں ہمارے لئے کوئی اسوۂ حسنہ نہیں ہے ؛ کیسی عجیب بات ہے کہ آج جن علاقوں میں مسلمانوں کی تھوڑی بہت سیاسی قوت خواہ وہ کسی حال میں ہوتی ہے مسلمانوں کو ان کے متعلق مشورہ دیا جاتا ہے کہ ان حکومتوں کے بعض معاشرتی اور معاشی قوانین چونکہ شرعی قوانین سے مختلف ہیں اس لئے چاہیئے کہ ان کا تختہ الٹ دیا جائے اور کوئی مسلمان ان کے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی نہ رکھے۔ اُن کا وجود و عدم برابر ہے۔ اور پھر اسلام کے اُن احکام داد امر جن کی تعمیل کے لئے خلافت ظاہرہ یا سیاسی قوت کی ضرورت ہے۔ عمل پیرا ہونے کا مطالبہ ان غریب مسلمانوں سے کیا جاتے جو بیچارے قدرتاً ان کی سرانجامی سے مجبور ہیں گویا اس کے معنی یہ ہوتے۔ کہ امراء چونکہ اپنے اموال شرعی طریقوں پہ خرچ نہیں کرتے۔ اس لئے بجائے اس کے

Marfat.com

کہ ان کو شرعی طریقوں کی پابندی کی دعوت دی جاتے۔ یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ ان کو بھی غریب بنا دیا جائے اور پھر مفلسوں پر زکوٰۃ اور عشر و صدقات کے ٹیکس عائد کیے جائیں۔

اس باب کی ایک اور غلطی پر انتباہ

ایسے ہی میرے خیال میں جو لوگ آج کل یہ تعبیر پھیلا رہے ہیں کہ اسلام صرف حاکموں کا مذہب ہے۔ محکوم ہو کر زندہ رہنے کی اسلام میں گنجائش نہیں ہے۔ اور دلیل میں اسلام کے ان قوانین و اوامر کو پیش کرتے ہیں۔ جو بغیر حکومت کی قوت کے سرانجام نہیں پا سکتے ان کی مثال ایسی ہے کہ زکوٰۃ و عشر کے احکام دکھا کر اعلان کر دیا جائے کہ غریب ہو کر جینے کی اسلام میں قطعاً گنجائش نہیں، یا روزہ حج وغیرہ کے فرائض کو دیکھ کر دعویٰ کر دیا جائے کہ بیماروں، اپاہجوں کے وجود کا اسلام روادار نہیں کیونکہ غریب، اسلام کے اہم احکام مثلاً "آتوا الزکوٰۃ" کی، بیمار "فلیصمہ" یا "للہ علی الناس حج البیت" کی تعمیل نہیں کر سکتا۔ میرا ہرگز اس سے یہ منشا نہیں ہے کہ اسلام کو محکومی مطلوب ہے یا حکومت و اقتدار کو اسلامی نظام میں کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہے۔ نیز یہ بھی میرا مطلب نہیں ہے کہ جو مسلمان امراء اسلامی و دینی نظام اور اسلامی احکام کے پابند نہیں ہیں ان کے اس حال کی اصلاح کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ میرا مطلب صرف اس قدر ہے کہ دوسرے معاملات کی طرح ان چیزوں میں بھی غلو نہ کیا جائے

Marfat.com

اور مغربی احوال و تحریکات سے متاثر ہونے اور ان کے طریق کا اتباع کرنے کے بجائے "اسوۂ حسنہ نبوی" ہی کو ان کاموں میں بھی شمع راہ بنایا جائے۔ میں یہاں ان معاملات میں اپنی کوئی خاص رائے پیش نہیں کر رہا ہوں۔ اور سچی بات یہ ہے کہ ان امور میں کسی رائے کے قائم کرنے کا مجھے مقام بھی حاصل نہیں۔ بلکہ میں تو حضرت شاہ صاحب کے کلام سے جو بات سمجھ میں آرہی ہے۔ صرف بطور تشریح اُس کا اظہار کر رہا ہوں۔ اور وہ بھی اس بنیاد پر کہ اب تک اس کے خلاف مجھے اُن کی کتابوں میں کوئی دوسری چیز نہیں ملی ہے۔ اور خود آپ کی زندگی میں بھی اس کے سوا کسی دوسرے پہلو کی شہادت نہیں ملتی۔ ممکن ہے کہ یہ میرے محدود معلومات اور قلت فکر و نظر کا نتیجہ ہو۔ لیکن میں اب تک یہی سمجھے ہوئے ہوں کہ "اسوۂ حسنہ نبوت کبریٰ" کی پیروی کو شاہ صاحب صرف "خلافت ظاہرہ" کے اور اس کے مظاہر و آثار کے ساتھ وابستہ نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ اُسی کے ساتھ اُن کے نزدیک اسوۂ حسنہ کی پیروی کی ایک دوسری راہ خلافت باطنہ کے ذریعہ سے بھی تھی۔ اور انھوں نے اپنے گرد و پیش کے واقعات، اپنے ماحول، خود اپنی اندرونی اور بیرونی صلاحیتوں کا صحیح اندازہ کر کے بجائے "خلافت ظاہرہ" کے میدان میں اترنے کے "خلافت باطنہ ہی کی راہ سے اسوۂ حسنہ کی پیروی کے امکانات اپنے لئے پیدا کئے اور ان ہی طریقوں سے اپنی وسعت و طاقت کی حد تک وہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لئے آستین چڑھا کر حق تعالیٰ کی

Marfat.com

غیبی نصرتوں کے بھروسہ پر تیار ہو گئے۔ پھر اس سلسلہ میں اُن کے متوازن دماغ اور معتدل مزاج نے اس کی اجازت نہیں دی کہ خلافت باطنہ کے جتنے شعبے ابتدار تاریخ اسلام سے ان کے زمانہ تک کھلے ہوئے تھے اور جن میں سے ہر ایک کا اسوہ" حقیقت جامعہ محمدیہ " (علی صاحبہا الف سلام وتحیہ) میں پایا جاتا تھا۔ ان میں سے کسی شعبے کی واقعی قدر و قیمت کا انھوں نے انکار کیا ہو۔ اور جیسا کہ عموماً ہر طبقہ کے غلاۃ اور تشدد پسندوں کا عام شیوہ ہے کہ اپنے وہی کے سوا ہر ایک کے دماغ کی ترشی کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں۔ متکلم صوفی کو خشک دماغ بتلائے بالی خولیا قرار دیتا ہے۔ صوفی، متکلم کو حقائق واسرار کی دنیا سے اندھا و محروم ٹھہراتا ہے۔ فقیہ، محدث پر تیوریاں چڑھاتا ہے۔ ایسے ہی محدث فقیہ پر تنگ نظری اور تقلید جامد کا الزام لگاتا ہے۔ مگر حضرت شاہ صاحب سب کی تصحیح فرماتے ہیں۔ ہر ایک کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باطنی خلافت کا حصہ دار سمجھتے ہیں۔

شاہ صاحب کی جامعیت

اور یہ شاہ صاحب کی " اسی جامعیت" اور ہمہ گیر فطرت کا ثمرہ ہے جو خدائے بخشندہ نے ان کو بخشی تھی جس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔ یعنی

وھیھات نفد المناقضات	آہ! کہ میری فطرت میں یہ متضاد
منی لولا ان شدۃ الجامعیۃ	متناقض امور پائے جاتے ہیں۔
او تعتنی فی ذالک	لیکن کیا کروں میری ہمہ گیر جامعیت

Marfat.com

(دیومن الحرین) نے مجھے اس حال میں بتلا کیا ہے۔

غالباً یہ ہر جہتی مناسبت شاہ صاحب کو اپنے والد سے ترکہ میں ملی تھی۔ "انفاس العارفین" میں ایک موقعہ پر حضرت شاہ عبدالرحیم کے متعلق ارقام فرماتے ہیں :۔

شاہ عبدالرحیم کی جامعیت

از ہر علم بہرہ معتمد بہ داشتند و بہ ترک مناسبت یعنے از فنون طبع ایشاں رضا نمی داد۔ (صفحہ ۴۴)

ہر علم سے کافی مقدار کے حصہ دار تھے اور فنون میں سے کسی فن کے متعلق مناسبت ترک کرنے پر آپ کی طبیعت راضی نہ تھی۔

شاہ عبدالعزیز کی جامعیت

سنا جاتا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تک جامعیت کا یہ ذوق اس خاندان میں باقی رہا۔ ملفوظات عزیزیہ کے جامع نے تو براہ راست شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ کہ ایک کتاب کا ذکر ہو رہا تھا۔ اس وقت حضرت نے ارشاد فرمایا۔

علمے کہ دیدہ ام و یاد ہم بقدر خود دارم یک صد و پنجاہ علم است	جن علوم کا میں نے مطالعہ کیا ہے اور اپنی وسعت بھر مجھے یاد بھی ہیں اُن کی تعداد ایک سو پچاس ہے

پھر اس میں دینی علوم کی خصوصیت نہ تھی۔ خود شاہ صاحب کی زبانی اس کی تشریح منقول ہے کہ :۔

Marfat.com

نصف آں مردمان سابق و نصفش
دریں امت تصنیف شدہ۔

ان علوم میں سے آدھے تو ایسے علوم ہیں جو گزشتہ امتوں اور قوموں میں پیدا ہوئے۔ اور نصف وہ ہیں۔ جو اسلامی امت کی تصنیف ہیں۔

طلب کا دائرہ کتنا وسیع تھا۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے جو جامع ملفوظات نے نقل کیا ہے۔ یعنی حسب دستور شاہ صاحب پیادہ پا ٹہلتے ہوئے جا رہے تھے۔ کسی مکان سے گانے کی آواز آرہی تھی فرمایا "دھنا سری" ہے (یہ ہندی راگ کی کوئی قسم ہے) آگے ایمن ملتانی وغیرہ راگوں اور گیتوں کا ذکر فرماتے جاتے تھے اور آخر میں ارشاد ہوا کہ۔

سابق مرا دریں فن دخلے بسیار بود چنانچہ ماہراں ایں فن برائے تحقیق می آمدند حالا موقوف کردم۔ لیکن می آیند حالا مرا ضرر می کند قلب جوش می کند و بعد ازاں مرض ہم حائل گردد۔

پچھلے دنوں میں اس فن (موسیقی) میں مجھے بڑا دخل تھا چنانچہ اس فن کے نامور لوگ اس فن کے مسائل کی تحقیق کے لیے میرے پاس آتے تھے۔ لیکن اب میں نے اس سلسلہ کو موقوف کر دیا ہے۔ مگر پھر بھی لوگ میرے پاس آتے ہیں۔ مگر اب مجھے اس کا اشتغال ضرر پہنچاتا ہے۔ یعنی دل میں جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اس کے بعد بیماری بھی حائل ہو جاتی ہے[1]۔

---

[1] غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ شاہ صاحب اپنی زندگی کے کسی دور میں العیاذ باللہ ان مکروہات شرعیہ میں مبتلا تھے۔ ملفوظات میں ہے کہ کسی نے دریافت کیا میل حرام گاہے
(باقی صفحہ ۲۳۹)

Marfat.com

غرض "این خانہ تمام آفتاب است" کا مصداق فضل وعلم کا یہ گھرانا بنا رہا ہے۔ سچ یہ ہے کہ اس کی نظیر ہند کیا بیرونِ ہند کی اسلامی دنیا میں بھی مشکل سے میسّر آسکتی ہے۔ طوالت جواب حد سے زیادہ متجاوز ہو رہی ہے۔ اس کا خوف نہ ہوتا تو کچھ دوسروں کا بھی اس سلسلہ میں ذکر کرتا۔

بہرحال میں گفتگو، شاہ صاحب کے توازن صادق اور اعتدال صحیح کے متعلق کر رہا تھا کہ اسی کی بدولت اسلام کے علمی ودینی خادموں کے ہر طبقہ کی صحیح قیمت وہ پہچان سکے۔ دوسروں کی طرح انھوں نے اپنے طبقہ کے سوا اوروں کو ناکارہ نہیں ٹھیرایا۔ ان کے نزدیک فقیہ وصوفی اور محدث و متکلم سب کے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی خلفا ہیں۔ البتہ اسی کے ساتھ "طول آمد" کی وجہ سے قدرتًا دلوں میں جو ایک قسم کی بے حسی یا قساوت پیدا ہو جاتی ہے اس لئے ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ دوسرے اسلامی

(بقیہ صفحہ گذشتہ) فرمودہ اند"۔ جواب میں ارشاد فرمایا گیا "ارے دوبارآنچہ بود کہ در جوانی شنیدم کہ قصہ خوانی خوش گو آمدہ است بہ ترغیب احبار قصد کردم ناگاہ آواز مزامیر ورقص درگوش رسید خواستم کہ زیر دیوار نشستہ شنیدہ راہی مقصد شوم مجرد نشستن خواب غلبہ کرد چوں چشم باز کردم صبح بود باز دگر ہمیں ماجرا پیش آمد"۔ ص۹۹

اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ رقص وسرود کی مجلس میں نہیں بلکہ سرود ہمسایہ کے طور پر بھی آپ اس میں شریک نہ ہوئے اسی ملفوظ سے پہلے شاہ صاحب کا ایک فتوٰی یہ بھی ہے "از وقت شباب از رقص وغیرہ ممنوعات نفرت طبعی داشتم ص۹۹"۔

لہٰذا مطلب یہ ہے کہ فن موسیقی کو شاہ صاحب علمی طور پر جانتے ہیں ۱۲۔

Marfat.com

خطوں میں بھی ہر شعبہ کو "اسوۂ حسنہ" کے حدود سے بہت آگے نکال دیا تھا اور اس کی شکایت شاہ صاحب کو ہر طبقہ سے ہے جس کی کچھ مثالیں اوپر بیان کر آیا

علماء دین میں شاہ ولی اللہ کی امتیازی شان اور آپ کے خاص کارنامے

اب تک میں جو کچھ لکھ چکا ہوں۔ اُن میں متفرق ومنتشر امور نے میرے دل میں اس خیال کو پیدا کیا ہے۔ کہ عام اہل علم یا ارباب درس تدریس و تالیف وتصنیف کے مساعی کی جو نوعیت ہوتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے علمی خدمات کی نوعیت ان سے مختلف ہے۔ میں نے تمہید ہی میں عرض کردیا تھا کہ شاہ صاحب کی علمی سرگرمیوں خصوصًا ان کے تصنیفی کاروبار کے پیچھے بعض اہم مقاصد اور اغراض کم از کم مجھے چھپے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ مقاصد اور منصوبے ان کے دل میں جن اسباب وعلل سے پیدا ہو سکتے تھے۔ دراصل اس وقت تک اجمالاً ان ہی کا ذکر کیا گیا۔ اب میں شاہ صاحب کے "سرمنصوبے" اور اس منصوبہ یا نصب العین کے لحاظ سے جو کام کرکے وہ چلے گئے ہیں ترتیب کے ساتھ ان سب سے بحث کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن یہ بحث کوئی واقعی تفصیلی بحث نہ ہوگی کہ اس کا یہاں نہ موقع ہے اور نہ گنجائش محض ان کی ایک اجمالی فہرست پیش کررہا ہوں۔

Marfat.com

(۱)

فقہی اختلافات میں نقطۂ عدل

آپ کی کتابوں میں ایک بڑا ذخیرہ تالیفات کا تودہ ہے۔ جن سے اب مکروہ خانہ جنگی کو ختم کرانا مقصود ہے۔ جو پچھلے چند دنوں سے ہند کے متصلب و متقشف فقہا۔ کی بدولت ملک میں شدت اختیار کرتی جارہی تھی۔ اگرچہ یہ تو صحیح نہیں ہے جیسا کہ اس زمانہ میں مشہور کیا جارہا ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالیوں کی زیادہ تر ذمہ داری اُن ہی فروعی اختلافات کی طرف عائد ہوتی ہے۔ سمجھایا جارہا ہے۔ کہ حنفیت، شافعیت، مالکیت وحنبلیت کے اختلافات کی نوعیت اسی قسم کی ہے۔ جیسے یورپ میں صدیوں کلیسا اور عوام کے باہمی مذہبی اختلافات کی رہی۔ حالانکہ "چہ نسبت خاک را با عالم پاک" کہاں یورپ کی وہ مذہبی خانہ جنگیاں جن میں کہا جاتا ہے کہ تقریباً دس لاکھ آدمی مختلف ظالمانہ طریقوں سے موت کے گھاٹ اُتارے گئے۔ ہزاروں کو پھانسیاں دی گئیں، لاکھوں زندہ جلائے گئے۔ فرانس کے بارتھلمی ہنگامہ میں رومن کیتھولک والوں نے پروٹسٹنٹوں پر جو مظالم توڑے ہیں۔ ان کی داستان سُن کر اس وقت تک انسانیت کا کلیجہ پھٹتا ہے۔ مسیح علیہ السلام کی ان مسکین بھیڑوں نے زندہ بچوں کو ماؤں کے پیٹ سے چاک کر کر کے نکالا اور اپنے کتّوں کو کھلایا۔ لوزن تک پیرس کی گلیوں میں صرف خون بہتا رہا۔ دریائے سین کا پانی ان ہی کے لہو سے سرخ ہوگیا تھا۔ (القصہ بطولہا) یورپ اگر اپنے مذہب کے ان ہی نمونوں سے

Marfat.com

ڈر کر سرے سے مذہب ہی کے نام سے پناہ مانگنے لگا۔ تو واقعہ یہ ہے کہ شاید یہ کچھ بے جا بھی نہیں ہے۔ اور موجودہ مغربی الحاد و زندقہ کی پیدائش میں مسکین سائنس اور بدنام کیمیا رسے زیادہ دخل سچ پوچھئے تو مذہبی نمائندوں کے ان ہی خونچکاں کارناموں کو ہے۔ اگرچہ مسلم عوام کو دھوکا دیا جا رہا ہے کہ سائنس نے یورپ میں مذہب کی چولیں ڈھیلی کر دیں۔ حالانکہ اس دھوکہ کے وہی شکار ہوتے ہیں اور ہو رہے ہے۔ جو نہ سائنس سے واقف ہیں اور نہ مذہب سے۔ ورنہ اہل بصیرت جانتے ہیں کہ یورپ کی موجودہ بے ایمانیوں باہٹ دھرمیوں کے پیچھے ان کے مذہب اور مذہبی پیشواؤں کی وہ چیرہ دستیاں چھپی ہوئی ہیں۔ جن کے نیچے صدیوں یورپ کے عوام سسکتے رہے ہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ یورپ کی ان ہی مذہبی خانہ جنگیوں کو بلا وجہ اسلام کے ان فرعی اختلافات پر منطبق کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اسلام زمین کے کرہ پر آج چودہ صدیاں گزار چکا ہے۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ محض حنفی اور شافعی ہونے کے اختلافات نے ہر جگہ نہیں تو اسلامی ممالک کے کسی خاص خطہ میں بھی کبھی اس قسم کی خوفناک شکل اختیار کی ہے۔ زیادہ سے زیادہ اگر اس اختلاف نے کبھی حد سے تجاوز کیا ہے۔ تو علمی لڑائیوں یا زیادہ سے زیادہ شخصی حملوں سے کبھی نہیں بڑھا ہے۔ شیعیت اور سنیت کے جھگڑوں سے اس وقت بحث نہیں کہ اس کا معاملہ ہی دوسرا ہے۔ میری گفتگو کا تعلق صرف ان فرعی اختلافات تک محدود ہے۔ جن کی حنفیت اور شافعیت وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کی جاتی

ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اسلامی تاریخ کے اس طویل زمانہ میں کوئی ایسا اہم واقعہ ان اختلافات کی بنیاد پر پیش نہیں آیا ہے جسے یورپ کی ان خونی داستانوں کے مقابلہ میں سامنے لایا جاسکتا ہو۔

مگر جو کچھ بھی ہو، اس میں شک نہیں کہ پچھلی صدیوں میں بعض خاص حالات خصوصًا اسلام کے اصلی سرچشموں یعنی قرآن و حدیث کی تعلیم سے اسلامی مدارس جس حد تک بیگانے ہوتے چلے گئے۔ بتدریج یہ اختلاف بہت غلط صورت اختیار کرتا چلا جاتا تھا خصوصًا ماوراء النہر، ترکستان و خراسان کے حنفی فقہاء کا غلو اس باب میں آہستہ آہستہ بہت آگے بڑھ گیا تھا اور ہندوستان میں وطن بنانے کے لئے اسلام جس راستہ سے آیا۔ چونکہ وہ ان ہی ممالک کا راستہ تھا۔ اس لئے قدرتًا ہندوستانی مسلمانوں کی ذہنیت ان ہی ممالک کے علماء کی ذہنیت سے متاثر تھی۔

پھر جیسا کہ میں نے عرض کیا۔ نادری اور ابدالی حملوں نے جب اس ملک میں روہیلوں کے جدید عنصر کا اضافہ کر دیا تو تشدد و تصلب کی یہ شرارت دو آتشہ ہو چکی تھی۔

شاہ صاحب نے بڑی دانشمندی اور گہرے مطالعہ کے بعد فقہ اور اصول فقہ کی بنیادوں سے پردہ ہٹایا۔ ائمہ مجتہدین اور ان کے اجتہادات کا جو صحیح مقام تھا۔ اسے واضح فرمایا۔ بعضوں کو تو شاہ صاحب سے شکایت ہے۔ کہ ہندوستان میں غیر مقلدیت کی ابتداء آپ ہی سے ہوئی۔ اور خود غیر مقلدوں کا طبقہ اس باب میں گو نہ آپ کو اپنا پیشوا مانتا ہے۔ لیکن جاننے

Marfat.com

والے جانتے ہیں۔ کہ اگر امت یا کم از کم ہندی مسلمانوں کے ہاتھ میں اس وقت وہ معلومات نہ ہوتے جنھیں شاہ ولی اللہ کی عرق ریزیوں نے وقف عام کیا ہے تو سرزمین نجد اور نجد سے آگے بڑھ کر حجاز میں جو تحریک "وہابیت" کے نام سے چل پڑی تھی۔ اور یورپ والوں نے اپنے خاص اغراض کے تحت اس تحریک اور اس تحریک کے چلانے والوں کو مختلف طریقوں سے اچھالنا شروع کیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ غلامی کے ان دنوں میں جن میں ایسے کم ہیں جو اپنی زبان سے اپنی بات ادا کرتے ہوں اور اپنے دماغ سے اپنے خیالات سوچتے ہوں مشکل ہی سے غلام ہندوستان میں اس وقت کوئی حنفی نظر آتا۔ اس میں شک نہیں کہ اندرونی طور پر مغربی دجل وکید نے جو دام بچھایا تھا اور ذم کی صورتوں میں اس تحریک کی مدح کا جو گیت مختلف لہجوں میں گایا جاتا تھا جس کا افسانہ طویل ہے اس میں بیچارے کچھ سادہ لوح ابتدا میں پھنس گئے۔ لیکن اہل علم کو معلوم ہے کہ شاہ ولی اللہ کے تحقیقی طرز عمل نے اس تحریک کو ہندوستان میں زیادہ پھلنے پھولنے نہیں دیا۔ ولی اللہی مکتب خیال کے علماء کی کوششوں کا آج یہ نتیجہ ہے کہ "شیئٌ من صدر قلیل" کے سوا عمل بالحدیث کے مدعیوں کی آبادیاں اپنے اندر اور کچھ نہیں رکھتیں۔

اسی سلسلہ میں حضرت کی کتابیں الانصاف عقد الجید، حجۃ اللہ البالغہ کے بعض ابواب، تفہیمات الٰہیہ کی بعض تفہیمات، ازالۃ الخفاء کی بعض ضمنی چیزیں اور سب سے زیادہ موطا کی شرحوں نے حدیث فہمی کا معیار پیش

Marfat.com

کیا ہے اور فقہ و حدیث میں تطبیق کی جو راہیں اشاروں اشاروں میں شاہ صاحب نے اہل فہم کے سامنے کھولی ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ آج حنفیت "علی بصیرۃ من ربہ" ان ہی بنیادوں پر قائم ہے[1]۔

ایک بڑی دانشمندی شاہ صاحب نے یہ بھی فرمائی کہ حنفی فقہ کے ساتھ ساتھ آپ نے درسی طور پر شافعی فقہ کے مطالعہ کو بھی ضروری قرار دیا ہے۔ اپنے مسلک کی تشریح میں ایک موقع پر اپنے کو "الشافعی درسًا" جو فرمایا ہے۔ اس کا یہی مطلب ہے جو جانتے ہیں کہ حنفی اور مالکی فقہ کی حیثیت اسلامی قوانین کے سلسلہ میں تعمیری فقہ کی ہے اور شافعی و حنبلی فقہ کی زیادہ تر نوعیت ایک تنقیدی فقہ کی ہے۔ حنفیوں کی فقہ کو مشرق میں اور مالکیوں کی فقہ کو مغرب میں چونکہ عمومًا حکومتوں کے دستور العمل کی حیثیت سے تقریبًا ہزار ہا سال سے زیادہ مدت تک استعمال کیا گیا۔ اس لئے قدرتًا ان مکاتیب خیال کے علماء کی توجہ زیادہ تر جدید حوادث و جزئیات و تفریعات کے ادھیڑ بن میں مشغول رہی۔ بخلاف شوافع اور حنابلہ کے کہ بہ نسبت حکومت کے ان کا تعلق زیادہ تر تعلیم و تعلم، درس و تدریس اور تالیف و

---

[1] اس موقع پر ناظرین سے میں سفارش کروں گا۔ کہ جناب مفتی عبداللطیف رحمانی سابق صدر شعبہ دینیات جامع عثمانیہ حال صدر شعبۂ اسلامیات جامعہ اسلامیہ علی گڑھ کی کتاب "تذکرۃ اعظم" کا مطالعہ کریں۔ مفتی صاحب نے شاہ صاحب کی چیزوں کو اس میں بڑے سلیقہ سے جمع کر دیا ہے۔ ۱۲ م

Marfat.com

تصنیف سے رہا۔ اس لئے عموماً تحقیق و تنقید کا وقت ان کو زیادہ ملتا رہا۔ بہرحال یہ افسانہ تو دراز ہے۔ مجھے کہنا یہ ہے کہ فقہ اور اسلامی قوانین کا تعلق ان کے سرچشموں یعنی کتاب و سنت سے ہے۔ جو چاہتے ہیں کہ یہ تعلق مسلسل زیادہ تر و تازہ حالت میں رہے۔ اُن کے لئے شاہ صاحب کا یہ طریقہ، عمل کہ شوافع اور حنابلہ کی فقہ اور ان کے ادبیات کا بھی مطالعہ جاری رکھیں۔ بہت کچھ مفید ثابت ہو سکتا ہے یا کم ازکم حدیث کے درس میں خصوصیت کے ساتھ فقہاء امصار کے خلافیات اور ان کے وجوہ و دلائل کے بیان کرنے سے مسائل فقہ میں زندگی باقی رہتی ہے۔ ہر مذہب کا پیرو اُن علل و اسباب سے واقف رہتا ہے جن کی روشنی میں اس کے امام نے اپنی رائے قائم فرمائی ہے۔ نیز چونکہ اُس کے ساتھ دوسرے ائمہ مجتہدین کے دلائل و وجوہ بھی اس کے سامنے آتے رہتے ہیں۔ اس لئے قدرتی طور پر جاہلی حمیت "کا زہر ان میں پیدا ہونے نہیں پاتا۔ عقد الجید" میں شاہ صاحب نے ائمہ مجتہدین کے قیاسی نتائج کے متعلق بجائے اس نظریہ کے کہ حق ان میں سے ایک ہی ہو سکتا ہے۔ اس خیال کو جو ترجیح دی ہے کہ سب ہی حق پر ہیں تو فروعی اختلافات کی اہمیت کے سارے قصہ کو ختم فرما دیا ہے۔ اس باب میں شاہ صاحب کے مباحث قابل دید ہیں۔ جس قسم کا اجمال میرے سامنے پیش نظر ہے۔ اس کے لحاظ سے گنجائش نہیں ورنہ اُن چیزوں کا ذکر کرنا چاہئے کہ لوگ اس کا عام طور پر مطالعہ کریں۔ اُردو میں بھی اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

(۲)

صوفیاء عصر اور تصوف کی اصلاح

دوسرا ذخیرہ آپ کی کتابوں کا وہ ہے جس میں مشائخ زمانہ اور تصوف عصر کو آپ نے جو نکالنے کی کوشش کی ہے۔ تصوف کا کتنا ہی حصہ خالص اسلامی ہے۔ اور زمانہ کی ضرورتوں سے جس طرح متکلمین اسلام نے وقتاً فوقتاً غیروں کی چیزوں کو اپنی کتابو میں شریک کر لیا تھا حتی کہ شرح مقاصد و مواقف میں عنصریات و کائنات الجو تک کے مباحثہ درج ہو گئے ہیں۔ اسی طرح تصوف میں بھی اجنبی عناصر کا اضافہ مختلف وجوہ سے جو ہوتا رہا ہے۔ اپنی مختلف کتابوں خصوصًا الطاف القدس ہمعات ستطاعت (؟) وغیرہ میں اسی کی آپ نے تفصیل بیان فرمائی ہے۔ تصوف کے متعلق بھی بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سب سے پہلے ہندوستان میں اس کے خلاف شاہ ولی اللہ ہی نے قلم بغاوت اٹھایا۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ آج جب کہ یورپ تحقیق و ریسرچ کے نام سے اسلامی چیزوں کو غیروں کی طرف مختلف شاطرانہ چابک دستیوں سے منسوب کرنے میں منہمک ہے۔ اگر شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقی کتابیں اس وقت ہمارے پاس نہ ہوتیں تو کون کہہ سکتا ہے کہ اس دجالی ہنگامہ میں تصوف کا اسلام سے دور کا بھی رشتہ باقی رہ سکتا تھا؟

یورپ زدوں کا ایک بڑا گروہ باوجود اس کے بھی جاہلوں کو جو

Marfat.com

بھکار رہا ہے کہ اسلامی صوفیہ کے پاس اپنا کچھ نہیں ہے بلکہ مصری نو افلاطونیوں، عیسائیوں، صابیوں، یونانیوں، ایرانیوں اور آخر میں ہندوستانی لوگوں سے مختلف چیزیں لے لے کر مسلمان صوفیوں نے تصوف کی عمارت کھڑی کی ہے۔

خدا جزائے خیر دے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو مختلف کتابوں میں مختلف پیرایوں سے آپ نے اسلام کے حقیقی تصوف اور اجنبی اجزاء کو جدا کر کے دکھایا ہے اور اس سلسلہ میں تو آپ نے اتنا کام کیا ہے کہ جن جن چیزوں کا تصوف سے محض برائے نام تعلق تھا مثلاً جھاڑ پھونک تعویذ وغیرہ اس کے متعلق بھی آپ نے مستقل کتابیں تالیف فرمائیں "القول الجمیل" اور "حزب البحر" کی شرح وغیرہ اسی سلسلہ کی چیزیں ہیں۔ اس طرزِ عمل کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ جس طرح ہر ایک کی کتابوں سے حنفی و شافعی اختلافات کی شدت کم ہوتی ہے۔ ان کتابوں سے ملا اور صوفی کے جھگڑوں کا بشرطیکہ انصاف سے کام لیا جائے خاتمہ ہو جاتا ہے۔

شاہ ولی اللہ نے تصوف کے مسائل کو خالص اسلامی تعبیروں میں پیش کر کے "مولویوں" کی اس بھڑک کو مٹا دیا ہے جو ان بیچاروں میں صوفی و صوفیت کے متعلق پائی جاتی ہے۔

(۳)

شیعہ سنّی نزاع کے متعلق شاہ صاحب کا کام

جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے ہندوستان میں پہلے تورانی سنّی، پھر ایرانی شیعہ اور آخر میں متشدد سنی روہیلوں کی شکل میں داخل ہوئے۔ ان تینوں عناصر کے امتزاج سے تسنن و تشیع کے سلسلہ میں عجب افراط و تفریط کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی شاہ صاحب نے اس سلسلہ میں بھی بڑا کام کیا۔ بڑی محنت سے ہزارہا ہزار صفحات کو پڑھ کر آپ نے چاروں خلفاء کے واقعی حالات "ازالۃ الخفا" میں ایسے دل نشین طریقہ سے مرتب فرمائے کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد اگر شیعوں کی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ تو اسی کے ساتھ ان غالی سنیوں کی شدت و تیزی میں بھی کمی پیدا ہو جاتی ہے۔ جو محض اس لئے کہ شاہ عبدالعزیز نے تنہا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مناقب کیوں بیان کئے یا شاہ ولی اللہ نے شیعوں کی تکفیر میں فقہاء حنفیہ کے اختلاف کو کیوں بیان کیا۔ ان پر بھی تشیع کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں ——— اور اس کے لئے بجائے مناظرے اور مجادلے کے شاہ صاحب نے ایک ایسی راہ دریافت فرمائی۔ جس سے بہت سے فتنوں کا سدِ باب ہو گیا۔

Marfat.com

(۴)

یونانی فلسفہ کے بجائے ایمانی فلسفہ

اسی سلسلہ میں شاہ صاحب نے اپنے زمانہ کے ان معقولی علماء کی اصلاح کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ وہ لفظی گورکھ دھندوں میں مبتلا تھے۔ آپ نے بجائے اوہام و خرافات کے قرآن و حدیث کے کلیات سے خود ایک فلسفہ تیار کیا اور جو لوگ ذہنی تمرین و تشحیذ کے لئے لایعنی خیالات میں وقت ضائع کرتے تھے۔ ان کے لیے شاہ صاحب نے فکر و غور کا ایک بڑا میدان پیش کر دیا۔ اس سلسلہ میں آپ کی سب سے بہتر کتاب "الخیر الکثیر" ہے۔ نیز حجۃ اللہ والبدور البازغہ کے اکثر مباحث کا رخ بھی اسی نصب العین کی طرف ہے۔ اس سلسلہ میں شاہ صاحب کے سامنے ہندوستان کی وہ مرعوب طبائع بھی ہیں جو میر باقر داماد اور صدر شیرازی وغیرہ ایرانی لفاظوں کے بقبقوں اور تشقشقوں سے متاثر ہو کر اپنی جگہ پر گویا کانپ رہے تھے۔ شاہ صاحب کی بعض کتابوں میں میر باقر وغیرہ کی عبارتوں کی جو جھلک نظر آتی ہے۔ تو میں اس کو کوئی اتفاقی واقعہ نہیں سمجھتا۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ آپ نے قصداً اس طرزِ عمل کو اختیار کیا ہے۔ اور مقصود وہی ہے جو میں نے عرض کیا۔

(۵) مغربی الحاد کے زہر کا تریاق اور امروزہ شبہات کا پیشگی جواب

پانچویں چیز جو مجھے شاہ صاحب کے خدمات میں نظر آتی ہے ممکن ہے کہ لوگوں کو اس باب میں مجھ سے اختلاف ہو۔ لیکن بہر حال میں یہ سمجھتا ہوں کہ انگریزی حکومت کے بعد ہندوستان میں مذہب اور مذہبی امور کے متعلق شک وارتیاب کا جو دور آنے والا تھا شاہ صاحب کے کاموں کا ایک بڑا حصہ اس سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ خصوصًا حجۃ اللہ البالغۃ اور البدور البازغہ میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو سوالات آئندہ پیدا ہونے والے ہیں۔ ان کا جواب پہلے سے تیار کرکے ہندوستان ہی نہیں بلکہ دنیا کے مسلمانوں کو سپرد کر رہے ہیں۔ جیسا کہ میں خود لکھ چکا ہوں شاہ صاحب کے زمانہ تک انگریزی حکومت کا اثر دلی تک نہیں پہنچا تھا۔ لیکن جب بنگال اور مدراس میں ان کے قدم جم چکے تھے۔ اور اپنے اسی اقتدار واختیار کی قوت کو محسوس کرکے عیسائی مذہب کے پادرو بطارقہ مغربی خیالات کو کسی نہ کسی شکل میں ملک میں پھیلانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ عوام کو ان کا احساس نہ ہوا ہو۔ لیکن کوئی تعجب نہیں کہ شاہ صاحب تک اس کی لہریں پہنچی ہوں۔ ماسوا اس کے جب حجۃ اللہ کے دیباچہ میں وہ خود یہ فرماتے ہیں:۔

بینا انا جالس ذات یوم بعد صلوٰۃ العصر متوجھا الی اللہ	کہ اس حال میں کہ ایک دن عصر کی نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف

Marfat.com

اذ ظهرت روح النبی صلی اللہ	توجہ کرکے بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک
علیہ وسلم ذ غشتینی	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک
من فوقی شئی خیل الی	ظاہر ہوئی اور مجھے اوپر سے اس نے
انہ ثوب القی علی و	ڈھانک لیا ایسا معلوم ہوتا تھا
نفث فی روعی فی تلک	کہ گویا مجھ پر کوئی کپڑا اڑھا دیا گیا ہے
الحالۃ انہ اشارۃ الی	اسی کیفیت میں میرے اندر یہ بات
نوع بیان للدین و	پھونکی گئی کہ دین کی تشریح کے
وجدت عند ذلک فی	ایک خاص طریقہ کی طرف مجھے
صدری نورا لم یزل ینفسح	اشارہ کیا جا رہا ہے۔ میں نے اپنے
کل حین۔	اندر اس حال میں ایک روشنی
	پائی جو لمحہ بہ لمحہ پھیلتی چلی جاتی تھی

اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کے بعد کا جو یہ فقرہ ہے کہ شاہ صاحب کو یہ محسوس ہوا کہ:-

ان الشریعۃ المصطفویۃ	مصطفوی شریعت کے لئے وقت
اشرفت فی ھذا الزمان	آگیا ہے کہ برہان اور دلیل کے
علی ان یتوزنی قمص سابغۃ	پیراہنوں میں ملبوس کرکے اسے
من البرہان۔	میدان میں لایا جائے۔

آئندہ انگریزی عہد میں وساوس و اوہام اور شکوک و شبہات کے جو سیاہ بادل امنڈنے والے تھے۔ اگر ان کی طرف اس میں اشارہ نہیں

Marfat.com

ہے تو بتایا جائے کہ حجۃ اللہ کی تصنیف کے بعد انگریزی عہد کے سوا ایسا کون سا دور آیا جس میں ضرورت تھی کہ اسلامی شریعت کو "دلیل و برہان" کے پیراہنوں میں آراستہ کرکے پیش کیا جائے۔ بہرحال میرا خیال ہے۔ اور یہ خیال شاہ صاحب کی کتابوں سے پیدا ہوا ہے کہ جو کچھ ہونے والا تھا اور مسلمانان ہند پر جو افتاد پیش آنے والی تھی کسی نہ کسی ذریعہ سے شاہ صاحب کو اس کی اطلاع ہو چکی تھی۔ اور اپنے تصنیفی کاروبار میں ان کے سامنے جہاں اور مقاصد و اغراض تھے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آنے والے خطرات کے انسداد کی بھی انھوں نے اپنی کتابوں میں پوری کوشش کی ہے اور میں سمجھتا ہوں وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوتے ہیں۔ جوں جوں نئی روشنی کی تاریکی بڑھتی چلی جارہی ہے حضرت شاہ ولی اللہ کی جلائی ہوئی علمی شمع کی قیمت اسی نسبت سے بڑھ رہی ہے۔ مغربی الحاد و زندقہ کے زہر کا تریاق شاہ ولی اللہ کا کلام ہے۔ اب یہ ایک ایسی مسلّم بات ہو گئی ہے کہ صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ مصر اور اب تو عرب و ترکی، ایران و افغانستان سب ہی کو اس کا احساس ہو رہا ہے۔ اور بحمد اللہ ان تمامی اسلامی ممالک میں شاہ صاحب کی کتابیں کافی مقبولیت حاصل کر رہی ہیں چونکہ میں سر دست صرف ولی اللہی کارناموں کی ایک اجمالی فہرست بنا رہا ہوں اس لئے مزید گفتگو کی گنجائش نہیں۔ انشاء اللہ اگر تفصیل کا موقعہ کبھی ملا تو یہ دکھایا جاسکتا ہے۔ کہ آج جو کچھ پوچھا جارہا ہے۔ سب کے جواب سے ولی اللہ القطب الحکیم کا قلم مدت ہوئی کہ فارغ ہو چکا ہے۔

Marfat.com

(۶)

قرآن وحدیث کے تراجم کی بنیاد

اور سب سے بڑا کام کم از کم میرے ناچیز خیال میں شاہ صاحب کا یہ ہے کہ سب سے پہلے ان ہی نے ہندوستان میں قرآن وحدیث کے ترجمہ کی بنیاد بڑی جرأت اور ہمت سے کام لے کر بالآخر ڈال دی تھی۔ اگرچہ خود انھوں نے فارسی میں قرآن کا بھی ترجمہ کیا۔ اور حدیث کی قدیم ترین کتاب موطا مالک کا بھی ترجمہ فارسی ہی میں کیا کہ ان کے زمانہ تک غالباً اردو عام طور سے لکھنے پڑھنے کی زبان نہیں بنی تھی۔ جو بھی لکھنا پڑھنا جانتے تھے وہ فارسی ہی میں لکھتے پڑھتے تھے لیکن جوں ہی کہ اُردو نے قدم آگے بڑھایا اور اس راہ میں اس نے بڑی تیزی دکھائی۔ تو محض اس لئے کہ شاہ صاحب کا نمونہ فارسی میں موجود تھا آپ کے صاحبزادوں میں سے حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے بامحاورہ اردو میں اور شاہ رفیع الدین صاحب نے لفظی ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل فرمائی۔

یہ بات کہ ان حضرات کو ترجمہ کرنے کا خیال اپنے والد کے ترجمہ کی بنیاد پر ہوا۔ موضح القرآن میں اس کے متعلق شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں

"بندے عاجز عبدالقادر کے خیال میں آیا کہ جس طرح ہمارے باباصاحب بڑے حضرت شیخ ولی، عبدالرحیم صاحب کے بیٹے، سب حدیثیں جاننے والے ہندوستان کے رہنے

والے نے فارسی زبان میں قرآن کے معنے آسان کر کے
لکھے ہیں۔ اسی طرح اس عاجز نے ہندی زبان میں قرآن
شریف کے معنے لکھے " صہ۲

اور ان دونوں حضرات کے بعد پھر اس وقت تک اُردو میں قرآن بلکہ حدیث کے بھی جتنے تراجم ہوئے یا آئندہ ہوں گے کم ازکم ہندوستان کی حد تک اس سنت حسنہ کے تسنن کا سہرا حضرت شاہ ولی اللہؒ ہی کے سربندھتا ہے۔ قرآن وحدیث کے ترجمہ سے مسلمانوں کو خصوصًا ایسے زمانے میں جب اسلام سے ان کا وہ ملوکی اور حکومتی تعلق باقی نہیں رہا۔ جس کی وجہ سے مسلمان تو مسلمان نا مسلم بھی اسلامی زندگی کی اتباع میں فخر محسوس کرتا تھا۔ ایسے زمانہ میں ان ترجموں نے ہم مسلمانوں کے اسلام و ایمان کی حفاظت میں کیا کام کیا ہے۔ اس کا صحیح اندازہ کرنا آسان نہیں ہے اور خواہ میری یہ خوش اعتقادی قرار دی جائے یا جو کچھ بھی سمجھا جائے۔ میں تو ایسا سمجھتا ہوں کہ اس سلسلہ میں بھی شاہ صاحب کو اس مصیبت کا کسی نہ کسی حد تک اندازہ ہو چکا تھا۔ جس میں انقلاب حکومت کے بعد بیچارے مولوی اور مشائخ مبتلا ہونے والے تھے۔

میرا اشارہ اس طریقۂ عمل کی طرف ہے جسے اس زمانہ کے ارباب تشکیک و ارتداد نے اسلام کے خلاف بڑی چالاکی سے اختیار کیا ہے وہ چاہتے ہیں کہ اسلام کی کسی تعلیم کا انکار کریں لیکن ڈرتے ہیں۔ کہ عام مسلمانوں میں اس سے برہمی پیدا ہوگی یا کم ازکم صاف انکار اگر کردیا جائے گا

Marfat.com

تو عوام ہمارے قبضہ سے نکل جائیں گے۔ اس لیے "مولوی کا مذہب" ایک لفظ تراشا گیا ہے۔ اور ہر وہ چیز جو واقعی قرآن یا حدیث کی ہوتی ہے مولوی کی طرف منسوب کر کے اس کا انکار کر دیا جاتا ہے۔ کہہ دیا جاتا ہے کہ ہم نے مولوی کے خیال کا انکار کیا ہے۔ قرآن کا انکار نہیں کیا ہے۔ حدیہ ہے کہ آج جنت و دوزخ، حور و ملائک، شیاطین وغیرہ ایسے حقائق کا علانیہ انکار جا رہا ہے۔ جن کے ذکر سے قرآن معمور ہے لیکن سادہ لوحوں کو کتنی دیدہ دلیری سے یہ باور کرا دیا جاتا ہے۔ کہ ان چیزوں کا ثبوت کہیں بھی قرآن میں نہیں۔ بلکہ غبی کند فطرت مولوی ان کا قائل ہے۔ الغرض اس پردہ میں قرآن کے جس عقیدے سے چاہا جاتا ہے۔ انکار کر دیا جاتا ہے۔

اور یہ واقعہ ہے کہ اگر اس وقت شاہ ولی اللہ قرآن و حدیث کے ترجمہ کی بنیاد ڈال کر نہ چلے جاتے اور اس وقت بھی قرآن عوام کی دسترس سے عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے بالکل باہر ہی ہوتا تو بیچارہ مولوی اس مغالطہ کا کیا جواب دے سکتا تھا۔ صبر و سکون کے ساتھ الحاد و بے دینی کے ان طمانچوں کو برداشت کرتا رہتا اس کے لیے اس کے سوا چارہ کار ہی کیا تھا۔

لیکن بحمد اللہ شاہ ولی اللہ ایک ایسا کام کر کے چلے گئے ہیں۔ کہ جو نہیں سمجھنا چاہتے ان سے تو بحث نہیں لیکن واقعی جو حقیقت کے طالب ہیں اُن کے لئے ——— "مولوی کے مذہب" ——— کا پُرانا جال اب بیکار ہو چکا ہے۔ قرآن تمہاری زبان میں بشکل ترجمہ موجود ہے۔ خود

Marfat.com

پڑھ جاؤ۔ اور پڑھنے کے بعد خود انصاف کر سکتے ہو۔ کہ مثلاً آج جس جنت و دوزخ، حور و غلماں، اشجار و انہار کا دار آخرت میں انکار کیا جاتا ہے۔ یہ کسی غریب مولوی کی بات کا انکار ہے یا براہ راست قرآن کا انکار ہے۔

غرض یہ ایک بڑی پُر فریب دجالیت تھی جس کا قلع قمع کم از کم انصاف پسندوں کی حد تک ہو چکا ہے۔ اور سچ پوچھئے تو انحطاط و ناقدری کے اس زمانہ میں بیچارے مولویوں کے لئے بھی قرآن و حدیث کے یہ تراجم آج اکسیر کا کام دے رہے ہیں۔ عربی مدارس میں ٹوٹی پھوٹی ہمتوں والے طلبہ آج جو کچھ پڑھتے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ ان میں ایسے بہت کم پیدا ہوتے ہیں جو بغیر ترجمہ کی مدد کے قرآن یا حدیث کا پورا مطلب خود سمجھ سکتے ہوں اگر یہ کہوں تو شاید مبالغہ نہ ہوگا۔ کہ نوے فی صدی مولویوں کی آبرو محض ان ہی ترجموں کی بدولت بچی ہوئی ہے اور سچی بات یہ ہے کہ بعض زبان سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اللہ کے بندے اپنے مالک کے براہ راست مخاطب بننے کی سعادت سے محروم تھے یا براہ راست اپنے رسولؐ کے ملفوظات و ارشادات کے سمجھنے سے معذور تھے۔ اس نعمت کا کون اندازہ کر سکتا ہے کہ اُن تراجم کی بدولت اب وہ بھی اپنے خدا کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اور خود ان آنکھوں سے بغیر کسی مولوی عالم کے واسطہ کے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کر رہے ہیں اور جیسا کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے لکھا ہے کہ

Marfat.com

"بتانے والے بہتیرا بتاتیں۔ جیسا خدا تعالیٰ نے
قرآن شریف میں آپ بتایا ہے۔ ویسا کوئی نہیں بتا
سکتا۔ اور جیسا اثر اور راہ پانا خدا کے کلام میں ہے۔
کسی کے کلام میں نہیں[1]"

درحقیقت جو منافع ان تراجم کے پڑھنے سے پڑھنے والوں کو حاصل ہو سکتے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ وہ لاکھ مولوی ملا کی زبان سے ہم نشین کبھی حاصل نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ترجمہ پڑھنے والے عوام میں ایسے کتنے ہیں جنھوں نے انہی ترجموں کی مزاولت سے آہستہ آہستہ عربی زبان سے ایسا لگاؤ پیدا کرلیا کہ براہ راست خود کلام اللہ ان کی سمجھ میں آرہا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ شاہ صاحب کے کارناموں میں ترجمہ کی خدمت کو میں سب سے بڑی خدمت قرار دیتا ہوں۔

اس وقت چونکہ سرسری فہرست کی حیثیت سے اس کا تذکرہ مقصود ہے۔ اس لئے بالفعل اسی پر بس کرتا ہوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ جیسا کہ عرض کرچکا ہوں آپ کی ان شش گانہ خدمات قیمہ پر الگ الگ مقالہ میں چاہتا ہوں کہ بحث کروں۔ اور اسی سلسلہ میں ایک مقالہ تراجم کا بھی ہوگا۔ خود شاہ صاحب نے اپنے ترجمہ کے متعلق کیا ارقام فرمایا ہے اور کن مقاصد کو پیش نظر رکھ کر اس کام کو آپ نے انجام دیا۔ نیز ترجمہ کے ساتھ

---

[1] مقدمہ موضح القرآن از شاہ عبدالقادرؒ۔ ۱۲

Marfat.com

قرآن کے حاشیہ پر بزبان فارسی آپ نے مختصر لفظوں میں جو جواہر پارے بکھیرے ہیں اور "الفوز الکبیر" وغیرہ رسائل میں تفسیر کے جو اصول آپ نے وضع فرماتے ہیں۔ ان سب کا تذکرہ تراجم ہی کے اس مقالہ میں انشاء اللہ کیا جائے گا۔

شاہ صاحب کے ان شش جہتی کارناموں پر اجمالی نظر

واقعہ یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی حیرت انگیز فقید النظر کوششوں کی جو نوعیت ان ششں جہتی کارناموں میں نظر آتی ہے۔ ان میں ہر ایک بجائے خود ایک مستقل موضوع ہے کہ ایک کیا اگر علمار کی کوئی جماعت بھی ان سے عہدہ برآ ہونا چاہتی تو جتنی کامیابی حضرت شاہ صاحب کو ان میں سے ہر ایک شعبہ میں ہوئی ہے۔ کسی ایک شعبہ میں بھی اتنا کامیاب ہونا آسان نہیں تھا۔ انھوں نے قرآنی آیات کی جن مشکلات کو حل کیا ہے قرآن فہمی کے متعلق جن کلیات کی انھوں نے خود تاسیس فرمائی ہے۔ حدیث فقہ کے باہمی تعلقات کو صحیح تاریخی وثائق کی روشنی میں جس طرح انھوں نے حل فرمایا ہے۔ پھر خصوصیت کے ساتھ "علم اسرار الدین" کے سلسلہ میں حدیث، اور فقہ کے تقریبا تمام ابواب میں جن حقائق کو رموز کو انھوں نے بے نقاب کیا ہے، اس باب میں واقعہ یہ ہے کہ ان کے اس دعویٰ کی کوئی تردید نہیں کر سکتا۔ کہ:

اسرار حدیث و مصالح احکام و حدیث کے اسرار اور اسلامی احکام

ترغیبات وسا تر آنچہ حضرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم از خدائے تعالیٰ آوردہ اند و تعلیم فرمودہ اند وآں فنے است کہ پیش ازیں فقیر مضبوط نہ از سخن این فقیر کسے آنرا نہ کردہ است باوجود جلالت آں فن، اگر کسے را دریں حرف شبہ باشد گو کتاب قواعد بہ بیں کہ شیخ عزیز الدین آنجا چہ جہد ہا کردہ بعشر عشیر این فن فائز نشدہ۔ صـــ ۱۹۶

انفاس

وقوانین کی مصلحتیں اور ترغیبات کی حکمت اور وہ ساری باتیں جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اور جن کی آپ نے تعلیم دی ہے ان سب کے اسرار و رموز کا بیان کرنا دراصل ایک مستقل فن ہے۔ اس فقیر سے پہلے جتنی پختہ بات میں نے کہی ہے کسی سے یہ نہ بن آیا۔ اس فن کے بلندی مقام کے باوجود اگر کسی کو میرے بیان میں شبہ ہو تو چاہیے کہ کتاب "قواعد" کو دیکھے۔ شیخ عزیز الدین بن عبدالسلام نے اس میں کیا کچھ کوشش نہیں فرمائی ہے۔ مگر اس فن کے عشر عشیر تک ان کی رسائی نہ ہو سکی۔

اسی طرح فن معارف وحقائق اور تصوّف کے متعلق جن تحقیقی مباحث تک وہ پہنچے ہیں۔ نیز اہل سنت والجماعت کے عقائد کی تشریح اور تطبیق منقول بر معقول کے سلسلہ میں انھوں نے جو خدمتیں انجام دی ہیں جیسا کہ خود ارشاد فرماتے ہیں :۔

عقائد قدمار اہل سنت بدلائل و

قدما اہل سنت کے عقائد کو دلائل

حج اثبات کردہ آں را از خس و خاشاک معقولیاں پاک ساخت بوجہے مقرر نمود کہ محل بحث نہ ماند۔

و براہین کی روشنی میں جس طرح ثابت کیا گیا ہے اور معقولیوں کے خس و خاشاک سے جیسا ان کو پاک کیا ہے۔ اور ایسے طریقہ سے ان کی بنیاد قائم کی ہے کہ اب بحث و مباحثہ کی ان میں گنجائش ہی باقی نہ رہی۔

ماسوا اس کے انھوں نے قرآنی نصوص اور نبوی ارشادات کی روشنی میں دو مستقل فن جو ایجاد کیے ہیں۔ جن کی تعبیر ان ہی کے الفاظ میں یہ ہے۔ یعنی ایک تو "علم کمالات اربعہ یعنی ابداع و خلق و تدبیر و تدلی باایں عرض و طول"

" اور دوسرا علم ان ہی کی اصطلاح میں ——

"علم استعداد نفوس انسانیہ بجمیعہا و کمال و مآل ہر کسے"

شاہ صاحب کا ان دونوں علوم کے متعلق دعویٰ ہے اور بجا دعویٰ ہے کہ —— ایں ہر دو علم جلیل اند کہ پیش ازیں فقیر کسے برگرد آں نہ گشتہ"

نیز شاہ صاحب نے علم کلام اور تصوف کے نظری حصے کے مباحث کو مخلوط کر کے ایک نیا "فلسفہ" تیار کیا اور ایسا "فلسفہ" جس کو "فلسفہ" قرار دینا میرے خیال میں اس کی تحقیر ہے۔ کیونکہ اس باب میں ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ ایسی کسی چیز کو اسلامی کلام اور اسلامی

Marfat.com

تصوف میں وہ دیکھنا نہیں چاہتے ۔ جس کی تائید قرآن وحدیث اور آثار صحابہ وسلف صالح کی شہادتوں سے نہ ہوتی ہو۔ خود فرماتے ہیں کہ اس قسم کے تمام مسائل میں حق تعالیٰ نے ان کو

توفیق تشئید آں بہ کتاب وسنت وآثار صحابہ دادند وبرتمیز آنچہ علم دین ست منقول از حضرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم وآنچہ مدخول است ومحرف وآنچہ سنت است وآنچہ ہر فرقہ بدعت کردہ است افادہ ساختند۔ (انفاس)

اس بات کی توفیق دی کہ کتاب و سنت وآثار صحابہ سے اس کی بنیادوں کو مستحکم کریں نیز وہ علم دین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور جو دین میں باہر سے چیزیں داخل ہو گئی ہیں۔ ان دونوں میں تمیز کا جو سلیقہ اور یہ کہ ان میں کون سی باتیں تحریفی ہیں، کون کون سی چیز سنت ہے اور اسلام کے مختلف فرقوں نے کن نئی بدعتوں کو شریک کیا (ان تمام امور کا انکشاف جیسا شاہ صاحب نے کیا۔ شاید ہی کسی نے کیا ہو۔)

الغرض اس قسم کے مختلف الاطراف والجوانب مباحث مہمہ کو انھوں نے اپنی چھوٹی بڑی کتابوں اور رسالوں میں جو جمع کیا ہے جن کی تعداد "حیات ولی" کے مصنف نے (۵۱) بتائی ہے ۔ اگرچہ اسی کے ساتھ یہ بھی لکھ دیا ہے :۔

"آپ کی تالیفات کے سلسلہ میں اور بھی بہت سی کتابیں ہیں جو قدیم کتب خانوں میں موجود ہیں ۔ مگر ہم نے

صرف ان ہی کتابوں کا ذکر کیا ہے جو مطبوع ہوکر
شرق سے غرب تک نہایت وقعت کے ساتھ مشہور
ہوچکی ہیں۔

شاہ صاحب کے طرزِ انشاء میں زبان نبوّت کی جھلک

اور پھر یہی نہیں کہ ان کی توجہ اپنی ان کتابوں میں محض معنی پر رہی ہے۔ بلکہ عربی زبان میں انھوں نے جتنی کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں ایک خاص قسم کی انشاء کی جو ان کا مخصوص اسلوب ہے پوری پابندی کی ہے۔ شاہ صاحب نے عربی انشاء و ادب کا جو نیا قالب تیار کیا ہے یہی نہیں کہ ہندوستانی مصنفین میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔ بلکہ جہاں تک میری محدود رسائی کا تعلق ہے میں نہیں جانتا کہ آغازِ اسلام سے اس وقت تک کسی اسلامی علاقہ کے ارباب تصنیف نے اس کو اختیار کیا ہے۔ شاہ صاحب کے اس "اسلوب بدیع" کی کیا خصوصیتیں ہیں اس کے لئے بھی ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے۔ لیکن مختصر لفظوں میں شاید یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاہ ولی اللہ پہلے آدمی ہیں جنھوں نے اپنی عبارتوں میں زیادہ تر صاحب "جوامع الکلم" البنی الخاتم" صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز گفتگو کی پیروی کی ہے۔ حتی الوسع وہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے مدعا کا اظہار ان ہی لغات اور ان ہی محاوروں میں کریں جو لسانِ نبوّت اور زبانِ رسالت سے خاص تعلق رکھتے ہیں۔ اور اس میں خدا نے ان کو خاص مہارت عطا فرمائی ہے۔

Marfat.com

ان سے پہلے تو کسی کو عبارت کے اس ڈھنگ کی طرف توجہ ہی نہیں ہوئی۔ لیکن ان کے بعد بھی اس کی تقلید آسان نہیں ہے۔ حدیث کے بعد ان کی عبارت میں قرآنی طرزِ تکلم کا بھی اثر ہے۔ لیکن قرآن سے زیادہ اس باب میں وہ حدیث ہی کے متبع نظر آتے ہیں اور اسی چیز نے ان کی کتابوں کے رنگ کو عربی زبان کے تمام دوسرے مصنفین سے ممتاز کر دیا ہے۔ فارسی میں... شاہ صاحب نے اگرچہ کم لکھا ہے لیکن جو کچھ لکھا ہے۔ کم از کم اس میں ان علماء کے لئے درس عبرت ہے جو اپنے زمانہ کی عام طریقۂ انشاء و کتابت میں لکھنے پڑھنے کو اپنی علمی شان سے ایک گری ہوئی بات خیال کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ شاہ عبدالعزیز کی کتابوں کو پڑھئے اور اس زمانہ کے بڑے بڑے ارباب انشاء کی کتابوں کا بھی مطالعہ کیجئے۔ مشکل ہی سے ان حضرات کی عبارات ان سے دب سکتی ہیں۔

شاہ صاحب کے اس سارے کام کی مدت

لیکن یہ سارا کام کتنی مدت میں انجام پایا شاید ہی کسی نے اس پر غور کیا ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ کی عمر کا ایک بڑا حصہ یعنی سفر حج سے پہلے کا جو حصہ ہے۔ اس میں تصنیف و تالیف کا بظاہر آپ نے کچھ کام نہیں کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آپ کو اس کا خیال بھی نہ تھا۔

والد ماجد یعنی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کی وفات کے وقت آپ

سترہ سال کے تھے۔ اسی عمر میں علوم متداولہ سے فارغ ہو چکے تھے۔ ان کی وفات کے بعد اپنے والد کے پرانے مدرسہ رحیمیہ میں درس و تدریس کا کام تقریباً ایک قرن تک انجام دیتے رہے۔ خود فرماتے ہیں۔ کہ:۔

بعد از وفات حضرت ایشاں دوازدہ سال کمی بیشی بدرس کتب دینیہ و عقلیہ نمودہ ودر ہر علمے خوض واقع شد۔ (انفاس)

حضرت والد کے انتقال کے بعد کم و بیش بارہ سال تک دینی اور عقلی علوم کی کتابوں کا درس دیتا رہا اور ہر علم میں غور و فکر کا مذاق پیدا ہوا۔

جس کے معنی یہی ہوئے کہ قریب قریب انتیس سال کی عمر تک شاہ صاحبؒ کا بجائے تالیف و تصنیف کے زیادہ تر درس و تدریس سے ہی تعلق رہا۔ اسی زمانہ میں یکایک سفر حجاز کا سودا سر میں سمایا۔ فرماتے ہیں:۔

بعد ازاں دوازدہ سال شوق زیارت حرمین محترمین درسر افتاد۔

اس بارہ سال کے بعد حرمین محترمین کی زیارت کا شوق سر میں سمایا۔

۱۱۴۳ھ و ۱۱۴۴ھ و ۱۱۴۵ھ یہ تین سال اسی سفر کی نذر ہوئے۔ جس میں تقریباً چودہ مہینے حرمین شریفین میں قیام کا موقعہ میسر آیا۔ شاہ عبدالعزیز کا بیان گزر چکا ہے کہ:۔

والد ماجد چہاردہ ماہ در حرمین بودند (ملفوظات ص ۹۳)

والد ماجد چودہ مہینے حرمین میں رہے

Marfat.com

اور باقی مدت آمد و رفت میں صرف ہوئی۔ اس سلسلہ میں شاہ صاحب کو دو حج ملے۔ ایک اس وقت جب حجاز پہنچے، اور دوسرا اس وقت جب واپسی کے قصد سے عرب سے روانہ ہونے والے تھے۔

اس حساب سے حضرت کی عمر کے تینتیس چونتیس سال اُن ہی مشغلوں میں ختم ہو گئے۔ آپ کی پوری عمر کتنی ہوئی۔ اس میں اگرچہ تھوڑا سا اختلاف ہے "حیات ولی" کے مصنف نے گویہ لکھا ہے کہ

شاہ صاحب کی عمر کے بارہ میں اختلاف

"جناب شاہ ولی اللہ عمر کے تریسٹھ سال مرحلے طے کر چکے تو چند روزہ خفیف سی بیماری میں مبتلا ہو کر ۱۱۷۶ھ 1176 میں عازم سفر آخرت ہوئے" ص ۳۱۸

لیکن اس کے بر خلاف ملفوظات عزیزیہ کے جامع نے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے:۔

شاہ صاحب کی ولادت و وفات شاہ عبدالعزیز کی زبانی

عمر شریف شصت و یک سال و چہار ماہ شد، چہارم شوال تولد گشت و در بست و نہم محرم وفات یافت تاریخ تولد چہارم ماہ شوال، چہار شنبہ ۱۱۱۴ھ بود۔ تاریخ وفات:۔

"او بود امام اعظم دیں"
۷۶ ۱۱

و دیگر تاریخ:۔

ہائے دل روزگار رفت   بست نہم محرم وقت ظہر"
۷۶

Marfat.com

(ملفوظات عزیزیہ ص۴۰)

تاریخوں کے ملانے سے جیسا کہ یوں بھی چاہیے شاہ عبدالعزیز ہی کے بیان کی توثیق ہوتی ہے۔ بہرکیف میرا مقصد تو یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ کی عمر جب کل اکسٹھ سال چار مہینے مانی جائے تو اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ اس اکسٹھ میں سے تقریباً تینتیس۳۳ چونتیس۳۴ ان ہی مشغولیتوں میں بسر ہو گئی اب کل ستائیس اٹھائیس سال کی مدت رہ جاتی ہے جس میں وہ سارا کام انجام پایا ہے۔ جسے دنیا شاہ ولی اللہ کا کام سمجھتی ہے بلکہ اسی کے ساتھ مرحوم حضرت امیر شاہ خاں صاحب جو ولی اللہی خانوادہ کے گویا "روایہ" تھے۔ اگر ان کے اس بیان کا بھی اضافہ کر لیا جائے کہ

"دہلی میں نجف علی خاں کا تسلط تھا جس نے شاہ ولی اللہ صاحب کے پہنچے اتروا کر ہاتھ بیکار کر دیئے تھے تا کہ وہ کوئی کتاب یا مضمون نہ تحریر کر سکیں"

(امیر الروایات ص۴۴)

اگرچہ اب تک اس واقعہ کی تاریخی شہادت مجھے میسر نہیں آئی۔ لیکن امیر شاہ کا بیان کم از کم میرے نزدیک خود ایک زندہ شہادت ہے۔ پھر چونکہ یہ نہیں معلوم کہ ناگوار سانحہ حضرت کے ساتھ کس وقت پیش آیا۔ اس لئے کوئی معین مدت تو مقرر نہیں کی جا سکتی۔ لیکن بقیہ ستائیس اٹھائیس سال والی مدت لامحالہ اس بنیاد پر اور گھٹ کر رہ جاتی ہے۔ اتنی قلیل مدت میں ایسے عجیب و غریب گوناگوں کام کیسے شاہ صاحب

رحمۃ اللہ علیہ سے بن آئے؛ یہ یقیناً محل حیرت ہے۔کوئی شبہ نہیں کہ اس میں بہت کچھ دخل ان کی خداداد فطرت اور خاص دل ودماغ کو بھی ہے بھلا جس شخص کی ختنہ اور جس کا ختم قرآن ساتھ ساتھ ہوا ہو۔جیساکہ خود فرماتے ہیں:۔

در سال ہفتم حضرت والد بزرگوار بر نماز ایستادہ کردند و بروزہ داشتن فرمودند وتطہیر نیز درہمیں سال واقع شد وچناں در خاطر ماندہ کہ آخر ہمیں سال قرآن عظیم ختم کردم۔ (انفاس صـ۱۹۴)	عمر کے ساتویں سال میں والد بزرگوار نے مجھے نماز پر کھڑا کیا اور روزہ رکھنے کا حکم دیا اور ختنہ بھی اسی سال میں واقع ہوئی اور خیال ایسا ہوتا ہے۔کہ اسی سال کے آخر میں قرآن مجید بھی میں نے ختم کیا۔

اور دس سال کی عمر میں جو شرح ملا تک پہنچ گیا ہو۔اور کس طرح پہنچا ہو کہ مطالعہ کی قوت بھی پیدا ہو چکی ہو۔ فرماتے ہیں:۔

در سال دہم شرح ملا می خواندم وراہ مطالعہ فی الجملہ کشادہ شد۔	میں دسویں سال شرح ملا پڑھ چکا تھا۔فی الجملہ اسی وقت سے مطالعہ کی راہ مجھ پر کھلی۔

اور ٹھیک عمر کے پندرھویں سال میں باضابطہ دستار فضیلت جس کے سر پر بندھ گئی ہو۔جیساکہ اُن ہی کا بیان ہے کہ:۔

بالجملہ از فنون متعارفہ بحسب رسم	خلاصہ یہ ہے کہ تمام متداول علوم

Marfat.com

این دیار پانزدہم فراغ حاصل شد — اس ملک کے درس میں جن کا رواج ہے ان سے پندرھویں سال فراغت حاصل ہوگئی۔

ان علوم متداولہ میں صرف درس نظامیہ کی کتابیں ہی داخل نہیں ہیں۔ بلکہ ان عام کتابوں کے سوا طب اور تصوف کی ایک نہیں متعدد کتابیں چھوٹی بڑی بھی شریک ہیں بلکہ شاید علم خواص الاسماء وغیرہ کے طرز کی بعض چیزیں بھی اپنے والد سے آپ نے پڑھ لی تھیں اور پھر سترہ سال کی عمر سے ہر قسم کے علوم و فنون عقلی کا درس دینا شروع کر دیا تھا ظاہر ہے کہ یہ باتیں ان کی خاص دماغی اور ذہنی قابلیت پر دلالت کرتی ہیں۔

عرب بھی جو وہ گئے تو اس میں شک نہیں کہ وہاں کے اہل علم و فضل کی صحبتوں سے کافی فائدہ ان کو پہنچا۔ اور سب سے بڑی چیز جو وہاں سے لائے وہ حدیث کی سند تھی۔ کیونکہ گو ہندوستان میں بھی قبل سفر حجاز کے اپنے والد سے پوری مشکوٰۃ اور بخاری کا کچھ حصہ پڑھ چکے تھے لیکن صحاح اور صحاح کے سوا دوسری حدیث کی کتابوں کی سند آپ کو عرب ہی سے حاصل ہوئی۔ لیکن خود ان کے بعض جلیل القدر اساتذہ بلکہ آپ کے سب سے بڑے استاذ حدیث علامہ طاہر بن ابراہیم کردی ہی فرماتے تھے۔

یسند عنی اللفظ وکنت	مجھ سے وہ لفظوں کی سند لیتے ہیں
اصحح المعنی منہ	اور میں ان سے حدیث کے معنی
(الیانع الجنی)	کی تصحیح کرتا ہوں۔

بلا شبہ یہ ساری باتیں اُن کی فطری ذہانت وذکاوت پر دلالت کرتی ہیں اور شاہ عبد العزیز صاحب سے منقول بھی ہے۔ فرمایا کرتے تھے "مثل والد ماجد تحفہ کم نظر آمد" حافظہ کے متعلق ان ہی کی شہادت یہ ہے کہ "مثل والد ماجد حافظہ ندیدہ ام" ص۱۱

ایک اور خاص بات شاہ عبد العزیز نے ان کے متعلق یہ بھی بیان کی ہے کہ ——— "مریض ہم کم می شدند" ص۱۲ بہر حال اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شاہ صاحب کی ان علمی خدمات و مجتہدات میں ان کی فطری خصوصیتوں کو بھی بہت زیادہ دخل ہے۔

لیکن جو کام جتنی قلیل مدت میں ان سے بن پڑا ہے اور ایسا کام جس کے اکثر حصّہ کے وہ موجد ہیں۔ ان کی کتابوں سے اگر ان "باکورات وبدائع" کا انتخاب کیا جائے جن کے ابتداع و ابتکار کا فخر صرف ان کے نوک خامہ کو حاصل ہے تو بلا مبالغہ ہزار ہا ہزار سے وہ متجاوز ہو سکتے ہیں تو کیا شاہ صاحب کی اس عبقریت اور نابغیت میں صرف ان کے دل ودماغ کو دخل ہے۔ ممکن ہے کہ لوگ ایسا ہی خیال کرتے ہوں۔ خصوصًا اس زمانہ میں "جینیس" کا ایک لفظ تراش لیا گیا ہے اور جب کسی شخص کے کام کے متعلق اس قسم کی مدہوش کن اور حیرت انگیز اعجوبہ طرازیوں کا تجربہ ہوتا ہے تو کہہ دیا جاتا ہے کہ اس "فن" کا فلاں شخص "جینیس" ہے اگر شاہ صاحب کے متعلق کوئی وثیقہ مجھے نہ ملا ہوتا تو شاید میں بھی کچھ اسی قسم کی بات کہہ کر یہ سن کر چپ ہو جاتا۔ لیکن الحمد للہ کہ سفر

حجاز سے پہلے اور سفر حجاز کے بعد کی شاہ صاحب کی دونوں زندگیوں اور ان کے کارناموں میں جو نمایاں فرق پیدا ہو گیا ہے۔ اسی کی تہہ میں جو حقیقی سبب کارفرما ہے وہ اس سے بہت زیادہ بلند ہے۔ جو سمجھا جاتا ہے۔

جیسا کہ میں نے ابتداءِ مضمون میں عرض کیا تھا کہ حجاز پہنچ کر شاہ صاحب نے ایک خواب دیکھا تھا اور ایسا خواب کہ اگر اس کی تعبیر پوری نہ ہوتی تو آج ہندوستان کی تاریخ وہ نہ ہوتی جو اس وقت ہے تفصیل سے بتا چکا ہوں کہ اس خواب میں شاہ صاحب کو حضرت السلطان الغازی الابدالی اور ان کی فیصلہ کن جنگ جو مرہٹوں سے ہوتی اس کا نقشہ دکھایا گیا تھا۔

شاہ صاحب کی اُن محیر العقول علمی خدمات کا اصل راز

ساری دنیا جانتی ہے کہ "پانی پت" کے میدان میں اگر اس دن قدرت ابدالی کے حق میں فیصلہ نہ کرتی تو یقیناً ہندوستان میں مرہٹوں کی حکومت قائم ہو چکی ہوتی اور مرہٹوں کی حکومت قائم ہو جانے کے بعد اس ملک میں مسلمانوں کا جو نتیجہ رہتا وہ یوں بھی ظاہر ہے۔ پیشتر اس قوم کے جن نصب العینوں کا تھوڑا بہت ذکر آ چکا ہے ان سے بھی اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ لوگ کچھ ہی خیال کریں۔ لیکن میں تو سمجھتا ہوں کہ ان ہی مرہٹوں کے مظالم سے تنگ آ کر جو حجاز بھاگا تھا اس کو اس فتنہ کے قلع قمع کی بشارت اس خواب کے ذریعہ سے دی گئی تھی۔ اور جس طرح کفر کے اس استیصال کی خبر سے وہ مبشر ہوئے ٹھیک اسی سفر میں ان کو ایک اور مژدہ اور کامیابی کی خوش خبری سے

سرفراز فرمایا گیا تھا۔ جس کا ذکر شاہ صاحب نے حالانکہ اپنی ایک نہیں بلکہ متعدد کتابوں میں کیا ہے۔ لیکن لوگ اس کو پڑھتے ہیں اور گزر جاتے ہیں حالانکہ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں شاہ صاحب کی ساری انقلابی زندگی اور حجاز سے واپسی کے بعد ان سے اسلام کی جو عظیم خدمتیں بن آئیں۔ ان سب کا قصہ اسی وقت ختم کردیا گیا تھا۔ واقعہ اسی وقت ہوچکا تھا صرف اس کا ظہور ہندوستان آکر ہوا۔ میرا اشارہ شاہ صاحب کے اس مشہور خواب کی طرف ہے جس کا ذکر حجۃ اللہ البالغہ کے دیباچہ میں بھی کیا گیا ہے۔ اور فیوض الحرمین و در ثمین دونوں کتابوں میں بھی ہے۔ میں پہلے اس خواب کو در ثمین سے بجنسہ ان ہی کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں فرماتے ہیں:۔

کان الحسین والحسن علیہم السلام نزلا فی بیتی وبید الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ قلم قد انکسر لسانہ وبسط الیّ یدہ لیعطینی وقال ھذا قلم جدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال	گویا حسین اور حسن علیہما السلام میرے گھر تشریف لائے ہیں۔ اور حسن علیہ السلام کے دست مبارک میں ایک قلم ہے۔ جس کی زبان (نوک) ٹوٹی ہوئی ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا ہاتھ بڑھایا تاکہ وہ قلم مجھے عطا فرمائیں اور فرمایا کہ یہ قلم میرے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے مگر پھر آپ بولے

حتیٰ یصلحہ الحسین فلیس ما اصلحہ الحسین کما لم یصلحہ فاخذ لا الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ واصلحہ ثم ناولنیہ فسررت بہ ثم جیئ بردائٍ مخطط فیہ خط اخضر وخط ابیض فوضع بین یدیھما فرفعہ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقال ھذا رداء جدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم البسنی فوضعتہ علی راسی تعظیما وحمدت اللہ تعالیٰ۔

کہ حسین اسے درست کرلیں تب دوں گا) اور فرمایا کہ حسین جیسا درست کر سکتے ہیں کوئی دوسرا اتنا درست نہیں کرسکتا۔ پھر حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قلم کو لے لیا اور درست فرمایا۔ میں اس (انعام) سے بہت مسرور ہوا۔ پھر ایک چادر لائی جس پر دھاریاں بنی ہوئی تھیں ایک دھاری سبز ایک سفید، پہلے یہ چادر ان دونوں حضرات کے سامنے رکھی گئی پھر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے اٹھایا اور فرمایا کہ یہ چادر میرے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ پھر وہ چادر مجھے اڑھاوی گئی۔ تب میں نے تعظیماً اس کو اپنے سر پر رکھ لیا۔ اور حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

شاہ صاحب کے اس خواب

شاہ صاحب نے یہ کیا خواب دیکھا؟ ظاہر ہے کہ اس خواب میں چند اجزا ہیں

Marfat.com

کی تشریح اور تعبیر

(۱) حسنین صاحب کا تشریف لانا۔ (۲) حسن علیہ السلام کے ہاتھ میں ایک ایسے قلم کا ہونا جس کی نوک ٹوٹی ہوئی ہے۔ (۳) شاہ صاحب کو دینے کا ارادہ فرمانا مگر پھر حضرت حسین علیہ السلام سے اس قلم کو بنوانا (۴) اور یہ فرمانا کہ "فلیس ما اصلحہ الحسین کما لم یصلحہ" یعنی جیسا قلم حسین علیہ السلام بنا سکتے ہیں وہ قلم اور جو ان کا درست کیا ہوا نہ ہو، برابر نہیں ہو سکتے (۵) بن جانے کے بعد اس قلم کو شاہ صاحب کے سپرد فرمانا (۶) اس قلم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب فرمانا (۷) پھر شاہ صاحب کو ایک چادر جو "برد یمانی" کے صفات سے موصوف ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے عطا فرمانا (۸) اس کا اڑھا دینا۔

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی زندگیوں کا انطباق شاہ صاحب کی زندگی پر

میں نے ہر جزء کو الگ الگ کرکے اس لئے لکھ دیا ہے۔ تاکہ غور کرنے میں آسانی ہو۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس جواب سے میری سمجھ میں جو کچھ آیا ہے وہی اس کی واقعی تعبیر بھی ہے۔ لیکن بہرحال میرا ذہن اس خواب سے جن امور کی طرف منتقل ہوا ہے۔ اب اسے عرض کرتا ہوں۔

حضرات حسنین علیہ السلام کی اصل خصوصیت یہی ہے کہ ملت اسلامیہ جب شدید نرغہ میں آئی ہے تو ان میں بڑے صاحب نے اپنی صلح کی روش سے اور چھوٹے صاحب نے مقابلہ اور مقاتلہ کے طریقہ سے اس فتنہ کا مقابلہ کیا۔

Marfat.com

پھر کیوں نہ سمجھا جائے۔ کہ اس وقت ہندوستان میں اسلام جن فرعونوں میں گھر گیا تھا۔ اسی کے مقابلہ کے لئے شاہ صاحب کا انتخاب کیا گیا۔ اشارہ ادھر تھا کہ شاہ صاحب سے جس مقابلہ کا کام لیا جائے گا۔ اس میں صلح و جنگ دونوں طریقوں کو دخل ہوگا۔ شاہ ولی اللہ نے آنے والے خطرات کے مقابلہ میں مذکورہ بالا جن ششں جہتی کارناموں کو پیش کیا بظاہر تو اس کی صورت جنگ کی نہیں۔ بلکہ ایک مصلحانہ مقابلہ کی تھی۔ کیونکہ یہ تلوار سے نہیں بلکہ قلم کی جنگ تھی۔ لیکن اس جہاد میں شاہ صاحب اور ان کے خاندان والوں کو دشمنوں کی جانب سے جو اذیتیں برداشت کرنی پڑیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس میں کربلائی قربانیوں کے نشانات نہ تھے ابھی گزر چکا کہ نجف خاں نے شاہ صاحب کے پہنچے اتروا دیئے تھے۔ صاحب الیانع علامہ محسن البہاری رحمۃ اللہ علیہ[1] لکھتے ہیں۔ کہ جس وقت شاہ صاحب نے فقہ و حدیث کے صحیح تعلقات کی تنقیح فرما کر کتابیں شائع کیں۔ جن میں ظاہر ہے کہ "اس تقلید جامد" کی مخالفت کی گئی تھی۔ جس میں عموماً سرحدی پٹھان اور روہیلے مبتلا تھے۔ تو قدرتاً ان پر شاہ صاحب کی باتیں سخت شاق گزرتی تھیں۔ دلی اس وقت ان ہی لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ بقول مولانا محسن کے کہ "غنم کلب" کے بالوں سے زیادہ ان کی تعداد تھی

---

[1] یہ مولانا محسن بہار کے شمالی حصہ ترہت کے رہنے والے تھے۔ حضرت چک ضلع مونگھیر میں ان کا عجیب کتب خانہ اب تک موجود ہے اگرچہ بڑا حصہ اس کا بقرعید کی قربانی کے جھگڑے میں ہندوؤں کے ہاتھ برباد ہوگیا مولانا محسن نے ہندوستان میں تحصیل علم کے (باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

یہ لوگ ہر طرح سے شاہ صاحب کے درپئے آزار ہوئے لیکن وہ لکھتے ہیں :۔

لم یصدہ شیء من ذلک	ان لوگوں کی مخالفتیں شاہ صاحب
مما کان علیہ من ترجیح	کو اس طرز عمل سے نہ روک سکیں
ما وافق من اقوال	جو ظاہر سنن و آثار کے مطابق فقہا
الفقہاء ظواھر السنن	کے اقوال کو ترجیح دینے کا تھا اور
والآثار ومن بیان ما صفا	اس سلسلہ میں جو مسلک صاف
موردہ من ذالک عما	ستھرا تھا اس کو مکدّر طریقہ سے
ترنق فکان یصرح بما بین	وہ جدا کرتے تھے۔ شاہ ولی اللہ
ظھرا نیھم نصحاً للامۃ	ان متصلب سخت پٹھانوں کے
ووفاء بعھد اللہ الذی	درمیان علانیہ اپنے اس مسلک کا
واثق بہ العلماء۔ (ایانع)	اظہار فرماتے تھے۔ مقصد امت

کی بہی خواہی تھی۔ اور خدا کے اس عہد کو پورا کرنا تھا۔ جس کا علماء سے وعدہ لیا گیا ہے۔

فتح پوری کی مسجد میں قتل کے ارادہ سے شاہ صاحب کا جو محاصرہ کیا گیا اس کا ذکر بھی گزر چکا۔ پھر اس کے بعد آپ کے خاندان پر جو مظالم توڑے گئے اس کا اندازہ شاہ عبدالعزیز کی بعض روایتوں سے ہوتا ہے۔ مثلاً ملفوظات میں ہے:۔

(بقیہ ص ۲۷۵) بعد حجاز اور دوسرے اسلامی ممالک میں بھی کچھ پڑھا تھا خاکسار کو آپ سے اور آپ کے خاندان سے قرابت قریبہ کے تعلقات ہیں۔

چوں در شہر کہنہ بودم بسیار از رفضا و، فساق و برادران حسود تکلیفہای کشیدیم

جب ہم پرانی دلی میں تھے۔ تو رافضیوں اور فاسقوں اور حسد کرنے والے بھائیوں سے بہت تکلیفیں میں نے اٹھائیں۔

پھر ان "تکلیفہا" میں سے ایک تکلیف کا ذکر ان الفاظ میں فرماتے ہیں:۔

بعضے قریب خانہ ما تعزیہ بر سقف می کردند و تبرا و سب شتم می نمودند۔

بعض لوگ میرے گھر کے پاس اپنے کوٹھے اور بالا خانوں پر تعزیہ رکھتے اور تبرا بکتے ر اور خلفاء ثلٰثہ کو گالیاں دیتے۔ اور اس طرح مجھے ایذا پہنچاتے۔

یہ تو خیر شیعوں کا سلوک تھا۔ "فساق" کا برتاؤ کیا تھا اس کی مثال یہ ہے کہ:۔

روزے فاجرہ شراب خوردہ در وقت تراویح درمیان قرآت قرآن شعر حافظ شیراز۔

ایک دن ایک فاحشہ عورت نے شراب پی کر تراویح کے وقت میں قرأت قرآن کے درمیان حافظ شیرازی کا یہ شعر گانا شروع کر دیا، ؎

"در کوئے نیک نامی مارا گذر ندادند — گر تو نمی پسندی تغییر کن قضا را"

در کوئے نیک مارا گذر ندادند — گر تو نمی پسندی تغییر کن قضارا،

خواند و بعضے و نہاد آوازہا می زدند کہ قرأت مشتبہ شود۔ (ملفوظات ص۵۲)

اور بعض لوگ ڈھول تاشے بجاتے اور شور پکار بلند کرتے تاکہ میری قرآت میں گڑبڑ پیدا ہو۔

شاہ صاحب کے خاندان پر کربلائی مصائب

اور یہ تو خیر معمولی باتیں ہیں حضرت مجلہ امیر شاہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے توجس واقعہ کا ذکر فرمایا ہے۔ سن کر کلیجہ دہل جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ وہی نجف خاںؒ جس نے شاہ ولی اللہ کے پہنچے اتردائے تھے اسی نے

"شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین کو اپنے قلمرو سے
نکال دیا تھا اور یہ ہردو صاحبان مع عورتوں کے
شاہدرہ تک پیدل آئے تھے"

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی مستورات کے ساتھ میدان کربلا میں جو فاضحات ناگفتہ بہ پیش آئے تھے کیا اس کی جھلک اس واقعہ میں نہیں پائی جا رہی ہے۔ شاہ ولی اللہ کی بہوئیں اور پوتیاں اس بے سرو سامانی کے ساتھ دلی سے پیادہ پا آتی ہیں۔ پھر انہی کا بیان ہے کہ شاہدرہ سے عورتوں کی سواری کا نظم تو حضرت مولانا فخر رحمۃ اللہ علیہ کی سفارش سے ہوگیا لیکن

ؒ مغل دربار کا آخری امیر تھا۔ جس کے بعد ہی لال قلعہ پر غیروں کا قبضہ ہوگیا۔ دراصل یہ شروع میں نواب وزیر اودھ کی وزارت کا دلی میں نائب تھا۔ لیکن بعد کو خود مستقل بن بیٹھا اور آخری ہانڈی حکومت کی اسی کے سر پھوٹی۔ ۱۲

"شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین کو سواری بھی
نہ ملی تھی۔ اور شاہ رفیع الدین صاحب تو پیدل
لکھنؤ چلے گئے تھے اور شاہ عبدالعزیز صاحب
پیدل جون پور چلے گئے تھے"

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے امام زین العابدینؒ بیمارؒ کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا تھا کیا اسی کا ظل ولی اللہ کے بیمار صاحبزادے شاہ عبدالعزیز صاحب میں نہیں ہے۔ ملفوظات میں ہے کہ شاہ صاحب کو بائیس قسم کی بیماریاں تھیں۔ لیکن ظالموں نے رحم نہیں کیا اور دلی سے پیدل جون پور دوڑا دیا۔ دونوں بھائی سفر میں ساتھ ہوتے تو شاید گونہ تسلی ہوتی لیکن امیر شاہ خاں صاحب کا بیان ہے کہ

"ان دونوں کو نہ سوار ہونے کا حکم تھا اور نہ
ساتھ رہنے کا"

خاں صاحب نے اسی سلسلہ میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ

"دو دفعہ روافض نے شاہ عبدالعزیز صاحب کو
زہر دیا تھا اور چھپکلی کا ابٹن ملوا دیا تھا۔ جس سے شاہ
صاحب کو برص کا مرض ہو گیا تھا"

مجھے یاد آتا ہے کہ امیر شاہ خاں[1] صاحب ہی سے میں نے یہ بھی سنا تھا۔

---

[1] دارالعلوم دیوبند کے متوسلین میں شاید ہی کوئی ہوگا جو حضرت امیر شاہ خاں صاحب سے واقف نہ ہوگا۔ خاکسار پر بڑی نظر عنایت تھی بلکہ ولی اللہی خاندان سے خاص نیاز مندانہ

کہ جس وقت شاہ عبد العزیز پیدل جونپور بھیجے گئے ۔ یہ موسم ٹھیک جیٹھ کا تھا۔ سخت لُو کے دن تھے امیر الروایات میں بھی اتنا موجود ہے کہ :۔

"جونپور کے سفر میں شاہ صاحب کو لُو بھی لگ گئی تھی
جس سے مزاج میں سخت حدت پیدا ہو گئی تھی ۔
جس سے جوانی ہی میں بینائی جاتی رہی تھی اور
ہمیشہ سخت بے چین رہتے تھے ۔ ص۳۴

اور آخر میں تو شاہ ولی اللہ کے پوتے مولانا اسمٰعیل صاحب اور اسی خاندان کے تربیت یافتہ بزرگ حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہما نے بالاکوٹ میں جس واقعہ کی تصویر پیش کی ۔ اس پر تو کربلا کی ظلیت کا خاتمہ ہی ہو جاتا ہے ۔

بہر حال اس خواب میں حسنین علیہما السلام کے دیدار سے شاہ صاحب کا مشرف ہونا محض اتفاقی واقعہ نہ تھا ۔ اس کے بعد حضرت حسن علیہ السلام کے دستِ مبارک میں ٹوٹے ہوئے قلم کا ہونا جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مدت سے ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ تمام دنیا میں ایک بھی قابلِ ذکر مصنف پیدا نہیں ہوا تھا تصنیف کا ذوق و شوق تو باقی تھا لیکن کتابوں میں صرف لفظوں کی بھرمار ہوتی تھی ۔ انتہا یہ تھی کہ تاریخ جس کا سرمایہ صرف واقعات ہیں اس کی کتابوں میں بھی ادھر

(بقیہ ص۲۷۹) ہی کی بدولت ابتدا میں حاصل ہوا ۔ اور حضرت شیخ الہند کی غلامی و بیعت سے سرفرازی بھی انہی کی بدولت حاصل ہوئی ۔ ۱۲

Marfat.com

دو تین صدیوں سے یہ آفت آئی ہوئی تھی کہ محض لفظوں کی دھڑا بندی کی جاتی تھی۔ علماء اسلام کے جو تذکرے ادھر تیار ہوئے ان میں دیکھیے "بقول نواب علامہ مولانا حبیب الرحمان شروانی سوائے "البحر العلام والبحر القمقام" کے ہم قافیہ الفاظ کے سوانح حالات کی ایک سطر نہیں ملتی۔ بے ناگی یہی حال دوسرے علوم و فنون کی کتابوں کا بھی تھا۔ تو میرے خیال میں گویا اسی کی طرف ٹوٹے ہوئے قلم سے اشارہ کیا گیا تھا۔ اور اب یہ "قلم" شاہ ولی اللہ کے سپرد ہو رہا تھا۔ لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا اصلاح کی راہ میں شاہ صاحب کو جو قلم دیا جا رہا تھا اس میں اشارہ کر دیا گیا تھا کہ حسنی رنگ کے ساتھ ساتھ حسینی واقعات کے تجربے پیش آئیں گے اور یہ جو امام حسن علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "حسین جیسا بنانے ہیں ویسا دوسرا نہیں بنا سکتا" تو اس میں گویا اشارہ تھا کہ ہر چیز سے بے پروا ہو کر صرف حق کی حمایت میں میدان میں کود جانا چاہیے۔ اور میں بیان کر چکا کہ شاہ صاحب نے اس راہ میں کیسی جرأت دکھائی۔ اپنی تصوف کی کتابوں میں جب مشائخ عصر پر وہ تنقید فرماتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ ملک ان ہی لوگوں کے زیر اثر ہے ان کا ایک اشارہ فتنہ کی آگ کو روشن کر دینے کے لئے کافی ہے۔ لیکن متعدد مقامات پر یہ ارقام فرماتے جاتے ہیں :-

ہر چند ایں سخن بر بسیارے از	ہر چند میری یہ بات اس زمانہ کے
صوفیہ زماں دشوار خواہد بود ما	صوفیوں پر گراں گزرے گی لیکن
مرا کارے فرمودہ اند بر حسب	مجھے ایک کام کا حکم دیا گیا ہے اس

Marfat.com

آں می گو یم بازید و عمرو کارے نیست۔ (وصیت نامہ صـ۸)

کے مطابق کہہ رہا ہوں مجھے زید و عمرو سے کوئی سروکار نہیں۔

آخر میں شاہ صاحب کو بُرد یمانی کے نیچے دونوں حضرات لے آئے ہیں یعنی یہ فرماتے ہوئے کہ :۔

هذا رداء جدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یہ میرے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر ہے۔

وہ چادر حضرت شاہ ولی اللہ کو اڑھا دیتے ہیں غالباً یہ ادھر اشارہ تھا کہ سب کچھ ہوگا۔ مخالفین بھی ہوں گے دشمن ستائیں گے بھی۔ لیکن زیر سایہ عاطفت نبوت کبریٰ علی صاحبہا الف سلام وتحیہ۔ چونکہ شاہ صاحب کی زندگی گزرے گی۔ اس لئے ردائے محمدی کے سایہ میں پناہ لینے والوں پر انشاء اللہ مخالفین کی کچھ پیش نہ جائے گی اور ان کو خائب و خاسر ہوکر واپس ہونا پڑے گا۔ اور شاہ صاحب کے علمی آثار کو دنیا میں فروغ ہوگا بلکہ "ٹوٹے ہوئے قلم" کے بعد اسلامی دنیا میں ایک نیا دور تصنیف وتالیف کا شروع ہوگا۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ یہی ہوا خود شاہ ولی اللہ صاحب نے درثمین میں جہاں اس خواب کو نقل فرمایا ہے۔ اس کے بعد آخر میں فرماتے ہیں :۔

فمن یومئذٍ انشرح صدری للتصنیف فی العلوم الشرعیۃ صـ۲۰

اسی دن سے میرا سینہ شرعی علوم میں تصنیف کے لئے کھل گیا۔

جس کا صاف اور کھلا ہوا مطلب یہی ہے کہ شاہ صاحب کی آئندہ زندگی میں تصنیفی کوششوں کا جو سلسلہ شروع ہوا۔ اور وہ بڑھا اور اس حد تک بڑھا کہ اب نہ صرف ہندوستان بلکہ مصر، ترکی، حجاز اور کابل تک کے جامعات و مدارس میں آپ کی کتابیں داخل درس ہیں اور ان ہی ممالک کے مطابع سے آپ کی کتابیں چھپ چھپ کر ہندوستان آرہی ہیں ان تمام کوششوں کی تہہ میں "حقیقی موثر" غیب کی یہی قوت تھی۔

شاہ صاحب کے تجدیدی کارناموں میں فیض روح القدس کا دخل

بے شک شاہ صاحب بچپن ہی سے غیر معمولی طبیعت و فطرت کے مالک تھے۔ لیکن آپ کی ان حکیمانہ و مجددانہ کارناموں میں صرف آپ کی طبیعت ہی کو دخل نہیں ہے اور نہ آپ کے والد ماجد و دیگر اساتذہ کی تعلیم و تربیت ہی کا اس کو نتیجہ کہا جا سکتا ہے بلکہ کسی کی نگاہِ انتخاب نے اب شاہ ولی اللہ کو وہ ولی اللہ باقی نہیں رکھا تھا اب شاہ صاحب کی زبان پر کوئی اور بول رہا تھا اور ان کی انگلیوں میں اب کسی اور کا قلم چل رہا تھا۔ ع

ساے کہ نکوست از بہارش پیداست

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب ایک دن اپنے والد کے اس خواب کا تذکرہ فرما رہے تھے۔ جامع ملفوظات نے لکھا ہے کہ آخر میں شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس واقعہ کے بعد

حال نسبت و علم تقریر دگرگوں — والد کی نسبت باطنی اور علم و

Marfat.com

شد۔ | تقریر ساری باتوں کی حالت کچھ اور ہی ہوگئی۔

شاہ ولی اللہ کا رنگ اس کے بعد اتنا بدل گیا تھا کہ شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ ان کے والد کے جو پرانے شاگرد تھے وہ سفر حجاز سے واپسی کے بعد آپ کی حالت کو دیکھ کر یہ محسوس کرتے تھے کہ پہلی بات ان کی باقی نہیں رہی ہے۔ شاہ عبدالعزیز کے اپنے الفاظ یہ ہیں:-

چنانچہ مستفیضان سابق ہرگز نسبت سابق نمی کردند۔	چنانچہ جن لوگوں نے شاہ صاحب سے پہلے فیض پایا تھا (یعنی شاگرد و مرید) وہ پہلی نسبت کا آپ میں بالکل احساس نہیں کرتے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستان کا ایک مصیبت زدہ مسافر حجاز پہنچا تھا اخلاص و صداقت کے ساتھ پہنچا تھا، جو رنگ لاکر رہا۔ خود شاہ ولی اللہ کا بیان ہے کہ جب مدینہ منورہ کی حاضری کی سعادت نصیب ہوئی تو:-

دراں میان بروضہ منورہ حضرت سید البشر علیہ افضل الصلوات واتم التحیات متوجہ شدو فیضہا یافت۔ (انفاس)	اس عرصہ میں حضرت سید البشر (علیہ افضل الصلوات واتم التحیات) کے روضۂ منورہ کی طرف متوجہ رہنا تھا اور اس سے بڑے بڑے فیض حاصل کیے۔

ان ہی "فیضہا" کی شرح و تفصیل میں شاہ صاحب نے ایک مستقل کتاب "فیوض الحرمین" ارقام فرمائی ہے۔ شاہ صاحب کے ساتھ کیا کیا

نوازشیں ہوئی ہیں۔ ان کی تفصیل اسی کتاب میں پڑھنا چاہیئے۔ مجھے تو اس وقت صرف یہ کہنا ہے کہ مرہٹوں کے فتنہ کا ازالہ اور آئندہ ہندوستان کے مسلمانوں کے متعلق جو سوالات پیدا ہوئے تھے اور پیدا ہونے والے تھے۔ ان کے جو جوابات اور ان مشکلات کا جو حل شاہ ولی اللہ کے قلم نے پیش کیا یہ درحقیقت انہی "فیضہا" کا کرشمہ تھا — اور شاہ صاحب نے اس فیوض الحرمین ہی میں اپنے متعلق جو یہ دعویٰ کیا کہ

سلکنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سلوک کا راستہ طے کرایا اور
....	اپنے دست مبارک سے میری
.... و ربانی بیدہ فانا	تربیت فرمائی۔ اس لئے میں آپ
اویسیہ وتلمیذہ بلا	کا اویسی ہوں۔ اور حضور صلی اللہ
واسطۃ بینی وبینہ۔	علیہ وسلم کا بلا واسطہ شاگرد
(فیوض الحرمین ص ۲۳)	ہوں۔

تو اس کی حقیقت بھی ان فیوض پر غور کرنے سے کھل جاتی ہے۔

سفر حجاز کے بعد شاہ صاحب کی زندگی کا خاص دور

بہرحال شاہ صاحب میں جو نشہ حجاز میں بھرا گیا تھا۔ اس سے مست ہو کر جب وہ ہندوستان واپس ہونے لگے ہیں۔ اس وقت ان کے دل میں کن کن ولولوں کا زور تھا اور کن حوصلوں کو لے کر چلے تھے۔ انفاس العارفین کے ایک

Marfat.com

واقعہ سے اس کا اندازہ ہوتا ہے۔ اپنے سب سے بڑے شیخ الحدیث علامہ ابوطاہر محمد بن ابراہیم الکروی المدنی سے جب آخری دفعہ رخصت ہونے کے لئے ملنے تشریف لے گئے تو خود فرماتے ہیں :-

فقیر رخصت ہوتے وقت شیخ ابوطاہر کے پاس حاضر ہوا۔ اور یہ شعر میں نے پڑھا۔	ایں فقیر برائے وداع نزدیک شیخ ابوطاہر رفت ایں بیت بر خواندم

نسیت کل طریق کنت اعرفہ
الا طریقا یؤدینی الی ربعکم

ہر راہ میں بھول گیا بجز اس راہ کے جو تمہارے گھر تک مجھے پہنچائے
کسی ایسے حال سے معمور ہو کر شاہ صاحب نے یہ شعر پڑھا کہ :-

سننے کے ساتھ شیخ پر گریہ طاری ہوا اور بہت زیادہ متاثر ہوئے۔	بمجرد شنیدن آں بکا بر شیخ غالب آمد و بغایت متاثر شدند۔

الغرض ہر چیز سے دست بردار ہو کر صرف ایک "نصب العین" کو سامنے رکھ کر انھوں نے ہندوستان کی زمین پر قدم رکھا وہ سالہا سال کا پرانا اور موروثی ذوق درس وتدریس قطعًا غائب ہو چکا تھا۔ مدرسہ چونکہ باقی تھا اور اس کو باقی رکھنا چاہتے تھے۔ آپ کے نام پر طلبہ آیا کرتے تھے۔ لیکن اب جو کام پیش نظر تھا۔ اس کے ساتھ "معلم الصبیانی" کی زق زق، بق بق کی گنجائش نہ تھی۔ شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ بجائے خود پڑھانے کے

Marfat.com

حضرت والد ماجد از ہر یک فن شخصے تیار کردہ بودند۔ طالب ہر فن باوے می سپرند۔	والد ماجد نے ہر فن کے لئے ایک شخص تیار کر لیا تھا۔ جس فن کا جو طالب ہوتا اس کو اسی فن کے استاد کے سپرد فرمادیتے۔

غالباً "دوازدہ سالہ تدریس" کے یہ تیار رکئے ہوئے لوگ تھے۔ اب مدرسہ ان ہی کے سپرد تھا اور خود اپنے لئے کیا مشغلہ باقی رکھا تھا۔ کل تین چیزیں۔ جیسا کہ شاہ عبدالعزیز کا بیان ہے :۔

خود مشغول معارف گوئی و نویسی بودند۔ وحدیث می خوانیدند۔	خود معارف کے بیان کرنے اور لکھنے کا کام کرتے۔ اور صرف حدیث پڑھاتے۔

کس ذوق کس شوق، کس اہتمام واستغراق کے ساتھ حجاز سے واپسی کے بعد ان تین مشغلوں میں شاہ صاحب نے زندگی گذاری۔ اس کے متعلق بھی حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی عجیب و غریب شہادت ہے۔ فرماتے ہیں:۔

بعد اشراق کہ می نشست تا دوپہر زانو بدل نمی کرد و خارش نمی نمود و آب دہن نمی انداخت[43]	اشراق کے بعد جو بیٹھ جاتے۔ تو دوپہر تک نہ زانو بدلتے نہ کھجلاتے نہ دہن مبارک سے تھوک پھینکتے۔

ولی اللہی فیوض کی

شاہ صاحب ۱۱۴۵ھ[46] میں حجاز سے ہندوستان واپس ہوئے اور اپنے کام میں مشغول ہوئے

وسعت ولنوعیت

ٹھیک چار سال بعد دلی کی زمین پر نادر گردی کا وہ آسمان ٹوٹا۔ جس کے خونی افسانوں سے اب تک ملک کے کوچہ وبرزن معمور ہیں۔ لیکن شاہ صاحب پر جو دھن سوار تھی اس حادثہ کا بھی ان پر کوئی اثر نہیں پڑا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نادر ہی کے چلے جانے کے بعد محمد شاہ نے طلبہ کے ہجوم و کثرت یا کسی اور سبب سے بجائے پرانی دلی کے نئے شہر میں خود بلاکر مدرسہ کے لئے وہ حویلی عطا کی جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ اور اسی مدرسہ سے علم کا وہ سیل جرار جاری ہوا۔ کہ آج عرب و عجم میں کم ازکم علم حدیث کا جو زور شور ہے بالواسطہ یا بلا واسطہ اس کی انتہا حضرت شاہ ولی اللہ ہی کے مخلصانہ مجاہدوں پر ختم ہوتی ہے مولینا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے امیر شاہ خاں نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ سفر حج میں حضرت کا جہاز یمن کے ساحل کے کسی بندرگاہ پر ٹھہر گیا۔ معلوم ہوا کہ ابھی چند دن رکا رہیگا۔ حضرت نانوتوی کو کسی نے خبر دی کہ اس بندرگاہ کے شہر میں ایک کہنہ سال معمر بزرگ محدث رہتے ہیں۔ ان کی ملاقات کو حضرت تشریف لے گئے مل کر مولانا نانوتوی ان کے علم سے بہت متاثر ہوئے اور درخواست کی۔ کہ حدیث کی سند اجازت عطا ہو۔ اس پر محدث صاحب نے پوچھا۔ تم کس کے شاگرد ہو؟ انھوں نے اپنے استاد مولانا عبدالغنی مجددی کا نام بتایا محدث صاحب ناواقف تھے۔ پوچھا عبدالغنی کس کے شاگرد تھے؟ جواب ملا شاہ اسحاق کے۔ شاہ اسحاق سے بھی وہ ناواقف تھے۔ پوچھا وہ کس

Marfat.com

کے شاگرد تھے؟ کہا شاہ عبدالعزیز صاحب کے، شاہ عبدالعزیز کا نام سن کر محدث صاحب رُکے۔ بولے ان کو میں جانتا ہوں اور اس کے بعد فرمایا:

ایک یمنی محدث کی شہادت

"شاہ ولی اللہ طوبیٰ کا درخت ہے۔ جس طرح جہاں جہاں طوبیٰ کی شاخیں ہیں وہاں جنت ہے اور جہاں اس کی شاخیں نہیں ہیں وہاں جنت نہیں ہے۔ یوں ہی جہاں شاہ ولی اللہ کا سلسلہ ہے۔ وہاں جنت ہے اور جہاں ان کا سلسلہ نہیں ہے وہاں جنت نہیں ہے۔ ص ۱۵۰"

اور یہ تو یمن کے ایک گم نام محدث کی شہادت ہے اس موقع پر جی چاہتا ہے کہ پھر الازہر کے ہم وطن علامہ رشید رضا مصری مرحوم کا قول ذرا زیادہ تفصیل سے نقل کروں اس سے اس کا بھی اندازہ ہوگا کہ حضرت حسن علیہ السلام کے دست مبارک میں جو ٹوٹا ہوا قلم تھا اس کا کیا مطلب تھا۔ علم خصوصًا علم نبوت کی حالت اسلامی ممالک میں کیا ہو رہی تھی۔

علامہ رشید رضا مصری کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں علم حدیث صرف ہندوستانی علماء کی توجہ سے زندہ ہے۔

ولو عنایۃ اخواننا علماء	ہمارے ہندوستانی بھائیوں میں جو
الهند بعلوم الحدیث فی هذا	علماء ہیں اگر حدیث کے علوم کے ساتھ
العصر لقضی علیها بالزوال	اس زمانہ میں ان کی توجہ نہ ہوتی۔ تو
من امصار الشرق فقد	مشرقی ممالک سے یہ علم ختم ہو چکا ہوتا

Marfat.com

ضعفت فی مصر والشام والعراق والحجاز منذ القرن العاشر للھجرۃ حتی بلغت منتھی الضعف فی اوائل ھذا القرن الرابع عشر وانی لما ھاجرت الی مصر سنہ ۱۳۱۵ھ رایت خطباء مساجد الازھر وغیرہ یذکرون الاحادیث فی خطبھم غیر مخرجہ ومنھا الضعیف والمنکر والموضوع ومثلھم فی ھذا الغلط والھد رسون ومصنفو الکتب فکنت انکر ذالک علیھم کما بدأت بانکار مثلہ علی اھل بلدی طرابلس قبلھم۔

کیونکہ مصر، شام، عراق، حجاز میں دسویں صدی ہجری سے یہ علم ضعف کا شکار ہو چکا تھا۔ اور چودھویں صدی کے اوائل تک ضعف کی آخری منزل پر پہنچ گیا تھا۔ میں نے جب ۱۳۱۵ھ ہجری میں مصر ہجرت کی تو ازہر کی مسجدوں کے خطیبوں کو اور دوسری مسجدوں کے خطیبوں کو دیکھا۔ کہ اپنے خطبوں میں ایسی حدیثیں پڑھتے ہیں جن کا پتہ نہیں۔ ان میں ضعیف، منکر اور موضوع و جعلی روایتیں بھی ہوتی ہیں اور یہی حال واعظوں، مصنفوں، مدرسوں سب کا تھا۔ میں ان کو ٹوکتا تھا جیسا کہ اپنے وطن طرابلس میں بھی یہی کرتا۔

(مقدمہ مفتاح کنوز السنۃ)

یہ مصر کے ایک فاضل جلیل اور چودھویں صدی کے ایک ناقد بصیر کی گواہی ہے۔ جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ کسی ایک ملک ہی میں نہیں بلکہ مصر، شام

عراق، حجاز جو اسلام کے گہوارے ہیں ان سب میں دسویں صدی سے مسلمانوں کا یہ حال ہوگیا تھا۔ اور صرف کسی ایک طبقہ ہی میں جہل کی حکومت قائم نہیں تھی۔ بلکہ دین وعلم کے جو جو گروہ خادم تھے یعنی واعظ، خطیب، مدرسین ومعلمین حتّٰی کہ مصنفین ومؤلفین سب ہی کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ نبوت کے علم سے بے پروا ہو چلے تھے۔ غلط سلط غیر معتبر اور گڑھی ہوئی حدیثوں پر لوگوں کا دارومدار رہ گیا تھا شاہ ولی اللہ صاحب کو علم نبوت (حدیث) کے اسی حال کا تمثیل اگر ایسے قلم کی شکل میں ہوا جس کی نوک ٹوٹی ہوئی تھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس سے بہتر مثال اور کیا ہوسکتی تھی اور جب مصر وحجاز، عراق وشام جیسے ممالک علم حدیث سے دسویں صدی ہجری تک بے تعلق سے ہو گئے تھے۔ تو پھر خراسان، ترکستان، ایران وغیرہ جہاں ایک مدت سے اس "علم" کا چرچا مٹ چکا تھا ان کا جو حالت ہوگی وہ ظاہر ہے۔

علامہ رشید کا یہ اقرار کہ "اگر علماء ہند کی توجہ اس علم کی طرف نہ ہوتی تو اس علم کا مشرقی ممالک میں خاتمہ ہو جاتا۔" سب جانتے ہیں کہ یہ علماء ہند کی نہیں بلکہ براہ راست حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کا اعتراف ہے۔ اس لئے کہ ہندوستان میں حدیث کا جو کچھ بھی چرچا پچھلے دنوں ہوا۔ سب کی انتہا بالآخر حضرت شاہ صاحب ہی کے وجود باوجود پر ہوتی ہے۔ گویا شاہ صاحب کو حسنین علیہما السلام نے جو قلم عطا فرمایا تھا یہ دراصل اسی قلم کے کارناموں کا اقرار ہے کیونکہ شاہ صاحب کے وہ سارے علمی مجاہدات جن کے اثر سے بالآخر اس ملک میں حدیث کے

Marfat.com

فن کو اتنی اہمیت حاصل ہوگئی ان کا تعلق اسی قلم سے ہے۔ انھوں نے اس سلسلہ میں جو کچھ کیا اسی قلم کے ملنے کے بعد کیا۔ بلکہ عوام تو شاید خواب کے اس قلم کو خواب وخیال والا قلم خیال کرتے ہوں گے۔ لیکن جس شخص کا خود ذاتی مشاہدہ تھا کہ ان کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم کو خواب ہی میں دربار رسالت پناہی سے محاسن (ڈاڑھی مبارک) کے دو بال عطا ہوتے تھے۔ شاہ ولی اللہ کا بیان ہے کہ حالت بیداری میں یہ دونوں موئے مبارک ان کے والد کو ملے جو ایک مدت تک خود ان ہی کے پاس رہے اور جب تبرکات تقسیم ہونے لگے۔ تو

یکے ازاں دو موی بکاتب حروف عنایت فرمودند۔ (انفاس ص[illegible])	تو ان دو موئے مبارک میں سے ایک موئے مبارک کاتب حروف کو عنایت فرمایا۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی تصنیف کی ایک خاص خصوصیت ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز نے جو یہ بیان فرمائی کہ:۔

بعد مراقبہ ہرچہ بکشف می رسید می نگاشتند۔ (ملفوظات ص[illegible])	کہ مراقبہ کے بعد جو چیز کشفی طور پر آپ کو معلوم ہوتی اسے ارقام فرماتے تھے۔

کون کہہ سکتا ہے کہ "اس مراقبہ" میں شاہ صاحب کا رخ کس طرف ہوتا تھا اور اس سے کیا مقصود تھا۔ ان تصانیف کے لئے آپ کو جس مقام سے قلم ملا تھا، اسی طرف توجہ کرکے بیٹھ جاتے یا خواب والے قلم کو پھر اپنے اندر پیدا کرتے تھے۔ یا اس کے سوا کوئی اور چیز آپ کے پیش نظر تھی۔ بہرحال

Marfat.com

اس سے اتنا تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی کتابوں کا ڈھنگ جو نرالا معلوم ہوتا ہے۔ اس میں ان کی تصنیف و تالیف کی ان خاص خصوصیتوں کو بھی ضرور دخل ہے۔ بلکہ شاہ صاحب کی عبارت میں جیسا کہ عرض کر چکا ہوں "جوامع الکلم" کی جھلک جو نظر آتی ہے۔ اس میں بھی قصد سے زیادہ اُن کے اسی طریقہ عمل کو شاید دخل ہو۔

الغرض سفر حجاز سے واپس ہونے کے بعد جیسا کہ اپنے استاد سے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا اور غالباً اسی کا ترجمہ شاہ عبدالعزیز نے یہ فرمایا ہے جو ان کے ملفوظات میں منقول ہے کہ :-

پدر من وقت رخصت از مدینہ از استاد خود عرض کرد، داو خوش می شد کہ ہرچہ خواندہ بودم فراموش کردم الا علم دین یعنی حدیث (ص ۹۳)	کہ میرے والد نے مدینہ منورہ سے رخصت ہوتے ہوئے اپنے استاد سے عرض کیا اور استاد اس سے بہت خوش ہوئے کہ میں نے جو کچھ پڑھا تھا بجز علم دین یعنی حدیث کے بھلا دیا

من آنچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم

گویا ـــــــ " جو لکھا پڑھا تھا نیاز نے سو وہ ایک دم میں بھلا دیا۔

اب ان کا مشغلہ صرف یہی رہ گیا تھا کہ متوسلین و تلامذہ کے سامنے اسرار و حقائق پر تقریر فرماتے رہتے تھے یا حدیث کا درس دیا کرتے تھے یا لکھتے رہتے اور اس شان کے ساتھ لکھتے رہتے تھے کہ ہر مسئلہ " مراقبہ" کے بعد

درج کتاب ہوتا تھا حدیث کے ساتھ ساتھ شاہ صاحب کے درس کا ایک جزء اور بھی تھا۔ جس کا ذکر شاہ عبدالعزیز ہی نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:۔

والد ماجد کا معمول یہ تھا کہ ختم قرآن

معمول والد ماجد آں بود کہ بعد ختم قرآن حدیث می شد۔

کے بعد حدیث کا دورہ شروع کراتے۔

جس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحاح کا درس جس کا نام اس زمانہ میں "دورۂ حدیث" پڑ گیا ہے۔ اس سے پہلے شاہ صاحب قرآن کا دورہ بھی کرایا کرتے تھے۔ اور بغیر تفسیر کے مجرد متن قرآن پڑھانے کی ترویج کم از کم ہندوستان میں شاہ ولی اللہ ہی کی ایجاد ہے۔ اگرچہ افسوس ہے کہ اب مدارس خصوصاً ولی اللہی مدارس میں بھی یہ طریقہ ترک کر دیا گیا اور محض ان حلقوں تک جن میں (یہ ترویج) باقی رہ گئی ہے۔ آپ نے وصیت نامہ میں طریقہ تعلیم کے متعلق جو ایک "نظام نامہ" مرتب فرمایا ہے اس میں فرماتے ہیں کہ:۔

متن قرآن کے درس کے متعلق شاہ صاحب کی ہدایت

قرآن عظیم درس گویند باں صفت کہ صرف قرآں بخوانند بغیر تفسیر و ترجمہ گویند و دراں چہ مشکل باشد در نحو یا در شان نزول متوقف شوند و بحث نمایند۔ بعد فراغ

قرآن عظیم کا درس دینا چاہئے اس طریقہ سے کہ صرف قرآن پڑھا جائے یعنی تفسیر کے بغیر صرف متن قرآن اور ترجمہ پڑھایا جائے۔ پھر قرآن کے متن کے متعلق جو دشواری پیش آئے مثلاً نحو کے متعلق یا شان نزول

Marfat.com

از درس تفسیر جلالین رابقدر درس بخواند دریں طریقت نیفعاست

کے متعلق تو رک جانا چاہئے کہ اس کی تحقیق کی جائے۔ پھر جب قرآن ختم ہوجائے. تب نصاب تک جلالین پڑھائی جائے۔ اس طریقہ میں بڑے بڑے فیض ہیں۔

واقعہ ہے کہ آج جتنا زور عربی مدارس کے قدیم سلسلوں میں حمداللہ اور میرزاہد کی عبارتوں کے حل پر دیا جاتا ہے یا نئے مدرسوں میں ادب و انشاء وغیرہ میں سر مارا جاتا ہے اگر اسی وقت کو قرآنی آیات کے حل ہی میں صرف کیا جائے تو جو کتاب صرف مغز ہی مغز ہے اس سے علما ر اور طلباء کو کیسے کچھ فیض پہنچ سکتے ہیں۔ تفسیروں کے درس میں عموماً آدمی حق تعالیٰ کے کلام سے ہٹ کر پھر اپنے ہی جیسے انسانوں کی تعبیروں میں اُلجھ جاتا ہے۔ اور اسی کے مشکلات میں اتنا وقت صرف ہوجاتا ہے کہ قرآنی آیات کی طرف توجہ کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا۔ صرف قرآن کے پڑھانے سے آدمی پر عجیب و غریب حقائق کا انکشاف ہوتا ہے شاہ عبدالعزیز صاحب نے اس کے متعلق بڑے تجربہ کی بات فرمائی ہے۔ کہ:۔

مرداں چنانچہ در قرآں متلذذ می شوند در حدیث نہ۔ و ماراہم چنانچہ در قرآن معنے ہائے عجیب و غریب دست می دہد و آمدی باشد در حدیث نہ۔ در حدیث موافق کتب

لوگ جتنا قرآن سے لذت گیر ہوتے ہیں اتنی لذت ان کو حدیث میں نہیں ملتی اور خود ہمارا حال بھی یہی ہے کہ جتنے عجیب و غریب مطالب قرآن میں ہاتھ آتے ہیں اور اس

بیان می کنم۔ (مک) | میں آمد معلوم ہوتی ہے۔ حدیث

میں یہ بات حاصل نہیں ہوتی۔ حدیث کے درس میں تو وہی بیان کرتا ہوں جو کتابوں میں ہے۔

جس کا مطلب یہی ہوا کہ قرآن میں جب تدبر کیا جاتا ہے۔ تو بغیر کتابی امداد کے خود بخود مطالب کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں بخلاف حدیث یا کسی دوسرے فن کے کہ اس کے درس میں عموماً شرح و حواشی کی ہی ریزہ چینی ہوتی ہے۔

شاہ صاحب کے باقیات صالحات

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو کچھ میں لکھنا چاہتا تھا خدا کا شکر ہے کہ وہ لکھا جا چکا۔ اب آپ کے "باقیات صالحات" اولاد امجاد کے مختصر تذکرہ پر اس سلسلہ کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ سب ہی کو معلوم ہو گا کہ شاہ صاحب قدس سرہٗ کو حق تعالےٰ نے علاوہ اس اولاد کے جو صغر سنی ہی میں وفات پاکر آپ کے لئے "اجر وذخر" بن چکی تھی چار فرزند عطا فرمائے تھے جو فرزندی کے علاوہ آپ کے صحیح جانشین بھی تھے۔ یعنی شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، شاہ عبدالغنی۔

وفات سے پہلے چاروں صاحبزادوں کی خلافت

شاہ صاحب نے اس دنیا سے جاتے وقت باضابطہ طور پر بھی ان چاروں حضرات کو اپنا جانشین (خلیفہ) بنایا تھا۔ شاہ عبدالعزیزؒ کے ملفوظات ہی میں ہے کہ وفات سے تھوڑی دیر پہلے،۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی آپ نے چاروں فرزندوں کے سر دل
بر سر ہر چہار فرزندان نہادہ بودند۔ پر دستار مبارک کھدی تھی یا باندھی تھی

جس کا مطلب یہی ہوا کہ حضرت نے اپنے چاروں صاحبزادوں کو اپنا خلیفہ وجانشین قرار دیا۔ یہاں سوچنے بلکہ عبرت کی ایک چیز ہے۔ کہ اسی دلی میں ایک دین دار بادشاہ نے اپنے چند بیٹوں کو اسی طرح دنیا میں اپنا جانشین قرار دیا تھا جیسا کہ مورخ فرید آبادی رقم طراز ہیں کہ:۔

"اورنگ زیب نے اپنی زندگی میں بڑے بیٹے محمد معظم کو شمالی ہند اور کابل کی حکومت سونپ دی تھی، وسط ہند، گجرات بآپ کے چہیتے بیٹے محمد اعظم کے زیر انتظام تھے اور جنوبی ہندوستان شہزادہ کام بخش کے حوالہ کر دیا گیا تھا"

فرید آبادی اس کے بعد اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ:۔

"اسی انتظام کے مطابق وہ سلطنت کو اپنے بیٹوں میں تقسیم کرنا چاہتا تھا"

لیکن دنیا کے ان تین بادشاہوں نے ہندوستان اور کابل جیسے وسیع وعریض علاقوں میں اپنے لئے گنجائش نہ پائی۔ اور ہوا اس کے بعد جو کچھ ہوا۔

شاہ صاحب کے چاروں صاحبزادوں کے باہمی تعلقات

لیکن اسی دلّی میں دین کا ایک سردار اپنے تین نہیں بلکہ چار بیٹوں کے سر پر خلافت کی دستار باندھتا ہے پھر دین کے ان چار شہزادوں نے زندگی کس طرح گذاری اس کا اندازہ ان تعلقات سے ہو سکتا

Marfat.com

ہے جو ان چاروں بھائیوں میں آخر عمر تک باقی رہے۔ امیر شاہ خاں کا بیان ہے کہ:۔

شاہ عبد القادر کا کھانا اکبری مسجد روزانہ شاہ عبد العزیز ہی کے گھر سے جاتا تھا۔ وہی اپنے اس متوکل بھائی کے کپڑے بنادیا کرتے تھے۔ شاہ عبد العزیز باوجود بڑے ہونے کے شاہ عبد القادر کی ولایت کے کس حد تک قائل تھے۔ اس کے متعلق وہی مشہور بات کہ عید کا چاند تیس کا ہوگا یا اُنتیس کا۔ اس کا پتہ چلانے کے لئے ہمیشہ حضرت شاہ عبد العزیز رمضان کی پہلی تاریخ کو آدمی بھیج کر دریافت کرتے کہ:۔

"میاں عبد القادر نے آج کے سیپارے پڑھے ہیں ؟" اگر آدمی یہ آکر کہتا کہ "آج دو پڑھے ہیں تو شاہ صاحب فرماتے کہ عید کا چاند تو اُنتیس ہی کا ہوگا۔ یہ بات دوسری ہے کہ ابر وغیرہ کی وجہ سے دکھائی نہ دے اور حجت شرعی نہ ہونے کی وجہ سے ہم رویت کا حکم نہ لگا سکیں۔ (امیر الروایات ص۱۰۵)

علیٰ ہذا شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ سے شاہ عبد العزیز کو جو دلی تعلق تھا اس کا اندازہ بھی اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ جب شاہ رفیع الدین کو لوگ دفن کر کے فارغ ہوئے اس وقت حضرت شاہ عبد العزیز نے ایک خاص کیفیت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ:۔

مرا چار رشتہ بود یکے برادر حقیقی	رفیع الدین سے میرا چار طرح رشتہ
دوم قبلہ گاہی (حضرت شاہ	تھا ایک تو حقیقی بھائی تھے دوسرے
ولی اللہ) مرا بہ تقریبے دادند کہ	یہ کہ قبلہ گاہی (والد ماجد)
فرزند تست سیومی شیر دایہ من	نے ایک تقریب سے انھیں میرے

Marfat.com

نوشیدہ چہارم شاگرد۔ سپرد کر کے کہا۔ کہ یہ تمھارا لڑکا ہے۔ تیسرے ہم نے اور انھوں نے ایک ہی دائی کا دودھ پیا تھا۔ چوتھے وہ میرے شاگرد تھے۔

کسی نے اسی سلسلہ میں عرض کیا کہ" شاہ رفیع الدین سے اس خاندان کی بڑی علمی عزت تھی۔ شاہ عبدالعزیز نے اس وقت جو جملہ فرمایا۔ وہ سچی اور خالص محبت کی کتنی اچھی تعبیر ہے فرمایا:-

اگر جاہل ہم بودند مرا ہم چناں درد بودے۔ اگر وہ جاہل بھی ہوتے تو مجھے اُن کا اسی قدر درد ہوتا۔

جامع ملفوظات نے مولانا رفیع الدین کے جنازے کی کیفیت اور شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا باوجود نابینا ہونے کے اُن کی چارپائی اٹھانے کی کوشش اور انتہائی ضبط کی کوشش کے باوجود بار بار بلبلا اٹھنا اور فرمانا کہ" چہ گویم من طاقتے ندارم" ایک ایسے دردناک پیرایہ میں ان حالات کو بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں بھائیوں میں موّدت و اخلاص کے کیسے مراسم تھے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ان چاروں بھائیوں کی وفات عجیب ترتیب سے ہوئی شاہ عبدالعزیز ہی کا قول جامع ملفوظات نے یہ نقل کیا ہے کہ

چاروں صاحبزادوں کی وفات میں عکسی ترتیب

ترتیب منعکس در رحلت برادران واقع شد یعنی اول مولوی عبدالغنی کہ خورد

الٹی ترتیب بھائیوں کی وفات میں واقع ہوئی اوّل مولوی عبدالغنی کہ سب سے چھوٹے تھے اس کے بعد مولوی عبدالقادر اور ان کے بعد مولوی رفیع الدین

تربیں ہمہ ہا بودند اجدازاں مولوی عبدالقادر	سب سے بڑا بن ہوں۔ اب
از و شان بعد مولوی رفیع الدین کلاں	میری باری ہے۔
سال از و شاں ہتم باری ماست۔	

واقعہ یہ ہے کہ اپنے اپنے دائرہ عمل میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ان چاروں صاحبزادوں نے بڑے باپ کے بیٹے ہونے کی شان کو بوجہ کمال آخر عمر تک باقی رکھا شاہ عبدالغنی چھوٹے صاحب نے تو کم عمر پائی لیکن ان تلافی قدرت نے ان کے "نجل رشید" حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ سے فرمادی۔ ناظرین "الفرقان" جن کے حالات سے شہید نمبر کے ذریعہ سے واقف ہو چکے ہیں۔ اور یوں بھی علم دین کے دائرہ کا ایسا کون ہے جو ان سے اوران کے محیر العقول و بدہوش کارناموں سے تھوڑا بہت واقف نہیں ہے شاہ عبدالقادرؒ نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ اگرچہ عزلت میں گذار دیا۔ لیکن مرزا امیر شاہ صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کی ایک صاحبزادی تھیں۔ کل جائداد زندگی ہی میں ان ہی صاحبزادی اور دوسرے بھائیوں پر تقسیم فرما کر اکبر آبادی مسجد کی ایک سہ دری میں اپنی زندگی بسر کردی۔ شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ عبدالعزیزؒ دونوں متاہل ہوئے جن میں شاہ عبدالعزیز کی کوئی نرینہ اولاد نہ ہوئی صرف تین صاحبزادیاں تھیں اور شاہ رفیع الدین کے چار لڑکے مولوی موسیٰ، مولوی عیسیٰ، مولوی مخصوص اللہ مولوی حسن جان ہوئے۔ ان میں سے مولوی عیسیٰ صاحب کی شادی شاہ عبدالعزیز کی ایک صاحبزادی سے ہوئی اور بقیہ دو صاحبزادیوں میں سے ایک مولوی افضل صاحب اور دوسری مشہور رفیق شہید مولینا عبدالحی الخطیب المجاہد سے ہوئی تھی۔ مولوی افضل ہی کے دو صاحبزادے یعنی شاہ محمد اسحٰق۔ ولد شاہ محمد یعقوب

Marfat.com

صاحب ولی اللہی خاندان کے آخری یادگار دلی میں رہ گئے تھے۔ لیکن مسلمانوں کی دلی جب مسلمانوں کی دلی ہونے کی خصوصیت کو قطعی طور پر کھو چکی تو دونوں بھائی ۱۲۵۶ھ میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ حجاز ہجرت کر گئے اور اسی سرزمین پاک میں ہندوستان کے یہ علمی خزانے مدفون ہیں۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ کا کچھ حال پہلے گذر چکا ہے۔ آخر میں چاہتا ہوں کہ دلی ہی کے ایک چشم دید گواہ کے بیان کو جو اس خاندان اور اس مدرسہ کے متعلق ہے درج کر کے اس مقالہ کو ختم کر دوں گا۔ کہ اِنّ فی ذالک لعبرۃ

قفا نبك من ذكرى حبيب ومنزل

شاہ ولی اللہ کے مدرسہ کا حال اور غدر میں اس کی بربادی

دلی کے اس عجیب وغریب علمی ودینی خاندان اور اس خاندان کے دار العلوم کا آخری انجام وہی ہوا۔ جو ہر اس چیز کا ہے جس کا تعلق اس عبوری دور کی ابتدائی زندگی سے ہے دہلی کے آثار اور مقامات کے ذاتی تجربہ کار مولوی بشیر احمد مرحوم اپنی کتاب دار الحکومت دہلی ہی میں لکھتے ہیں:۔

> جب شاہ رشاہ ولی اللہؒ کے صاحبزادوں میں کوئی نہ رہا تو مولانا محمد اسحٰق صاحب نے مدرسہ کی خدمت اپنے ذمہ لی ۱۲۵۶ھ میں آپ نے ہجرت کی تو مولانا مخصوص اللہ صاحب اور مولانا موسیٰ صاحب خلف حضرت مولانا رفیع الدین صاحب اس کی نگرانی فرمانے لگے۔ ان حضرات نے بھی ۱۸۵۶ء میں انتقال فرمایا تو صرف مولانا محمد موسیٰ کے ایک صاحبزادے میاں

Marfat.com

عبدالسلام صاحب بہت صغرسن تھے اور ایک صاحبزادی رہ گئیں خاندان بھر
میں کوئی ایسا نہ تھا جو عبدالسلام صاحب کو لکھاتا پڑھاتا غرض یہ سلسلہ جو کئی پشت
سے اس خاندان میں جاری تھا بند ہو گیا۔ غدر میں مکانات لوٹ لئے گئے
گرا دیئے گئے، کڑی، تختے تک لوٹ اٹھالے گئے" خانہ خالی را دیو می گیرد" ایک
شریف گردی تھی کہ الٰہی توبہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس جس کا جس پر قابو
چلا قابض ہو گیا اب متفرق لوگوں کے مکان اس جگہ بن گئے ہیں مگر محلہ شاہ
عبدالعزیز کے مدرسہ کے نام سے آج تک پکارا جاتا ہے اس خاندان میں
سوائے ایک آدھ خاتون عصمت کے اور کوئی نام لیوا اور پانی دیوا نہ رہا
مولوی بشیر مرحوم نے اس سے بھی زیادہ دردناک واقعہ ایک دوسری جگہ یہ درج کیا ہے
کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اپنی زندگی میں اپنے نواسوں مولانا محمد اسحاق اور مولانا یعقوب کو جو
مکان بنوا کر دیئے تھے اور شاہ اسحاق صاحبؒ نے ان میں کچھ دن درس دیا تھا اب

"اس مدرسہ میں چھوٹے چھوٹے مکانات بن گئے ہیں۔ چوہان کسان وغیرہ غریب
لوگ رہتے ہیں یہیں ایک چھوٹی سی مسجد آپ ہی کے نام سے مشہور ہے جس میں
آپ نماز پڑھتے تھے۔ اب چونکہ یہ کل جائداد رائے بہادر لالہ شیو پرشاد صاحب
کی ہے اس لئے مولوی بشیر مرحوم نے اس کے بعد جو فقرہ لکھا ہے قلم اس
کے لکھنے سے کانپتا ہے لکھتے ہیں کہ اس لئے

ولی اللہی دارالعلوم پر مدرسہ رائے بہادر لالہ رام کشن داس کا تختہ

"اس گلی پر مدرسہ رائے بہادر لالہ رام کشن داس کا تختہ
لگا دیا گیا ہے" ج ۲ ص ۱۶۷
مسلمانانِ ہند کے لئے عموماً اور مسلمانانِ دہلی کے

لیے خصوصًا اگرچہ یہ ایک شرمناک حادثہ ہے کہ "مدرسہ مولنٰنا محمد اسحاق" پر مدرسہ رائے بہادر لالہ رام کشن داس کا تختہ لگا دیا گیا ہے۔"

لیکن خدا کی وہ بات کہ اللہ کی راہ میں مرنے والے مرتے نہیں (بل احیاء ولکن لا تشعرون) اب بھی پوری ہو رہی ہے۔ شمال سے جنوب تک آج ہندوستان میں حدیث اور دارالحدیث کا جو چرچا پھیلا ہوا ہے کوئی شبہ نہیں کہ ان ہی چند عشق بازوں کی عشق بازی کا نتیجہ ہے۔ ونعم ما قیل ؎

از صدائے سخن عشق ندیدم خوش تر یادگارے کہ دریں گنبد دوّار بماند

شاہ عبد القادر کی سکونت گاہ اکبر آبادی مسجد

حضرت شاہ مولنٰنا عبد القادر کی سکونت گاہ کے سلسلہ میں اکبر آبادی مسجد کا بھی ذکر آیا تھا۔ جی چاہتا ہے کہ اس کا حال بھی کچھ اسی کتاب سے اخذ کر کے آخر میں درج کردوں اپنی مولوی بشیر مرحوم کا بیان ہے کہ یہ مسجد فیض بنیاد اعزاز النساء بیگم محل شاہجہاں بادشاہ نے ۱۰۶۰ھ مطابق ۲۴ سنہ جلوس میں بنائی ہے۔ ان بیگم کا خطاب اکبر آبادی محل تھا۔ اسی سبب سے یہ مسجد بھی اکبر آبادی محل تھا۔ اسی سبب سے یہ مسجد بھی اکبر آبادی مشہور ہو گئی اس مسجد کے تین گنبد اور سات در ہیں مسجد کی عمارت ۴۳ گز طول میں اور سترہ گز عرض میں نری سنگ سرخ کی اور اس کا پیش طاق سنگ مرمر کا پر چین کار ہے اور اس کے آگے ایک چبوترہ ۴۴ گز طول ستاون گز عرض اور تین گز اونچا اس پر سنگ سرخ کا کٹہرا لگا ہوا ہے اور اس کے آگے ایک حوض ۱۲×۱۲ گز کا چشمہ آفتاب و ماہتاب و ماہتاب پر شرف لے جاتا ہے اور نہر کا پانی اس میں آتا ہے۔ اس کے گرد حجرے بنے ہوئے ہیں۔ ۱۵۴×۱۰۴ گز اور ہر حجرے کے آگے ایک ایوان ہے اور اس کے سامنے سرتاسر

Marfat.com

چار گز عرض کا چبوترہ اور اس مسجد کے دو مینار بلند منجملہ ان کے شمالی مینار بجلی کے صدمے سے ٹوٹ گئی ہے۔

معلوم نہیں مولوی بشیر مرحوم نے یہ عبارت کس کتاب سے نقل کی ہے غالباً "آثار الصنادید" سید احمد خاں سے ماخوذ ہے۔ اس لئے کہ خود مولوی بشیر مرحوم کے زمانہ میں اس مسجد کا جو حال ہے اس کے متعلق وہی رقم طراز ہیں۔

"فیض بازار ہی میں یہ مسجد تھی جو غدر کے بعد ڈھایا ڈھوئی کی نذر ہوئی"

اور اب اس جلے ہوئے "دل" کو کس خاک میں ڈھونڈنا چاہیئے؟ فرماتے ہیں۔

"محل وقوع اس کا موجودہ ایڈورڈ پارک ہے"

آگے لکھتے ہیں "جس وقت اس کے لئے زمین ہموار کی جانے لگی تو مسجد کا چبوترہ اور بنیادیں جوں کی توں مثل گنج نہاں کے زمین میں مدفون تھیں۔ ویسے ہی ڈھک دی گئی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خانہ خدا اور یہ بے نظیر عمارت نظروں سے پوشیدہ ہو گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

شاید کہنے والے نے اسی کے متعلق کہا تھا ؎

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا
کریدتے ہو جواب خاک جستجو کیا ہے

حکومت ۱۲ - دین ۱۲

Marfat.com

DATA ENTERED

تذکرہ

حضرت شاہ ولی اللہؒ

حضرت مجدد اعظم کی زندگی اور اُن کے
فکر و نظر کی تشریح و توضیح

علامہ مناظر احسن گیلانی مرحوم

نفیس اکیڈمی
بلاسس اسٹریٹ ـــــــ کراچی (پاکستان)
قیمت مجلد چار روپیہ آٹھ آنہ

Marfat.com